تصانیف دارا شکوہ کا تحقیقی جائزہ ---
تصوف کے خصوصی حوالہ سے

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

محقق:

طارق محمود

نگراں:

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید

(ستارۂ امتیاز)

شعبہ:

علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

۳۰ نومبر ۲۰۰۵ء

نمبر شمار		صفحہ نمبر
۱۔	فہرست تصحیح شدہ صفحات	
۲۔	تصدیق نامہ	
۳۔	مقدمہ	
۴۔	باب اوّل تصوف اور اسکی مختصر تاریخ	۲
۵۔	باب دوم داراشکوہ-------حالات وافکار	۲۵
۶۔	باب سوم داراشکوہ کی کتب تصوف	۴۸
۷۔	باب چہارم تراجم وخطوط	۱۰۰
۸۔	باب پنجم پنجاب میں مراکز سلسلہ قادریہ کی خدمات تصوف	۱۴۰
۹۔	باب ششم صوفیائے قادریہ پنجاب کی علمی ودینی خدمات	۱۵۴
۱۰۔	کتابیات	۲۳۸
۱۱۔	اختتامیہ	۲۵۲

فہرست تصحیحات

Typing Mistakes

as suggested by an External Examiner July 31, 2006

نمبر شمار	صفحہ نمبر	تفصیل
۱۔	۱۴۱	حوالہ نمبر ۴ حضرت
۲۔	۱۵۳	تذکرہ مشائخ ارائیاں
۳۔	۱۵۵	احاطہ بی بی پاک دامن
۴۔	۱۶۵	قصور
۵۔	۱۷۱	آپ کو تصنیف و تالیف
۶۔	۱۷۵	تبلیغ
۷۔	۱۷۹	دعا
۸۔	۱۸۴	خلافت
۹۔	۱۸۷	نعت گو
۱۰۔	۱۸۸	پاکستان
۱۱۔	۲۱۴	لاہور
۱۲۔	۲۱۵	مولانا سراج احمد
۱۳۔	۲۱۶	احیاء السلام
۱۴۔	۲۱۷	اور - مولانا عبدالحمید - گاؤں
۱۵۔	۲۲۹	مشاہیر - وفیات
۱۶۔	۲۳۰	وفیات مشاہیر پاکستان
۱۷۔	اختتامیہ	Revised, as suggested by an External Examiner July 31, 2006

DEAN

PROF.DR.ABDUL RASHID

Dated Nov. 21, 200

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ **طارق محمود** نے میری نگرانی میں **"تصانیف دارا شکوہ کا تحقیقی جائزہ...... تصوف کے خصوصی حوالہ سے"** کے موضوع پر تحقیق مکمل کر لی ہے۔

اس تحقیقی کام کو پی ایچ۔ ڈی کی سند کے لئے جمع کرانے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید

نگراں مقالہ

e.mail: dfis@ku.edu.pk
Http: //www.ku.edu.pk
Http: //www.fisku.edu.pk

Phone: 4825119
9243131-7/2

FACULTY OF ISLAMIC STUDIES

UNIVERSITY OF KARACHI
KAR.-75270

Dated Aug. 01

Prof. Dr. Abdul Rashid
Sitara-I-Imtiaz
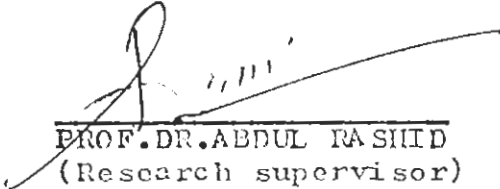
With reference to BASR resolution (copy is enclosed) I certified that Mr. Tariq Mehmood has incorporated corrections in his thesis as suggested by an externa examiner - Dr. Muzzamil H. Siddiqui, USA.(Corrected copies are enclosed).

546
02.08.06

Therefore, it is recommended that the degree of Ph.D may kindly be awarded to Mr. Tariq Mehmood, a candid for Ph.D. in Islamic Learning.

PROF.DR.ABDUL RASHID
(Research supervisor)

VERIFIED BY DEAN, ISL.STUDIES.

BASR.

Res: A-6, Staff Town, University of Karachi
Kar.-75270

BOARD OF ADVANCED STUDIES & RESEARCH
UNIVERSITY OF KARACHI

File BASR/841/Ar.

Extract from meeting of **BOARD OF ADVANCED STUDIES & RESEARCH**
Item No. 14(2) dated: **4 & 5-07-2006**

Item No.14: Considered the Thesis & viva examination reports of the following: -

2	Mr. Tariq Mahmood	Ph.D.	Islamic Learning

Resol.No.12: Resolved that: -

2-a) The reports of thesis evaluation and viva voce examination reports of Mr. Tariq M Mahmood, a candidate for Ph.D. in Islamic Learning, are approved with the note that photocopy of the report of external examiner: Dr. Muzzamil H. Siddiqui (U.S.A.) be sent to the Research Supervisor for incorporating corrections in the thesis as suggested by the external examiner. **The corrected thesis be re-submitted to the BASR Section with a report of corrections duly certified by the Research Supervisor and verified by the Dean, Faculty of Islamic Studies.**

b) **BASR authorized the Vice Chancellor to approve the award of the degree to the candidate subject to fulfillment of the condition at (a).**
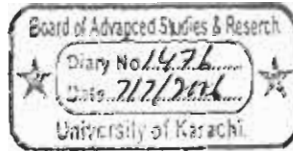
Assistant Registrar
(B.A.S.R. Section)

Copy to:

1. Dean, Faculty of Islamic Studies, K.U.
2. Chairman, Department of Islamic Learning, K.U.
3. Prof. Dr. Abdul Rashid **(Research Supervisor)** Department of Islamic Learning, K.U..
4. File Concerned.

مقدمہ

تمام تعریفیں اس رب کائنات کی جو ساری مخلوق کا خالق ہے اور بے حساب درود وسلام اس رحمۃ للعالمین اور محسن انسانیت پر جن کے ذریعہ ہمیں......اقراء کا سبق ملا۔

اس سبق کو عام کرنے میں صوفیائے کرام نے جو کردار ادا کیا تاریخ کے صفحات نے اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔

انہی اعلیٰ صفات شخصیات میں ایک شخصیت......''دارا شکوہ'' میرے مقالے کا موضوع ہے۔

میرا یہ مقالہ......مقدمہ، چھ ابواب، اختتامیہ اور منتخب کتابیات پر مشتمل ہے۔

پہلا باب **تصوف اور اس کی مختصر تاریخ** پر مشتمل ہے تا کہ شخصیت سے پہلے اس کے پس منظر کا جائزہ لیا جائے۔اس باب میں اس بحث کی وضاحت کی گئی ہے کہ......................

دنیا میں ہر شے کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی ظاہری و باطنی یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کے باطنی پہلو کو طریقت کا نام دیتے ہیں جو تزکیہ نفس کی بنیاد ہے اور ان کے نزدیک کتاب و سنت ہی تصوف کے تمام مسائل کے استنباط کے لئے ماخذ ہیں اور ان مسائل کے استنباط کے حقدار وہی اہل علم ہوئے ہیں جو ظاہر و باطن میں ہر طرح متبع کتاب وسنت ہوں اور اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کر دیتا ہے جس سے اسرار سربستہ ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

علم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی

علم شریعت ہے اور جس پر اس کا اثر ظاہر سے گذر کر باطن تک پہنچتا ہے تو اسی کو علم باطن یا طریقت کہا جاتا ہے۔

اسوۂ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے وقعات بہترین نمونہ تقلید ہوتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دین کی فہم وفراست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیات ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں ترک شہوات، اجتناب شبہات اور تمسک بالحق شامل ہیں۔

دوسرے باب میں دارا شکوہ کے حالات وافکار کا ذکر ہے۔ تاکہ ان کی خدمات اور تحریرات تصوف سے پہلے ان کے حالات وافکار سے اگاہی حاصل کی جائے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ اگر چہ............... ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کیونکہ مغل دور کے مورخین نے اپنی زیادہ تر توجہ ملک میں سیاسی واقعات بیان کرنے تک ہی محدود رکھی اور دارا کی تعلیم کے بارے میں بہت کم لکھا۔ وہ چھ سال کا تھا کہ معروف حنفی عالم ملا عبدالطیف اس کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ داراشکوہ اپنی تصانیف میں اپنے استاد ملا عبدالطیف کا کوئی ذکر نہیں کرتا، البتہ سکینۃ الاولیاء میں اپنے دوسرے استاد میرک شیخ کے بارے میں لکھتا ہے کہ میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم وفاضل ہیں، زہد و پرہیز گاری اور حق گوئی میں ثابت قدم ہیں۔ میرک شیخ اپنے عہد کے جید عالم تھے۔ داراشکوہ نے ان سے عربی، فارسی، تفسیر اور دوسرے علوم سیکھے۔ بعد میں وہ نامور علماء، عارفین، پنڈتوں اور جوگیوں سے فیض حاصل کرتا رہا۔ اس نے خطاطی میں بھی مہارت حاصل کی۔

تاریخ کے آئینے میں داراشکوہ کی ایک اور جھلک جو ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے باپ شہزادہ خرم نے بغاوت کے بعد جب اپنے باپ جہانگیر سے مصالحت کر لی تو جون 1626ء میں دو بیٹوں دارا اور اورنگ زیب جہانگیر کے پاس بطور یرغمال بھیج دیا۔ شہزادہ خرم کا ایک اور بیٹا شجاع پہلے ہی سے وہاں موجود تھا کیونکہ وہ جہانگیر کو اپنے پوتوں میں سب سے لاڈلا تھا۔ جہانگیر کی زندگی میں شہزادہ خرم کے ان دونوں بیٹوں

تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس آگرہ بلا لیا۔ اس وقت دارا 13 سال کا ہو چکا تھا۔ شاہجہاں نے اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انہی دنوں انتظام کیا ہو گا لیکن تاریخ سے ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ اس کے باپ نے مغل روایات کے مطابق اس کی تعلیم کے لئے کون سے انتظامات کئے۔

تیسرے باب میں دارا شکوہ کی کتب تصوف کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں **سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، رسالہ حق نما، حسنات العارفین، دیوان دارا شکوہ، مجمع البحرین، دارا شکوہ کی بیاض اور طریقۃ الحقیقت** شامل ہیں۔

چوتھا باب دارا شکوہ کی ان تحریروں کے بارے میں ہے جو انہوں نے مختلف کتابوں کے ترجمے کئے اور خطوط تحریر کئے۔ ان میں ''سرِ اکبر'' آپ کی ایک اہم کاوش ہے جو اپنشدوں کا فارسی ترجمہ ہے۔

داراشکوہ کے کہنے کے مطابق اس نے اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے، اپنے دوستوں کے لئے اور متلاشیان حق کے روحانی فیض کے لئے کیا تھا۔ فارسی اس زمانے میں مشرق میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی زبان تھی، اور بہت سے یورپی سکالرز بھی اسے بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ ترجمہ ان لوگوں کی پہنچ میں آ گیا جو ہندوستان کے مذہبی لٹریچر سے دلچسپی رکھتے تھے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ہندوستان میں ''سرِ اکبر'' میں کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اس کی زیادہ پروا نہ کی اور اسے زیادہ تر صرف دربار کے ہندو امراء نے، جو فارسی زبان سے آگاہ تھے، پڑھا اور آج بھی یہ ایک بھولی بسری کہانی کی طرح ہے۔

ترجمے کی صحت اور خوبی کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ داراشکوہ کا اپنا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے توحید کے اس خزانے کو جس کے ماہرین ہندوؤں میں بھی خال خال ملیں گے، رواں انداز میں حرف بحرف ترجمہ کر دیا۔ جن لوگوں نے سنسکرت کے مسودے سے اس کا مقابلہ کیا ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

داراشکوہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ترجمے میں اسلامی اسلوب اور اصطلاحات اختیار کی جائیں تا کہ

محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے ''مہادیو'' کے لئے ''اسرافیل''، ''وشنو'' کے لئے ''میکائیل''، ''برہمان'' کے لئے ''جبرائیل''، ''برہم لوک'' کے لئے ''سدرہ المنتہیٰ''، ''آکاش وانی کے لئے ''وحی'' اور ''مہاپرلی'' کے لئے ''قیامت'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

بحیثیت مجموعی، یہ ترجمہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔

پانچواں باب پنجاب میں مراکز سلسلہ قادریہ کے کردار کے بارے میں ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دارا شکوہ جس سلسلہ سے وابستہ تھے تصوف کے پروان چڑھانے اور علم کی ترویج میں اس کا کیا کردار ہے۔
پاکستان کے صوبہ پنجاب .... میں سلسلہ قادریہ کے فیض یافتہ مشائخ چھٹی صدی ہجری کے اواخر یعنی بارہویں صدی عیسوی ہی سے موجود تھے۔ اس باب میں ان تمام اہم صوفیائے کرام کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں اس علاقے میں سلسلہ قادریہ کے حوالہ سے خدمات سرانجام دیں۔
مقالہ کا چھٹا اور آخری باب بھی ان صوفیائے کرام کی علمی اور دینی خدمات پر مبنی ہے جنہوں نے ......
صوبہ پنجاب میں علماء و مشائخ قادریہ نے نہ صرف قیام پاکستان سے قبل بلکہ اس کے بعد بھی استحکام پاکستان کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے بھرپور دینی و علمی خدمات سرانجام دیں۔ تبلیغ واشاعت اسلام اور خدمت خلق کے لئے ان بزرگوں نے مساجد، دینی مدارس، خانقاہیں، کتب خانے اور فلاحی ادارے قائم کیے۔ اس باب میں 60 سے زائد صوفیائے کرام کا ذکر ہے۔
جبکہ اختتامیہ میں مقالے کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ 200 سے زائد کتابیات میں صرف منتخب کتب شامل ہیں۔

مقالہ کی تیاری میں راہ نمائی بنیادی عنصر ہوتا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ قومی اور بین الاقوامی سطح کی حامل علمی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید (ستارۂ امتیاز) رئیس کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

لئے میں عالم اسلام کے جید عالم، جامعہ الازھر کے سابق پروفیسر اور کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی کے موجودہ Visiting Professor جناب ڈاکٹر عبدالخالق پیرزادہ کا ممنون ہوں۔ان کے ساتھ ساتھ پروفیسر ڈاکٹر محمد شمس الدین، رئیس کلیہ فنون، جامعہ کراچی، جناب پروفیسر ڈاکٹر سہیل برکاتی صاحب ممبر سنڈیکیٹ، محمد جمیل، معاون استاد شعبہ اصول الدین جامعہ کراچی، ڈاکٹر عامر طاسین، ڈائرکٹر مجلس علمی لائبریری کراچی اور ملک کے مشہور دانشور علامہ نصیر ترابی، سابق ممبر سنڈیکیٹ کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ان تمام حضرات نے اس علمی کام میں بھرپور تعاون فرمایا۔

میں خصوصی طور پر اپنے والد محترم **محمد زکریا** کا احسان مند ہوں کہ آپ نے مجھے اپنی شدید علالت کے باوجود اپنی تیمارداری کے بجائے اس علمی کام کی تاکید فرمائی۔

طارق محمود

امیدوار برائے پی ایچ ڈی

شعبہ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

۳۰ نومبر ۲۰۰۵

تصوف اور اسکی مختصر تاریخ

دنیا میں ہر شے کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی ظاہری و باطنی یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کے باطنی پہلو کو طریقت کا نام دیتے ہیں جو تزکیہ نفس کی بنیاد ہے اور ان کے نزدیک کتاب و سنت ہی تصوف کے تمام مسائل کے استنباط کے لئے ماخذ ہیں اور ان مسائل کے استنباط کے حقدار وہی اہل علم ہوئے ہیں جو ظاہر و باطن میں ہر طرح تابع کتاب و سنت ہوں اور اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کر دیتا ہے جس سے اسرار سربستہ ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

علم کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی

جب کہ علوم کا تعلق زبان و اعضاء سے ہوتا ہے اسے علم ظاہری سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا نام علم شریعت ہے اور جس پر اس کا اثر ظاہر سے گذر کر باطن تک پہنچتا ہے تو اسی کو علم باطن یا طریقت کہا جاتا ہے۔

اسوۂ رسول اللہ ﷺ کے بعد ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے واقعات بہترین نمونہ تقلید ہوتے ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دین کی فہم و فراست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیات ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں ترک شہوات، اجتناب شبہات اور تمسک بالحق شامل ہیں۔

کی شخصیت معرفت علم وعمل کی پیکر ہے اسی لئے خلفائے راشدین کے نشان قدم صوفیائے کرام کے لئے راہ سلوک میں رہبری وراہنمائی کا کام دیتے ہیں۔ اصحاب اربعہ کے بعد اصحاب صفہ کی زندگیاں ہیں جن کا ایک ایک لمحہ طالبین حق کے لئے درس ہدایت ہے یہ وہ مقدس ہستیاں تھیں۔جنہوں نے معاش دینوی سے قطعاً بے پرواہ ہوکی شب وروز شمع نبوت کے گرد پروانہ وار نثار ہونے کو ترجیح دی اور جن کی زندگی تمام تر فقر وفاقہ ،توکل وصبر اور عشق ومحبت کی نہ ٹوٹنے والی زنجیر تھی۔

تزکیہ نفس کے لئے تصوف کی ضرورت:

دین اسلام میں تصوف کی اہمیت یا ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کسی بھی شے کی حیثیت واہمیت کے لئے اس چیز کے مغزیا جوہر کا جو مقام ہے وہی مقام دین میں تصوف کا بھی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دین کی ضرورت انسان کے لئے کوئی مخفی یا محتاج بیان چیز نہیں۔اس جہاں آب وگل میں اور اس کے بعد آئندہ حیات اخروی میں انسان کی فلاح کا دارو مدار اسی پر ہے کہ وہ دین اسلام کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جملہ احکام شریعت کی بجا آوری کو اپنا نصب العین بنانے اور ہر حکم شرعی کو اپنے کمال تک پہنچانے میں انسان تصوف کا محتاج ہے بغیر تصوف۔ کے رموز کی آگاہی کے اس پر عمل کرنے سے وہ ثمرہ ہرگز مرتب نہیں ہوسکتا۔جس کے حصول کے لئے وہ حکم پورا کیا گیا مثال کے طور پر ایک انسان نماز پڑھتا ہے نماز کے لئے ظاہری جملہ احکام وشرائط موجود ہیں لیکن اس نماز میں حضور قلب نہیں (جس کا تعلق تصوف سے ہے) تو حضور ﷺ کا ارشاد ہے، یہ نماز نماز ہی نہیں! لا صلوٰۃ الا بحضور القلب (۱)

اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کمال دین وابستہ ہے تصوف سے تصوف کی اہمیت کو نظر انداز کر کے دین کی روح حاصل ہو ہی نہیں سکتی اور نہ دین کامل ہوسکتا ہے۔اسی لئے جس قدر اہمیت وضرورت

وہ تصوف ہی ہے جس کی بدولت انسان، انسانیت میں کمال کو پہنچتا ہے اسی لئے گذشتہ سطور میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثال جنہوں نے اپنے آپ کو ایک مرد کامل یعنی نبی کریم ﷺ کے سامنے پامال کیا۔صحابہ کرام کا یہ عمل تصوف ہی کا ایک شعبہ ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللّٰہ لا یغیر مابقوم حتی یغیر و مآبانفسھم (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے نفوس میں تبدیلی نہ لے آئیں۔

اسی مفہوم کو شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی

نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

تغیر باطن یا انقلاب قلب تصوف ہی کی راہ ہے۔سکون و اطمینان کا حصول ذکر اللہ ہی سے ہوسکتا ہے، اور ذکر تصوف کا بنیادی رکن ہے۔قرآن کریم میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح سے کیا گیا ہے:

الا بذ کر اللّٰہ تطمئن القلوب (۳)

خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔

بڑھانا ہے۔اس کے بغیر چارہ نہیں اور جب ایک انسان کا تعلق مع اللہ قائم ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔غرض یہ کہ انسان کو اپنی دنیاوی عملی زندگی کو بہتر بنانے ،اپنے خالق کو پہچاننے ،انسانیت سے روشناس ہونے ،دنیا میں غلبہ حاصل کرنے ،فساد وشر سے بچنے اور سکون واطمینان کی زندگی گزارنے کے لئے علم تصوف کی ضرورت ہے اور یہی ضرورت تزکیہ نفس کے لئے بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور قرآن کریم کی رو سے بعثت نبوی کا ایک مقصد ہی یہ تھا:

ویزیکھم ویُعلمھم الکتٰب والحکمة (۴)

(اور اللہ کے رسول ﷺ ان کے نفوس کی اصلاح فرماتے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے ہیں،اور اصلاح نفس ہی تصوف کی بنیاد ہے۔اس طرح ہم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف دین سے الگ کوئی شے نہیں بلکہ عین دین ہے۔اسی لئے قرآن وحدیث میں تصوف کے واضح اشارات موجود ہیں۔

تصوف قرآن کی روشنی میں:

تصوف دراصل صفائی قلب کا دوسرا نام ہے۔لہٰذا اگر قلب کی صفائی ہو جائے تو پھر ہر لمحہ انسان کے قدم ایک لطیف عالم کی طرف بڑھتے ہیں اور یہی علم تصوف کی غایت ہے جس کی تعبیر تقویٰ،رضا،تسلیم،صبر وشکر اور ذکر ہے۔قرآن کریم کی حسب ذیل آیات صفائی باطن کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو تصوف کا بنیادی مقصد ہے۔

۱۔ فان اللّٰہ یحب المتقین (۵)

(بیشک پرہیزگار اللہ کو پسند آتے ہیں)

۲۔ واعلموا انّ اللّٰہ مع المتقین (۶)

(اور جان رکھو کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے)

(ان کے متولی تو سوا متقیوں کے اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر

(اپنی نالائقی کا) علم نہیں رکھتے)

(اس کے اولیاء تو پرہیز گار ہی ہیں مگر ان میں سے اکثر کو علم نہیں)

۴۔ انّما المؤ منون الّذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم (۸)

(کیوں کہ بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (انکے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان

کے قلوب ڈر جاتے ہیں)

۵۔ لن تنالو ا البرّ حتّٰی تنفقوُ ا ممّا تُحبّون (۹)

(تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو گے)

۶۔ واحسن کمآ احسن اللّٰہ الیک (۱۰)

(اور احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے)

۷۔ ان الّذین یُبا یعونک انّما یعون اللّٰہ یدُ اللّٰہ فوق ایدھم (۱۱)

(وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے)

تصوف حدیث کی روشنی میں:

رسالت مآب ﷺ کی متعدد احادیث میں اخلاص، صبر وشکر تقویٰ اور صفائی قلب کا ذکر موجود ہے اور یہ وہ امور ہیں جن پر تصوف میں خصوصیت کے ساتھ توجہ دی جاتی ہے۔

بطور نمونہ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ ان تعبد اللّٰہ کا نک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یر اک (۱۲)

(تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر ایسا نہ کر سکو تو یہ یقین کر لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

(بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اموال اور صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے)

۳۔ ان فی الجسد مضغة اذ اصلحت صلح الجسد کله، و اذا قسدت فسد الجسد کله الاوهی القلب (۱۴)

(بے شک انسان کے جسم میں خون کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ سدھر گیا تو پورا جسم سدھر گیا اور اگر اس میں بگاڑ پیدا ہو گیا تو پورا جسم بگڑ جائے گا۔ (یاد رہے کہ وہ دل ہے)

۴۔ الهم انی اسئلک النظر الیٰ وجهک و الشوق الیٰ تصاء ک (۱۵)

(اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ دیکھوں آپ کا چہرہ اور مشتاق ہوں دیدار کا)

۵۔ ان اللّٰه تعالیٰ یقول انا مع عبدی اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاه (۱۴)

(ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جبکہ وہ مجھے یاد کرتا ہے اور جب اس کے دونوں ہونٹ میرے ذکر کے لئے حرکت کرتے ہیں)

ان احادیث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اگر تصوف سے مراد صفائی قلب لیا جائے (جو میرے نزدیک بہترین مراد ہے) تو تمام احادیث اس علم پر دلالت کرتی ہیں کیوں کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہر مومن کی صفائی قلب چاہتے ہیں تا کہ ہر لحہ ایک لطیف عالم کی طرف اس کے قدم بڑھیں اور یہی علم تصوف کی غایت ہے جس کی صحیح تعبیر تقویٰ، رضا، تسلیم، صبر وشکر اور ذکر ہے اور ان تمام اخلاق فاضلہ کے حصول کی تعلیم تصوف کی کتابوں میں مذکور ہے۔

گذشتہ سطور میں قرآن واحادیث کی روشنی میں یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ تصوف ایک ایسا علم یا فن ہے جو اس حقیقت سے بحث کرتا ہے کہ قرآن و حدیث میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت اور پھر اس کے اظہار کے لئے عبادات کا جو نظام پیش کیا گیا ہے اسے اس طرح ادا کرنا کہ جس طرح اس کا حق ہے تصوف کہلاتا ہے یہی نہیں بلکہ تمام صوفیائے کرام بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ تصوف کی بنیاد کتاب وسنت پر قائم ہے اور یہی اس کے اصل ماخذ ہیں۔

اس سلسلے میں چند صوفیائے کرام کے ارشادات نقل کئے جاتے ہیں:

(۱) پہلی صدی ہجری:

پہلی صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں سرفہرست خلفائے راشدین میں جن کی زندگیاں حصول تقویٰ کے لئے وقف تھیں۔ اس باب کے شروع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا جا چکا ہے۔ یہاں پر حضرت عمر اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وہ گفتگو پیش کی جاتی ہے جو تقویٰ کے سلسلہ میں حافظ عمادالدین اسماعیل بن کثیر ھدی للمتقین کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ سال ابی بن کعب عن التقویٰ فقال لہ اما سلکت طریقا ذاشوک؟ قال بلیٰ، قال کما عملت ُقال شمرت و اجتھدت قال فذلک التقویٰ (۱۸)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں سوال کیا تو کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ، کیا کبھی آپ نے خاردار راہ میں سفر نہیں کیا؟ فرمایا! ہاں میں نے سفر کیا ہے حضرت کعب نے فرمایا، آپ اس میں کیا کرتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں بڑی احتیاط سے اور بچ بچ کر چلتا ہوں جس پر حضرت کعب نے فرمایا کہ یہی تقویٰ ہے۔)

اس صفت سے متصف کرنے کی تگ ودو میں رہتے تھے اوران کی پوری زندگی تقویٰ کی منہ بولتی تصویر تھی ۔

(ii) دوسری صدی ہجری:

دوسری صدی ہجری میں تصوف کی اہم شخصیات میں حضرت سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ حضرت داؤد طائی متوفی ۱۶۵ھ اور حضرت معروف کرخی متوفی ۲۰۰ھ شامل ہیں ۔ان میں سے حضرت معروف کرخی نے تصوف کی جو تعریف فرمائی صاحب نفحات الانس نے اس طرح روایت کی ہے کہ:

احذر ان لا یراء اللّٰہ الا فی زی مسکین (۱۹)

(ڈرتے رہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں سوائے مسکین لباس کے اور کسی لباس میں نہ دیکھے)

(iii) تیسری صدی ہجری:

تیسری صدی ہجری کی اہم شخصیات ذولنون مصری متوفی ۲۲۵ھ حضرت ابوعبداللہ سہل بن عبداللہ التتنزی متوفی ۲۷۳ھ اور جنید بغدادی ۲۹۷ھ جیسی ہستیاں شامل ہیں ۔ان حضرات میں سے ابوعبداللہ سہل بن بعادللہ التستی تیسری صدی ہجری کے وہ صوفی ہیں جنہوں نے تصوف کی بنیاد نہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو قرار دیا بلکہ اس کا معاشرتی زندگی سے قریبی ربط بھی قائم کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کردی کہ تصوف کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں آپ فرماتے ہیں، ہمارے طریقہ کے سات اصول ہیں یعنی کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، سنت رسول ﷺ کی پیروی، اکل حلال ، اذیت رسانی سے رکے رہنا مصیبتوں سے اجتناب توبہ اور حقوق کی ادائیگی ۔توجہ فرمایئے! کہ آپ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہی کو تصوف قرار دیا۔(۲۰)

چوتھی صدی ہجری میں علم تصوف کی ایک اہم شخصیت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نے تصوف کی اصل حسب ذیل خصوصیات کو قرار دیا ہے۔

کتاب وسنت کی پابندی، ترک خواہشات، احترام مشائخ، ترک تاویلات اللہ کی مخلوقات کی معذرتوں کو قبول کرنا اور پھر ان کی وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ ترک خواہشات سے مراد آرام وراحت اور تنعم ولذائذ ہیں۔ مشائخ سے مراد علم وعمل کے لحاظ سے کامل شخصیتیں تاویلات سے مراد عبادت کرتے وقت اس کے اجر وصلہ کا تصور ذہن میں نہ رکھنا اور مخلوق کی معذرت سے مراد عافین عن الناس کی منہ بولتی تصویر ہو۔(۲۱)

(۷) پانچویں صدی ہجری:

پانچویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی متوفی ۴۵۹ھ نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ہی کو تصوف قرار دیا۔ فقراء کی ہم نشینی فرمانے کو ترجیح دی اور ان کے بے حد تعظیم وتکریم فرماتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا کہ: ''یہ لوگ اللہ و رسول کے دوست ہیں۔ ایسا کون سا دل ہے کہ اللہ ورسول کو دوست نہ رکھے اور ان کی عزت وحرمت نہ کرے''۔(۲۲)

گویا آپ کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کی محبت مقدم تھی اسی لئے فقراء کے ساتھ رہتے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دوست ہیں اور کتب تصوف میں فقراء یعنی صاحب فقراء حضرات کا بڑا مقام بیان کیا گیا ہے فقراء کو اولیاء کا شعار اور اس کے منتخب بندوں کی زینت فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس صفت کو اپنے خواص کے لئے پسند فرمایا۔ فقراء اللہ کے بندوں میں اس کے چیدہ ومنتخب بندے اور اس کے مخلوق کے درمیان مہبط اسرار میں ان ہی کی برکتوں سے وہ مخلوق کی حفاظت فرماتا ہے اور اس پر اپنے رزق کے دروازے کھولتا ہے۔

سید مصطفیٰ عروسی نے نتاءِ الافکار القدسیہ میں فقراء اولین اہل صفہ رضوان اللہ اجمعین کو قرار دیا ہے جو

کی یاد دلاتے ہوئے دین کی ترویج کے لئے امت مسلمہ کو دعوت جہاد دیتے ہیں۔

(vi) چھٹی صدی ہجری:

چھٹی صدی ہجری میں دنیائے تصوف کی عظیم ترین شخصیت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کے اقوال تصوف کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ اپنی مایہ ناز تصنیف ''فتوح الغیب'' میں فرماتے ہیں، ''کتاب وسنت کو اپنے سامنے رکھو، تامل وتدبر سے ان کا مطالعہ کرو اور انہی کو دستور العمل بناؤ تا کہ قال وقیل اور ہواو ہوس سے دھوکہ نہ کھا سکو۔ (۲۳)

اپنے اسی مقالے میں آگے چل کر مزید وضاحت کے ساتھ تصوف کے بارے میں فرماتے ہیں''سیدنا محمد ﷺ کے سوا کوئی ہمارا نبی نہیں کہ اس کی پیروی کریں قرآن کے سوا کوئی کتاب نہیں کہ اس پر عمل کریں لہٰذا اے لوگو! ان دونوں کے دائرے سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ تمہاری خواہشات اور شیطان تمہیں گمراہ کر دیں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے''ولا تتبع الھدیٰ فیضلک عن سبیل اللّٰہ'' یاد رکھو! سلامتی کتاب وسنت کے ساتھ ہے اور ہلاکت غیر کتاب وسنت''۔ (۲۴)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ان دونوں ارشادات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام تصوف ہے۔

اس صدی میں تصوف کی کیا حیثیت تھی اور اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ فرید الدین گنج شکر متوفی ۶۶۶ھ حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو متوفیہما ۷۲۵ھ جیسی شخصیتوں نے اسے پروان چڑھایا اور ان میں سے ہر ایک کی شخصیت طریقت شریعت کی مکمل منہ بولتی تصویر تھی۔

اس صدی کی عظیم روحانی شخصیت حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر مسعودؒ کے نزدیک تصوف نام ہے،
''لن تنالو ا البّر حتّٰی تُنفقوا ممّا تُحبّون''۔(۲۵)

اور ظاہر ہے کہ دولت انسان کو بہت عزیز ہوتی ہے جس کے خرچ کی آپ نے خوب توضیح فرمائی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ''زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ حقیقت۔ شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ نصاب کی مقدار اپنے پاس رکھے اور باقی راہ خدا میں خرچ کر ڈالے یعنی چالیسواں حصہ خود رکھے اور باقی سب راہ خدا میں خرچ کر ڈالے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کچھ نہ بچائے بلکہ تمام راہ خدا میں خرچ کر ڈالے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کچھ نہ بچائے بلکہ تمام راہ خدا میں خرچ کر دے اس لئے کہ درویشی خود فروشی کا نام ہے اور یہی تصوف ہے''۔(۲۶)

(viii) آٹھویں صدی ہجری:

تصوف میں رسالت مآب ﷺ کی ذات بابرکات سے جو تعلق کرنا ضروری ہوتا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کی عظیم تر روحانی شخصیت حضرت سید محمد بن جعفر مکیؒ نے درج ذیل الفاظ میں اس کا اظہار فرمایا۔ ایک صدی سے زائد عمر پانے والی (۷۰۲ تا ۸۴۱ھ) اس شخصیت نے مقام احدیت میں مگن ہونے کے لئے حضور اکرم ﷺ سے قلبی تعلق کو لازمی قرار دیا۔ تصوف اور علم ظاہری کا باہمی تعلق کس قدر ضروری ہے اس کا عملی

آپ ﷺ کے بغیر اس دنیا کے گلستان کی حقیقت ہی کیا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات سے ہمارے دل وابستہ ہیں اور یہی ہمارے کاروان کی منزل ہے جس کا ہر عضو سوز بانوں میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرنے میں منہمک ہے اور آپ ﷺ کی تعریف حشر تک ہوتی رہے گی اس لئے کہ آپ ﷺ کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک فرماتے ہوئے قیامت تک آپ ﷺ کی ثنا خوانی کا اہتمام فرمادیا۔ (۲۷)

آٹھویں صدی ہجری کے عظیم صوفی سید محمد بن جعفر مکی ۸۴۱ھ نے حقیقت تصوف کی جو وضاحت فرمائی اس سے یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ محبت رسول ﷺ ہی تصوف کی روح ہے۔ اسی دور کے دوسرے صوفیائے کرام میں سید جلال الدین بخاری متوفی ۷۸۵ھ شیخ علاؤالدین ابن اسعد لاہوری متوفی ۸۰۰ھ اور مولانا خواجگی (متوفی ۸۱۹ھ) جیسے بلند پایہ روحانی ہستیوں کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ان تمام حضرات کے نزدیک اسوۂ رسول ﷺ پر پوری طرح عمل پیرا ہونا اور عوام الناس کی اصلاح کرنا ہی تعلیمات تصوف ہیں۔

(ix) نویں صدی ہجری:

اس صدی میں مشاہیر اولیاء میں حضرت سید محمد گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ حضرت قطب عالم متوفی ۸۵۷ھ سید اشرف سمنانی متوفی ۸۷۱ھ اور شاہ نعمت اللہ متوفی ۸۸۵ھ شامل ہیں۔ تصوف کے سلسلہ میں حضرت سید گیسو دراز فرماتے ہیں، ''یہ عقیدہ نہ رکھو کہ شریعت طریقت اور حقیقت ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ کیا بادام کے اندر تین چیزیں نہیں یعنی پوست، مغز اور روغن اور تینوں ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک دوسرے کا خلاصہ ہیں اسی طرح شریعت کا خلاصہ طریقت اور طریقت کا خلاصہ حقیقت ہے۔'' (۲۸)

اس صدی کا دور تصوف اس اعتبار سے بڑا ہی اہم ہے کہ اس دور کے صوفیائے کرام نے علم تصوف کی ترویج اس طرح فرمائی کہ ان کے مریدین نے نظام اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور ان کی عملی کوشش کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگے چل کر یہی تحریک قیام پاکستان کے مطالبہ اور اس کی عملی تصویر بن گئی۔

دسویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں مست بابا متوفی ۹۴۹ھ میر سید سبد الاول متوفی ۹۶۸ھ، عبدالوھاب الشعرانی متوفی ۹۷۳ھ شیخ عبدالوہاب المتقی القادری متوفی ۱۰۰۱ھ ملک الشعراء فیضی متوفی ۱۰۰۴ھ اور بہادر بابا متوفی ۱۰۲۷ھ وہ متبرک ہستیاں ہیں جنہوں نے اس صدی میں اہل تصوف میں اہم مقام پایا ہے۔ جب کہ اسی صدی میں حضرت بایزید انصاری (پیر روشن) اور سید علی ترمذی (پیر بابا) کی تحریکات نہ صرف مسلمانوں میں تقویٰ پیدا کرنے کا سبب بنیں بلکہ حضرت بایزید انصاری نے اسلامی نظام کے قیام کی جو تحریک شروع کی تھی وہ جاری رہی اور آخرکار قیام پاکستان کی صورت میں اللہ نے ہمیں وہ نعمت عطا فرمائی کہ جس کا شکر ہم اسی طرح ادا کر سکتے ہیں کہ یہاں خالص اسلامی نظام قائم کر کے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں اور اس نظام کے قیام کے بعد ہی ہم پاکستان کو اندرونی و بیرونی فتنوں سے پاک کر کے استحکام بخش سکتے ہیں۔

اس صدی کی عظیم مذہبی و سیاسی شخصیت حضرت بایزید انصاری نے تصوف کو خانقاہی نظام سے نکال کر اسے معاشرے کی اصلاح کے لئے اس طرح تبلیغی حیثیت دے دی کہ عظیم مغل فرماں روا بھی آپ کی اطاعت سے انکار نہ کر سکا۔

حضرت بایزید انصاری نے تصوف کو بنیاد بنا کر اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ دی اور وہ بھی اس طرح کہ اولامر کو دعوت اصلاح دی تا کہ ان کی رعایا بھی ان کے نقش قدم پر چل کر نیکی اور تقویٰ کی فضا قائم کریں۔ آپ اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں، ''تمہارے دین و ایمان کے سلسلے میں میری خواہش یہ ہے کہ میری بات

کتاب میں ان کی بہت سی نیکیاں اور احسان لکھیں۔'' (۲۹)

(xi) گیارہویں صدی ہجری:

یہ صدی تصوف کے اعتبار سے اس لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس دور میں ایسی ہستیاں بھی ملتی ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم کی یاد تازہ کردی اور بادشاہی پر فقیری کو ترجیح دی۔ اس دور کے صوفیائے کرام میں حضرت مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ، حضرت میاں میر جیو متوفی ۱۰۴۵ھ، حضرت گل بابا متوفی ۱۰۴۶ھ، حضرت بابر بابا متوفی ۱۰۷۹ھ اور جمال خان خٹک المعروف فقیر بابا چشتی متوفی ۱۱۱۶ھ شامل ہیں اس دور کے صوفیائے کرام نے بھی عوام الناس کی بھلائی اور حقوق العباد کی بطریق احسن ادائیگی کو باقی سب باتوں پر ترجیح دی اور اس سلسلہ میں حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا۔ اس دور کی اہم روحانی شخصیت حضرت میاں میر نے شاہجہاں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، ''عادل بادشاہ کو اپنی رعیت اور سلطنت کی خبر گیری کرنی چاہئے کیوں کہ اگر رعیت آسودہ حال اور ملک آباد ہوگا تو سپاہ آسودہ اور خزانہ پُر ہوگا۔'' (۳۰) شاہجہان نے آپ سے دو مرتبہ ملاقات کی اور اکثر کہا کرتا تھا کہ، ''ہم نے ترک و تجرد میں حضرت میاں میر جیو جیسا کوئی درویش نہیں دیکھا۔'' (۳۱)

گویا گیارہویں صدی ہجری میں تصوف کی حیثیت یہ تھی کہ اس کے حاملین حضرات معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لئے تگ و دو میں مصروف تھے۔

(xii) بارہویں صدی ہجری:

بارہویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادی متوفی ۱۱۴۲ھ،

قادری متوفی ۱۲۰۷ھ جیسے بلند پایہ ہستیاں شامل ہیں۔ اس صدی میں صوفیائے کرام کی خصوصی توجہ بندگان خدا کی اصلاح کی جانب مرکوز تھی جس پر عام لوگوں کو حیرانی بھی ہوتی تھی کہ صوفیائے کرام اس میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق نہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ علماء کفار کی تعظیم نہیں کرتے جبکہ اہل اللہ حضرات ہر مومن و کافر کی تعظیم کرتے ہیں حالانکہ شریعت و حقیقت میں اختلاف نہیں ہے پھر ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا، ''علماء کی نظر ان کے کفر پر پڑتی ہے اور اہل اللہ کی نظر مظہریت اور حقیقت پر پڑتی ہے نہ کہ کفر پر۔''(۳۲)

حضرت مہاروی کا یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اگر آج بھی ہم ہر ایک کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھیں تو تمام کدورتیں مٹ جائیں۔ صوفیائے کرام کی خلق خدا سے یہی محبت تھی جس کی بنا پر ان کی محفل میں مسلم و غیر مسلم شانہ بشانہ بیٹھتے تھے اور پھر ان کے اخلاق حسنہ سے متاثر ہو کر غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہو جاتے اور یہ تبلیغ اسلام کا ایک بہترین طریقہ تھا۔

(xiii) تیرھویں صدی ہجری:

تیرھویں صدی ہجری میں جن مقتدر ہستیوں نے خلق خدا کو راہ مستقیم پر ڈالا، ان میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب متوفی ۱۲۵۰ھ، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی متوفی ۱۲۶۷ھ، حضرت سید غوث علی شاہ متوفی ۱۲۹۷ھ اور حضرت شاہ فضل رحمٰن متوفی ۱۳۱۳ھ کی خدمات تصوف قابل ستائش ہیں۔

قطب زماں اور مرشد دوراں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن تصوف کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''اشتیاق لقائے الٰہی یہی ولایت ہے۔ اتباع سنت یہی غوثیت اور قطبیت ہے۔''(۳۳)

علی شاہ جو تیرھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام میں اہم مقام رکھتے ہیں اسلام کی ترقی کا راز بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ''اسلام کی ترقی کا دارومدار اتفاق، اولعزمی اور غیرت پر ہے۔'' (۳۴)

تیرھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام نے تعلیمات تصوف کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کے لئے سعی فرمائی اور اس دور میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق کی ضرورت اس لئے زیادتی تھی کہ وہ انگریزوں سے غلامی کی نجات حاصل کرنے کے لئے متحد ہو جائیں اور وقت کی اس اہم ضرورت کو تیرھویں صدی ہجری کے صوفیائے کرام نے بطریق احسن پورا فرمایا۔

چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری:

چودھویں اور پندرھویں صدی ہجری کے پورے ایک سو برس بیت چکے جبکہ پندرھویں صدی ہجری کا یہ ۲۶ واں برس ہے۔ اس دوران آسمان تصوف کے کئی ستارے طلوع ہو کر غروب ہو چکے اور کئی آج اور کل کی دکھی دنیا کے لئے مسیحائی فرما رہے ہیں۔

ان میں زبدۃ العارفین حصرت حاجی وارث علی شاہ متوفی ۱۳۲۳ھ شاہ احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ، سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف متوفی ۱۳۵۶ھ اور ان ہی حضرات کے سلسلہ نسبی اور روحانیت کی جلیل القدر ہستیاں جو آج بھی بندگان خدا کو راہ مستقیم پر چلانے اور سسکتی انسانیت کو آرام و سکون کی تلاش میں مدد دینے میں کارفرما ہیں۔ یہ تمام ہستیاں شریعت و طریقت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

ان حضرات میں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان جیسی نابغہء روزگار و عقبری شخصیت جو اپنے معاصرین میں حق پسند اور حق گو ہونے میں وحید عصر اور فرید دہر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مقام رکھتے تھے جن کے رمز

پھرتی زندہ مثال تھی جو فقہیہ ایسے کہ قوت اجتہاد بصیرت فکر، ذہانت و عقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ان کے صرف فتاویٰ کے مطالعہ سے انداز ہوتا ہے کہ وہ ایک عظیم مورخ، معرف ونحو کے جلیل القدر امام اعلیٰ پائے کے محدث، نکتہ رس نقاد جرح وتعدیل اور اصل حدیث کے ماہر، منقولات پر ہی حاوی نہیں بلکہ علم طبیعات، علم الافلاک، علم ہندسہ فلسفہ، علم تشریح الابدان اور علم جغرافیہ کے اصول و جزئیات سے بھی ایک ماہر فن کی طرح باخبر تھے اور اس صدی کی اس عظیم ہستی شریعت وطریقت کے تلامزہ اور خلفاء نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا اور آج ہم پاکستان کے استحکام اور پاکستانیوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے ان صوفیائے کرام ہی کی تعلیمات سے استفادہ کر سکتے ہیں۔جنہوں نے تمام طبقاتی ولسانی تقسیموں کو ختم کیا اور ہر قسم کے امتیازات کو مٹاتے ہوکے انسانی فلاح کی جانت خود بھی توجہ فرمائی اور اپنے مریدین کو بھی اس کی تلقین کی اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ ان برگزیدہ شخصیتوں نے تصوف کو قرآن وحدیث کی بنیاد پر ایک علم اور فن کی حثییت سے روشناس کرایا۔

اوراق گزشتہ میں ماخذ تصوف کے سلسلہ میں ہر صدی کے صوفیائے کرام کی تعلیمات پیش کی گئیں۔ صحابہ کرام سے لے کر آج کے دور تک کے صوفیائے کرام کی ان تعلیمات سے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تصوف کو کبھی بھی قرآن وسنّت سے الگ تصور نہیں کیا گیا کیوں کہ اولیاء اللہ کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ صاحب تقویٰ ہوتے ہیں۔

''الآ انّ اولیآء اله لا خوف'' علیهم ولا هم یحزنون ط الذین اٰمنو او کانو یتّقون'' (۳۵)

(سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں پر کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں)

اور یہ اہل تقویٰ ہی ہیں جن کی ہدایت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا،

''ذٰلک الکتٰب لاریب فیه،هدی اللمتقین''(۳۶)

(جس میں کوئی شک نہیں)

رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کا خلاصہ بھی تقویٰ کا حصول ہے۔ ایک نہیں درجنوں نہیں بلکہ سینکڑوں احادیث میں اسی بات کی وضاحت ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں انسانیت کے لئے جو منشور عطا فرمایا اس میں بھی اسی بات کی وضاحت فرمادی کہ معیار انسانیت صرف تقویٰ ہے۔

''الناس فی الاسلام سواء الناس طف الساع لادم و هو الافضل عربی علی عجمی علی عربی الا بتقوی اللّٰہ''(۳۷)

یعنی اسلام کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں۔ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فوقیت نہیں بجز اللہ کے تقویٰ کے۔

الغرض اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح جسم و جوارح کے احکام و اعمال وغیرہ کی فلاح و فساد کا نام فقہ ہے۔ اسی طرح باطنی اعمال یا ان کے اوامر و نہی یا ان کی اصلاح و فساد کا نام فقہ ہے اسی طرح باطنی اعمال یا ان کے اوامر و نہی یا ان کی اصلاح و فساد کو تصوف کہتے ہیں اور اس طرح یہ تصوف ہی ہے جسے قرآن کریم میں تزکیہ نفس، حدیث میں احسان اور اہل اللہ کے نزدیک علم قرب اور علم باطن کا نام دیا گیا ہے اور یہ تمام مفاہیم ایک ہی بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان کی فلاح دارین اسی میں مضمر ہے کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی راہ متعین کرے اور اس راہ کی تلاش ہر انسان بذات خود نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لئے ان ہستیوں کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کی عملی تفسیر ہوں اور وہ ہستیاں صوفیائے کرام کی ہیں۔

تصوف کی بحث سے اس بات کی وضاحت تو ہو چکی کہ اہل تصوف، اہل تقویٰ کا دوسرا نام ہے۔ جہاں تک لفظ صوفی کا تعلق ہے تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کرام کے ناموں کی موجودگی میں اہل تقویٰ کے لئے کسی الگ نام کی ضرورت نہ تھی لیکن بعد ازاں جب ہر علم کے لئے تحقیق و جستجو کے میدان وسیع ہو گئے اور ہر شخص کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ تمام علوم وفنون پر دسترس رکھ سکے تو ہر ماہر فن کے لئے الگ الگ اعزازی نام معین ہو گئے اور جس طرح علوم ظاہری کے ماہرین یعنی مفسّرین، محدثین، اصولین، فقہا اور مورخین کو الگ الگ ناموں سے پکارا جانے لگا اسی طرح علوم باطنی کی مقتدر ہستیوں کو صوفیہ کے صفاتی ناموں سے متصف کر دیا گیا۔

لفظ صوفی پر تحقیق کرتے ہوئے تقریباً تمام محققین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے لیکن امام السالکین حضرت شیخ علی ہجویری، داتا گنج بخشؒ متوفی ۴۶۵ ھ نے صوفی کے سلسلہ میں جو تجزیہ فرمایا ہے وہ نہایت ہی جامع اور محققانہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں،

''لوگوں (محققین) نے اس اسم کی تحقیق میں بہت کلام کیا ہے اور کتب تصنیف کی ہیں کہ صوفی کو لباس صوف پہننے کی بنا پر صوفی کہا جاتا ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو اس لئے صوفی کہا جاتی ہے کہ وہ اوّل صف میں ہوتا ہے اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اصحاب صفہ کو دوست رکھنے والے صوفی کہلاتے ہیں اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ اسم لفظ ''صفا'' سے مشتق ہے۔ اگرچہ ان معانی کو باعتبار لغت اس اسم سے کوئی مناسبت نہیں۔ (۳۸)

مختصر یہ کہ صفائی جملہ امور میں پسندیدہ ہے اور اس کی ضد کدورت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے،

''دنیا کی صفائی (لطافت) چلی گئی اور کدورت باقی رہ گئی) اور اشیاء کی لطافت نام ہے ان اشیاء کی

پس چونکہ اہل تصوف نے اپنے اخلاق و معاملات کو سنوار لیا ہے اور جملہ نفسانی تقاضوں اور خواہشات کو ٹھکرا دیا ہے اس لئے ان کو صوفی کہتے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویری کے اس تحقیقی جائزہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ صوفی سے مراد اہل تقویٰ ہے جن کے خیالات، جن کا لباس اور جن کے اخلاق و کردار سے اللہ، اس کے رسول اور اصحاب رسول ﷺ کی محبت کا بے پناہ اظہار ہوتا ہے اور جنہوں نے اپنے اسی عمل سے نہ صرف دکھی دنیا کو اطمینان و سکون بخشا بلکہ خود بھی دین و دنیا کی فکر سے آزاد ہو گئے۔

''الا انّ اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون''(۳۹)

(اور انہیں یہ اعزاز صرف اور صرف اس بنا پر عطا ہوا کہ ان کی زندگیاں ایمان وتقویٰ کا منہ بولتا ثبوت تھیں)

''الّذین امنو وکانوا یتّقون''(۴۰)

(اسی لئے ان قابل قدر ہستیوں کو دین و دنیا کی حیات جاودانی کی خوشخبری سنا دی گئی)

''لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الأخرۃ'' (۴۱)

(یہی وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے حضور ﷺ کے بعد تعلیمات تصوف کی بنیاد پر عملی طور سے انسانوں کا تزکیہ نفس کیا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا کیوں کہ یہ ہستیاں اپنے کردار سے انسانوں کا تزکیہ کرتی ہیں اور تزکیہ نفس کا کامیاب ترین طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو بحیثیت مثال پیش کریں۔

حوالہ جات (باب اول)

۱۔ محمد ابن محمد، سید، علامہ، ''کتاب اتحاف السادۃ المتقین''، مصر: ۱۳۵۰ھ- ۱۱۵ الجز الثالث

۲۔ القرآن : ۱۱:۱۳

۳۔ القرآن : ۲۸:۱۳

۴۔ القرآن : ۱۶۴:۳

۵۔ القرآن : ۷۶:۳

۶۔ القرآن : ۱۹۴:۲

۷۔ القرآن : ۳۴:۸

۸۔ القرآن : ۲:۸

۹۔ القرآن : ۹۲:۳

۱۰۔ القرآن : ۷۷:۲۸

۱۱۔ سورۃ الفتح : ۱۰:۴۸

۱۲۔ مسلم، بن الحجاد القشیری، ''صحیح مسلم''، مصر: المطبعۃ المصریۃ، ۱۳۰۸ھ، کتاب الایمان

۱۳۔ مسلم، بن الحجاج القشیری، ''صحیح مسلم'' محولہ بالا، باب البر والصلۃ

۱۴۔ بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، ''صحیح بخاری'' مصر: مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ، کتاب الایمان

۱۵۔ نسائی، احمد ابو عبدالرحمٰن، ''سنن نسائی''، مصر: مکتبۃ التجاریہ، ۱۲۷۹ھ، کتاب السہو

۱۶۔ بخاری، ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل، ''صحیح بخاری'' محولہ بالا، کتاب التوحید

۱۷۔ ترمذی ابو عیسیٰ محدم بن عیسیٰ، ''جامعہ ترمذی'' دہلی: فخر المطابع، ۱۲۷۰ھ، کتاب الزہد

۱۹۔ جامی، عبدالرحمٰن، ''نفحات الانس'' نولکشور، مطبع منشی، ۱۸۸۵ع، ص۔۲۳

۲۰۔ قشیری، عبدالکریم ابوالقاسم، ''الرسالۃ القشیریۃ''، مصر: دارالکتب عربیۃ الکبریٰ، ۱۳۸۵ھ، ص۔۱۱۹

۲۱۔ عبدالحق، شیخ، ''اخبارالاخیار فی احوال الابرار'' دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۱۰۹ھ، ص۔۱۱۹

۲۲۔ مرزا، محمد عبدالستار، ''مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین'' آگرہ: مطبع فیض مفید عام، بلاسن طباعت، ص-۵۵

۲۳۔ جیلانی، عبدالقادر، ''فتوح الغیب'' لاہور: مطبع محمدی، ۱۲۹۸ھ، ص۔۱۲۹

۲۴۔ ایضاً، ص۔۱۳۵

۲۵۔ القرآن : ۹۲:۳

(تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو)

۲۶۔ نظام الدین اولیاء، خواجہ (مرتب) ''راحۃ القلوب'' از خواجہ فرید الدین گنج شکر، دہلی: مطبع آگرہ، ۱۲۸۴ھ، ص۔۲۷

۲۷۔ محمد بن جعفر مکی، ''بحرالمعانی'' آگرہ، مطبع الٰہی، ۱۲۹۷ھ، ص۔۵۵

۲۸۔ امیر خورد، محمد، ''سیرالاولیاء'' دہلی: مطبع محبّ ہند، ۱۳۰۲ھ، ص۔۱۰۶

۲۹۔ انصاری، بایزید، ''صراط التوحید'' پشاور: ادارۂ اشاعت سرحد، ۱۳۷۵ھ، ص-۳۹

۳۰۔ داراشکوہ، محمد، ''سکینۃ الاولیاء'' آگرہ: اخبار پریس، ۱۲۶۹ھ، ص-۷۵

۳۱۔ ایضاً، ص-۷۷

۳۲۔ محمد حسین، حافظ، ''انوار العارفین'' بریلی: مطبع صدیقی، ۱۲۹۰ھ، ص-۱۷

۳۳۔ مرزا، محمد عبدالستار، ''مسالک السالکین فی تذکرۃ الواصلین''، آگرہ: مطبع فیض مفید عام، ص۔۱۹۵

۳۴۔ قلندر، گل حسن، ''تعلیم غوثیہ'' دہلی: مطبع قاضی موتمن الدین عقیل، ۱۳۰۵ھ، ص-۳۹

۳۶۔ القرآن : ۲:۲

۳۷۔ احمد بن ابی یعقوب، ''تاریخ یعقوبی'' بیروت دار صادر، ص ۔۱۱۰، الجزو الثانی

۳۸۔ ہجویری، سید علی بن عثمان، المعروف داتا گنج بخش، ''کشف المحجوب'' لاہور: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۷۸ء

۳۹۔ القرآن : ۶۲:۱۰

۴۰۔ القرآن : ۶۳:۱۰

۴۱۔ القرآن : ۶۴:۱۰

☆☆☆☆☆☆☆☆

دارالشکوہ......حالات وافکار

اجمیر میں مشہور بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مقبرہ ہے۔صدیوں سے وہاں زائرین کا ہجوم رہا ہے۔شہزادہ خرم (شاہجہاں) بھی ان کے مقبرے پر اکثر جایا کرتا اور بیٹے کی پیدائش کے لئے دعا کرتا کیونکہ اس کے ہاں صرف بیٹیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ چنانچہ جب 29 صفر 1024ھ / 30 مارچ 1615ء کو بروز پیر بیٹا پیدا ہوا تو اس کے والدین شہزادہ خرم اور ممتاز محل نے قدرتاً بے حد خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔اس کے دادا جہانگیر نے اس کا نام دارالشکوہ رکھا۔ابو طالب کلیم نے اس کے ولادت پر قصیدہ کہا اور ''گل اولین شاہی'' سے تاریخ نکالی(1):

بگوش دل از بهر تاریخ آمد
"گل اولین گلستان شاهی"

(تاریخ (ولادت) کے لئے میرے دل کے کان میں (آواز) آئی:''شاہی باغ کا پہلا پھول'')

دارالشکوہ کو ابتدائی زندگی کے بارے میں بہت کم معلوم ہے کیونکہ مغل دور کے مورخین نے اپنی زیادہ تر توجہ ملک میں سیاسی واقعات بیان کرنے تک ہی محدود رکھی اور دارا کی تعلیم کے بارے میں بہت کم لکھا۔وہ چھ سال کا تھا کہ معروف حنفی عالم ملا عبدالطیف اس کی تعلیم پر مامور ہوئے(2)۔حیرانی کی بات یہ ہے کہ دارشکوہ اپنی تصانیف میں اپنے استاد ملا عبدالطیف کا کوئی ذکر نہیں کرتا،البتہ سکینۃ الاولیاء میں اپنے دوسرے استاد میرک شیخ کے بارے میں لکھتا ہے کہ میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم وفاضل ہیں،زہد و پرہیز گاری اور

اور دوسرے علوم سیکھے (3)۔ بعد میں وہ نامور علماء، عارفین، پنڈتوں اور یوگیوں سے فیض حاصل کرتا رہا۔ اس نے خطاطی میں بھی مہارت حاصل کی (4)۔

تاریخ کے آئینے میں دارشکوہ کی ایک اور جھلک جو ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے باپ شہزادہ خرم نے بغاوت کے بعد جب اپنے باپ جہانگیر سے مصالحت کر لی تو جون 1626ء میں دو بیٹوں دارا اور اورنگ زیب جہانگیر کے پاس بطور یرغمال بھیج دیا۔ شہزادہ خرم کا ایک اور بیٹا شجاع پہلے ہی سے وہاں موجود تھا کیونکہ وہ جہانگیر کو اپنے پوتوں میں سب سے لاڈلا تھا۔ جہانگیر کی زندگی میں شہزادہ خرم کے ان دونوں بیٹوں کو لاہور میں رکھا گیا۔ اس کی وفات پر جب شہزادہ خرم، شاہجہاں کے نام سے 1037ھ / 1627ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس آگرہ بلا لیا۔ اس وقت دارا 13 سال کا ہو چکا تھا۔ شاہجہاں نے اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انہی دنوں انتظام کیا ہوگا لیکن تاریخ سے ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ اس کے باپ نے مغل روایات کے مطابق اس کی تعلیم کے لئے کون سے انتظامات کئے (5)۔

1632ء میں اس کی شادی اس کی عزیزہ کریم النساء سے، جو عام طور پر نادرہ بیگم کے نام سے پہچانی جاتی ہے، ہوئی۔ 1634ء میں اس کا پہلا بچہ ہوا جو جلد ہی انتقال کر گیا۔ دارا کو اس کا اتنا رنج اور دکھ ہوا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ اس ذہنی حالت میں مشہور صوفی میاں میر سے ملا اور ان سے تسلی و تشفی حاصل کرنے کی کوشش کی۔

داراشکوہ کے سرکاری کیریئر کا آغاز 1043ھ/1633ء میں ہوا جب شاہجہاں کی سالگرہ کے موقع پر اسے ''شاہ بلند اقبال'' کا خطاب ملا۔ نیز اسے بارہ ہزار ذات اور چھ ہزار سوار کا منصب عطا ہوا۔

پیدا ہوا۔شجاع سے چھوٹا اورنگ زیب تھا جو ۱۶۱۸ء دوحہ کے مقام پر پیدا ہوا۔اور سب سے چھوٹا مراد بخش تھا جو 1624ء میں تہاس میں پیدا ہوا۔شاہجہاں کو یہ گوارا نہ تھا کہ دارا کو اپنے سے دور کسی صوبے میں بھیج دے۔ اگر چہ دوسرے شہزادوں کے ساتھ دارا کو بھی صوبائی گورنر بنایا گیا مگر وہ رہا اپنے باپ کے پاس ہی۔اسے اس بات کی اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنے نائبین کے ذریعے ان صوبوں کا کاروبار چلائے۔اس سے نہ صرف دوسرے شہزادوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا بلکہ دارا کو ایک منتظم کے طور پر عملی تجربہ حاصل کرنے کا موقع بھی نہ ملا۔

داراشکوہ کو 1055ھ/1645ء میں صوبہ الہ آباد کا صوبیدار (گورنر) بنایا گیا۔پھر وہ 1057ھ/1647ء میں صوبہ پنجاب کا، 1059ھ/1647ء میں صوبہ گجرات کا، 1062ھ/1652ء میں ملتان کا اور 1067ھ/1657 میں بہار کا گورنر ہوا۔جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ان صوبوں کا نظم ونسق اس کینائب چلاتے تھے جب کو وہ خود دربار شاہی سے وابستہ تھا۔1058ھ/1648ء میں اسے تیس ہزار ذات اور دس ہزار سوار کا منصب ملا۔یہ وہی منصب تھا جو تخت نشینی سے پہلے شاہجہاں کا ملا تھا۔اس طرح اس کے پاس کئی جاگیریں اور عہدے تھے جس سے اسے کافی آمدنی ہوتی تھی(6)۔

ایرانیوں نے 1059ھ/1649ء میں قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔شاہجہاں نے اسی سال اورنگ زیب اور سعد اللہ خاں کو پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ قندھار واپس لینے کے لئے بھیجا۔وہ ناکام رہے۔اس کے تین سال بعد 1652ء میں انہیں ایک بار پھر یہ مہم سر کرنے کے لئے کہا۔لیکن اس بار بھی ناکامی ہوئی۔ان ناکامیوں پر شاہجہاں نے اورنگ زیب کو تہدید کی۔اورنگ زیب کی ناکامی پر دارشکوہ نے قلعہ فتح کرنے کے

لاہور میں قلعہ قندھار کے نمونہ کا ایک مصنوعی قلعہ تیار کیا گیا جس کا محاصرہ ہوا۔ اور قلعہ شکن توپوں نے اسے تباہ کر دیا۔ اس نیک شگون پر لوگوں نے شہزادے کو مبارک بادیں پیش کیں۔ مہم کی تیاری کے سلسلے میں داراشکوہ نے کچھ ساحروں اور نجومیوں کی خدمات حاصل کیں۔ چنانچہ وہ پوری جنگی تیاریوں کے بعد، نجومیوں کی بتائی ہوئی تاریخ 11 رفروری 1653ء کو ستر ہزار فوج کے ساتھ قندھار روانہ ہوا۔

اس نے 27 ستمبر 1653ء تک قندھار کا محاصرہ کئے رکھا لیکن اپنے سارے ساز و سامان اور عظیم الشان لشکر کے باوجود قندھار فتح نہ کر سکا۔ شاہجہاں کا فرمان آنے پر محاصرہ اٹھا لیا گیا اور شاہزادہ واپس آ گیا۔ ان مہموں میں ناکامی کے دو بڑے اسباب تھے۔ ایک یہ کہ قندھار جیسے مستحکم قلعے کی تسخیر کے لئے جیسا سامان درکار تھا، خاص طور پر توپیں، وہ موجود نہ تھا۔ دوسرے محصور فوجیں جنگی مہارت میں عبور تامہ رکھتی تھیں۔ داراشکوہ کی ناکام واپسی پر بھی شاہجہاں نے اسے مزید نوازشات سے سرفراز کیا اور ساٹھ ہزار ذات اور چالیس ہزار سوار کا فقید المثال منصب عطا کیا۔ (7)

داراشکوہ کو دوسرے شہزادے اور مسلمان امرا اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ وہ شاہجہاں کے بعد سریر آرائے سلطنت ہو کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے داراشکوہ میں نہ صرف سیاسی بصیرت اور عسکری مہارت کا فقدان تھا بلکہ یوگیوں، پنڈتوں اور سنیاسیوں سے رابطے بڑھانے نیز اپنشد اور بھگوت گیتا کے گہرے مطالعے کے بعد وہ ہندو مذہب سے بہت حد تک متاثر ہو چکا تھا۔ اس کا یہ نظریاتی رجحان بھی واضح ہو رہا تھا کہ اسلام اور ہندومت میں اصطلاحات کے علاوہ کوئی اور فرق نہیں۔ چنانچہ اس کے افکار و اعمال سے یہ تاثر ملتا تھا کہ اس کے بادشاہ بننے پر دین کی نئی نئی تاویلیں ہوں گی، مسلمانوں کے اعتقادات پر ضرب لگائی جائے گی اور اکبر

داراشکوہ میں خوبیوں کی کمی نہ تھی۔ وہ شیریں، حاضر جواب اور فیاض تھا۔ لیکن وہ سمجھتا تھا کہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر وہ اپنے تمام کام اپنی سوچ سے ہی بخوبی سرانجام دے سکتا ہے اور روئے زمین پر ایسا کوئی آدمی نہیں جس کے مشورے سے وہ مستفید ہو سکے۔ وہ ان لوگوں کے لئے تحقیر کا اظہار کرتا جو کسی معاملے میں اسے مشورہ دینے کی جرات کر بیٹھتے۔ اس طرح اس کے مخلص ترین دوست بھی اسے اس کے بھائیوں کے خفیہ منصوبوں کے بارے میں بتانے سے گریز کرتے۔ وہ بڑے بڑے امراء تک کو دھمکیاں دیتا اور ان کے لئے نازیبا الفاظ استعمال کرتا۔ اگرچہ عام طور پر اس کا غصہ تھوڑی دیر کے لئے ہوتا، مگر اس کے اثرات دیرپا ہوتے۔(8)

شاہجہاں کی دارا سے بے حد محبت کی وجہ سے عام طور پر درباری اس کی خوشامد کرتے رہتے اور کوئی بھی اس کی بات ٹالنے کی جرات نہ کرتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک خود سر اور خوشامد پسند شخص بن گیا جو اس بات کو برداشت نہیں کرتا تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرے۔ اور اگر کبھی کوئی یہ جرات کرتا تو وہ اسے سر دربار ذلیل وخوار کر دیتا۔ شاہجہاں نے اسے بار بار سمجھایا کہ وہ امرائے دربار سے کج خلقی کے ساتھ پیش نہ آئے مگر اس پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا کیونکہ وہ اپنے آپ کو نہایت عقل مند، ذہین اور صائب الرائے شخصیت سمجھتا تھا۔

حمید الدین خاں ''احکام عالمگیری'' میں لکھتا ہے(9) کہ داراشکوہ بعض امراء کے ساتھ عداوت اور بعض کے ساتھ غرور و تکبر کا سلوک کرتا تھا۔ ان امراء میں علی مردان خان، سعد اللہ اور سید میران بارہہ بھی شامل تھے۔ یہ سب پانچ ہزاری مرتبہ رکھتے تھے اور شاہجہاں کے خاص مصاحبین میں سے تھے۔ ادھر اورنگ زیب کو

ملا علاء الملک، کمال محبت سے اورنگ زیب کی رازداری میں حق دوستی ادا کرتے تھے۔ یہ بات شاہجہاں کو بہت گراں گزرتی تھی۔ شاہ بلند اقبال (داراشکوہ) کی پیشانی سے آثار ادبار دیکھ کر اور شاہزادہ اورنگ زیب کی قسمت کی بلندی کے آثار دیکھ کر بادشاہ نے داراشکوہ کو افعال ناپسندیدہ اور اقوال نازیبا سے بچنے کی نصیحت فرمائی لیکن ان نصیحتوں نے داراشکوہ پر کچھ اثر نہیں کیا، جیسا کہ کہا ہے:

گلیم بخت کسے را کہ بافتد سیاہ

بہ آب زم زم و کوثر سفید نتواں کرد

(انہوں نے جس کی قسمت کا کمبل سیاہ بن دیا، اسے زم زم اور کوثر کے پانی سے بھی سفید نہیں کیا جا سکتا)

اس پر شاہجہاں نے چاہا کہ اورنگ زیب امراء کے ساتھ اپنے سلوک میں تبدیلی کرے تا کہ وہ اس کی رازداری سے دست بردار ہو جائیں چنانچہ اورنگ زیب کو خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا: ''بابا، سلطان اور ان کے فرزندوں کو بلند ہمت اور عالی فطرت ہونا چاہئے۔ سنا ہے کہ تم ہر ایک ملازم سے ایسا سلوک کرتے ہو جس سے اپنے آپ کو انتہائی پست کر لیتے ہو۔ اگر یہ عاقبت بینی پر مبنی ہے تو یاد رکھو کہ تمام کام تقدیر سے وابستہ ہیں۔ اس پست فطری سے سوائے ذلت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔''

احکام عالمگیری میں یہ بھی لکھا ہے (10) کہ شاہجہاں کہتا تھا کہ ہمیں بعض اوقات خیال آتا ہے کہ مہین پور (داراشکوہ) نیک لوگوں کا دشمن واقع ہوا ہے۔ مراد بخش کو مے نوشی سے فرصت نہیں اور محمد شجاع میں سیر چشمی کے سوا کوئی اور صفت نہیں، مگر اورنگ زیب اپنے عزم و شعور کے وجہ سے سلطنت کے اس بار گراں کو اٹھا لے گا۔ لیکن اس کی فطرت میں زبردست خامیاں بھی ہیں۔

"(وہ دوست کسی اور کا ہوگا اور اس کا میلان کسی اور کی طرف ہوگا)

اس تحریر سے شہزادوں کے کردار کے بارے میں ان کے باپ شاہجہاں کی رائے کے صائب ہونے کا احساس ہوتا ہے۔لیکن فطری محبت کی وجہ سے وہ داراشکوہ کے آخری دم تک اس کا طرف دار رہا۔
اس سلسلے میں داراشکوہ کی خودسری کا ایک واقعہ بھی سن لیجیے (11):

سعد اللہ خاں ایک بہت بڑا عالم، بہت اچھا منتظم، نہایت ایمان دار اور شاہجہاں کا سب سے اچھا دیوان تھا۔ وہ فارسی اور عربی کے علاوہ ترکی زبان بھی جانتا تھا، وہ ایک خوش گفتار اور فصیح البیان مقرر تھا۔ اس کی ذات میں اس زمانے کے اعلیٰ ترین علوم اور اپنے ماتحتوں سے کام لینے کی غیر معمولی صلاحیت جمع ہو گئے تھے۔ داراشکوہ کا میر منشی (چیف سیکرٹری) چندر بھان کہتا ہے کہ حسابات اور مال گزاری سے متعلق اپنی عرضداشت تیار کرنے میں اسے نہ تو اپنے معتمدین کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ حسابات کی جانچ پڑتال کرنے والوں کی ماہرانہ رائے کی۔ اس کے علم و فضل کو دیکھ کر بے ساختہ ابوالفضل یاد آ جاتا ہے۔ سعد اللہ خاں کو اپنے حسن کارکردگی، صاف گوئی اور دیانت داری کی وجہ شاہجہاں بادشاہ کا مکمل اعتماد حاصل تھا۔

ایک دفعہ داراشکوہ کے دیوان بھاڑمل نے بادشاہ کے سامنے کچھ حسابات پیش کئے اور حکومت کے ذمے واجب الادا دس لاکھ روپے کا مطالبہ کیا۔ شاہجہاں نے کاغذات سعد اللہ خاں کے حوالے کر دیئے اور اس سے کہا کہ دفتر دیوانی سے حسابات کی جانچ کرا کے مفصل رپورٹ پیش کرے۔ لیکن سعد اللہ نے یہ کہہ کر فوری طور پر معاملہ ختم کر دیا کہ یہ مطالبہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ اتنی بڑی رقم خزانے سے ادا نہیں کی جاتیں، آگے چل

داراشکوہ بھی دربار میں موجود تھا۔ دربار ختم ہونے کے بعد اس نے سعد اللہ کا برا بھلا کہا۔ محرروں نے شاہجہاں سے سارے واقعے کی رپورٹ کی۔ بادشاہ نے فوراً شہزادے کا لکھا کہ کسی صاف دل شخص سے جھگڑنا اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہے۔ جو شخص آئینے پر تلوار چلاتا ہے وہ اپنے آپ کو قتل کرتا ہے۔ کسی بھی شاہی ملازم کے جذبات کو مجروح کرنا بہت برا ہے۔ بالخصوص سعد اللہ خاں جیسے شخص کے جذبات کو دلوں کو جیتنا بہترین حکمت عملی ہے اور اسی سے حکمرانوں کی ہر دلعزیزی اور اقبال مندی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ شام کے وقت، بادشاہ نے محمودی زر دوزی کے کئی تھان اور تین ہزار دینار بطور تحفہ نظر دیوان کو بھیجے اور اس طرح اس کی عزت افزائی کی۔ یوں یہ سارا معاملہ رفع دفع ہوا۔

یہاں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں (12) جس سے نہ صرف اورنگ زیب کے عشق کی داستاں کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ داراشکوہ شروع ہی سے اورنگ زیب سے خوش نہ تھا۔ جب اورنگ زیب دکن کا گورنر مقرر ہوا تو اورنگ آباد جاتے ہوئے برہان پور میں، جہاں اس کی خالہ رہتی تھی، رکا۔ ایک روز شہزادہ برہان پور کے عالم آرا باغ میں کہ آہو خانہ کے نام سے مشہور ہے، محو گل گشت تھا کہ اس کی خالہ کی ایک کنیز زین آبادی جو نغمہ سنجی میں بے مثال اور شیوہ دل بری میں یکتا تھی، شہزادے کی خالہ کے ساتھ آئی۔ چہل قدمی کے وقت آموں سے لدے ہوئے درخت دیکھ کر شاہزادے کے پاس ادب کئے وہ نہایت شوخی سے بے باکانہ اچھلی اور ایک شاخ سے بلند ایک آم توڑ لیا۔ دلبری اور دل ربائی کے اس انداز نے شہزادے پر خود فراموشی طاری کردی اور ہوش و پارسائی کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

عجب گیرندہ دامے بود در عاشق ربائی ہا

(محبوب کی آشنائی سے پہلے کی نگاہ آشنا، عاشق کو چھین کر لے جانے کے لئے عجیب گرفت والا جال تھی)

اپنی خالہ سے بہت اصرار اور سماجت کر کے شہزادہ نے اسے حاصل کیا اور باوجود اپنے زہد وتقویٰ کے اس کا ایسا دلدادہ اور شیدا ہوا کہ اپنے ہاتھ سے شراب کا پیالہ بھر بھر کر اسے پیش کرتا تھا۔

ایک دن زین آبادی نے بھی شراب کا پیالہ شہزادے کو دیا اور اس کے پینے پر اصرار کیا۔ شہزادے نے ہر چند عجز و نیاز سے کام لیا، اس نے ایک نہ سنی۔ لیکن جونہی اس فسوں ساز نے دیکھا کہ شہزادہ مجبور ہو کر پینے پر آمادہ ہو گیا ہے تو فوراً اس کے ہاتھ سے پیالہ چھین لیا اور کہا کہ مقصد صرف محبت کا امتحان لینا تھا نہ کہ آپ کی تلخ کلامی، (غرض امتحان بود نہ کہ تلخ کامی شما)۔ معاملہ اس درجے تک جا پہنچا کہ شاہجہاں بادشاہ کو بھی خبریں لگنے لگیں۔

داراشکوہ نے اس حکایت کو بدگوئی اور نکتہ چینی کی بنیاد بنا کر بادشاہ سے کہا اس مکار وریاکار کو صلاح و تقویٰ سے کیا کام کہ خود کو اپنی خالہ کی ایک کنیز کے پیچھے برباد کیا: ببیند، آں مزور ریائی چہ صلاح وتقویٰ ساختہ است؟ لیکن عین شباب میں زین آبادی کی زندگی کا پھول مرجھا گیا اور وہ شہزادیت کو ابدی ہجر کے داغ میں مبتلا کر گئی۔ اورنگ آباد میں تالاب کلاں کے قریب اس کا مقبرہ آج تک موجود ہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب کے خلاف بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

داراشکوہ کی نیت پر شک کرتا تھا۔ احکام عالمگیری میں لکھا ہے(13) کہ داراشکوہ نے اکبرآبد میں ایک نیا محل تعمیر کیا تو شاہ جہاں اور تینوں بھائیوں کی دعوت کی۔ دریا کے متصل ایک تہہ خانہ بنایا تھا۔ گرمی کا موسم تھا اس لئے وہ بادشاہ اور شہزادوں کو تہہ خانہ میں لے گیا۔ تہہ خانے میں برابر آمد و رفت جاری تھی۔ اورنگ زیب تہہ خانے کا دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔ داراشکوہ نے یہ دیکھ کر شاہجہاں کو آنکھ کے اشارے سے اس طرف متوجہ کیا۔ بادشاہ نے اورنگ زیب سے کہا۔ ''بابا، ہمیں معلوم ہے کہ تم عالم اور درویش صفت ہو پھر بھی حفظ مراتب ضروری ہے:

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر تو حفظ مراتب نہ کرے تو لحد ہے)

کیا ضرورت ہے کہ عام لوگوں کے راستے میں بیٹھو اور اپنے چھوٹے بھائی (مراد بخش) کی بھی پشت پر رہو۔ لیکن اورنگ زیب وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد جماعت کے ساتھ نماز ظہر پڑھنے کے لئے اٹھا اور پھر وہاں سے بغیر اجازت اپنے محل میں چلا گیا۔

شاہجہاں اس پر سخت ناراض ہوا اور سات ماہ تک دربار میں اس کی حاضری بند رکھی۔ پھر شہزادی جہاں آرا بیگم کو حکم دیا کہ اورنگ زیب سے اس کی وجہ معلوم کرے۔ شہزادی کے دریافت کرنے پر شہزادہ اورنگ زیب نے کہا کہ جس روز داراشکوہ نے دعوت کی تھی انہوں نے باپ اور بھائیوں کو ایک ایسے تہہ خانے میں بٹھایا تھا جس کا صرف ایک دروازہ تھا اور خود دعوت کے انتظام کے لئے برابر آتے جاتے رہے۔ اگر انہوں نے قصداً ایسا کیا تھا تو وہ جب بھی دروازہ بند کر دیتے ہم سب کا کام تمام ہو جاتا۔ اور اگر ان سے سہواً ایسا ہوا تو

اعلیٰ حضرت (شاہجہاں) کا دبدبہ اس خدمت کی بجا آوری میں مانع تھا۔ اس لئے میں استغفار پڑھتا ہوا چلا آیا۔ جب شاہجہاں نے یہ سنا تو فوراً اورنگ زیب کا طلب کیا اور بہت سے عنایات کیں۔

ذرا غور کیجئے! کہ باپ کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا جا رہا ہے کہ دارا شکوہ ہمارے خلاف تو ہے ہی، بادشاہ بننے کے لئے آپ کو بھی نہیں چھوڑے گا، اور پھر کیا ہوا؟

دارا شکوہ ایک عالم اور صوفی تھا جسے اسلام اور ہندو دھرم سے خاصا شغف تھا۔ وہ دانش دوست تھا اس لئے اس کے پاس ہر مذہب کے علماء اور ادباء جمع ہو گئے تھے۔ وہ ان علمی وادبی و مذہبی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ نہ صرف ایک صاحب دیوان شاعر تھا بلکہ شاعروں کا بھی بے حد قدردان تھا۔ اور انہیں دریا دلی سے نوازتا تھا۔ اس لئے بہت سے شعراس کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ میر رضی دانش مشہدی، شاہجہاں کے دور میں ہندوستان آیا۔ پہلے پہلے دکن اور بنگال میں رہا۔ پھر شاہجہاں کے دربار میں رسائی ہوئی۔ اس نے جب اپنی ایک غزل دارا شکوہ کے مجلس میں پڑھی تو اس کے ایک شعر پر خوش ہو کر شہزادہ نے اسے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا۔ شعر یہ ہے (14):

تاک را سیراب دار، اے ابرنیساں دربہار

قطرۂ تامے تواند شد چرا گوھر شود

(اے ابرنیساں، موسم بہار میں انگور کی بیل کو سیراب رکھ، (کیونکہ) اگر ایک قطرہ شراب بن سکتا ہے تو (پھر) وہ موتی کیوں بنے؟)

کہا:

سلطنت سہل است، خود را آشنائے فقر کن

قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود؟

(سلطنت (حاصل کرنا) آسان ہے، اپنے آپ کو فقرے سے آشنا کر۔ قطرہ جب سمندر بن سکتا ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

داراشکوہ کا میر منشی (چیف سیکرٹری) چندر بھان ایک شاعر بھی تھا۔ مذہبی خیالات میں ہم آہنگی کی وجہ سے، دارا اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چندر بھان کا ایک شعر اسے بہت پسند آیا۔ اس کی تعریف شاہجہاں سے کی اور اسے بادشاہ کے دربار میں لے گیا۔ شاہجہاں نے چندر بھان برہمن سے فرمائش کی:

دریں ایم شعری کہ بابا (داراشکوہ)

از تو پسند کردہ است، بخوان

(ان دونوں بابا (داراشکوہ) کو تیرا جو شعر پسند ہے، اسے پڑھو)

چندر بھان نے اپنا یہ شعر پڑھا:

مرا دل است چہ کفر آشنا کہ چندیں بار

بکعبہ بردم و بازش برھمن آوردم

(مرا دل کفر سے کیسا آشنا ہے کہ میں اسے کئی بار کعبہ کے لے گیا اور اسے برہمن ہی واپس لایا۔)

خر عیسیٰ اگر مکہ رود
باز آید ھنوز خر باشد

(حضرت عیسیٰ کا گدھا اگر مکہ چلا جائے تو جب واپس آئے گا تب بھی گدھا (ہی) ہوگا)۔

یہ شعر سن کر بادشاہ کا غصہ فرو ہوا اور شاہزادے کو کہا کہ آئندہ اس قسم کی لغویات ہمارے حضور پیش نہ کی جائیں۔(15)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ داراشکوہ کا یہ قابل اعتماد ساتھی، اس کی موت کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کے دربار سے وابستہ ہو گیا(16)۔

ماہ ذی الحجہ 1067ھ (1657ء) میں شاہجہاں سخت بیمار ہو کر صاحب فراش ہوا۔ اس کی صحت روز بروز گرنے لگی۔ ان دنوں شہزادہ اورنگ زیب بیجاپور کے محاصرے میں لگا ہوا تھا۔ اچانک اسے اور اس کے لشکر کے سرداروں کے نام شاہجہاں کی طرف سے یہ پیغام پہنچا کہ وہ اس مہم کو چھوڑ دیں۔ اور وہ امرائے سلطنت جو لشکر کے ہمراہ ہیں فوراً واپس چلے آئیں۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم کے مطابق ان امرا نے اورنگ زیب کی اجازت کے بغیر آگرے کا رخ پکڑا۔ شہزادہ اورنگ زیب بھی اس مہم کو نامکمل چھوڑ کر اور والی بیجاپور سے ایک کروڑ روپیہ لے کر اپنے علاقے میں واپس چلا گیا۔ بادشاہ کا یہ فرمان، داراشکوہ کے کہنے پر جاری کیا گیا تاکہ وہ امرا جو اورنگ زیب کے ہمراہ جنگ میں مصروف تھے وہ دارالحکومت واپس آکر داراشکوہ سے وابستہ ہو جائیں۔

پاس تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ باقی شہزادوں کو بادشاہ کی بیماری کا علم ہو۔ غالبًا اسے خدشہ تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کے باوجود راسخ العقیدہ امراء اس کا ساتھ نہ دیں گے اور کسی دوسرے شہزادے کی دارالخلافہ میں موجودگی کی صورت میں امرائے دربار اس کے گرد اکھٹے ہو کر اسے (داراشکوہ کو) ہندوستان کے تاج و تخت سے محروم کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اورنگ زیب، مراد، اور شجاع کے آگرہ میں موجود وکیلوں سے ضمانتیں لیں کہ وہ دربار کی کوئی خبر شہزادوں کو نہیں بھیجیں گے۔ لیکن بادشاہ کی بیماری کوئی ایسی خبر نہ تھی کہ چھپائے چھپ جاتی۔ ملک میں تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ دارا کے اقدامات نے اس شبہ کو تقویت بخشی کہ بادشاہ انتقال کر چکا ہے۔ چنانچہ باقی شہزادوں نے بھی اپنے مورچے سنبھال لئے۔

بنگال کے گورنر شہزادہ شجاع کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ اس لئے وہ بڑی تعداد میں فوج رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے شاہجہاں کی وفات کی افواہ سنی تو اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور اپنے صوبائی صدر مقام راج محل میں رسم تاج پوشی ادا کی۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا ور اپنے نام کا خطبہ پڑھنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک فرمان یہ بھی جاری کیا کہ داراشکوہ نے اپنے باپ کو زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔ وہ نہ صرف اس قتل کا انتقام لے گا بلکہ بادشاہت کے خالی تخت پر بھی مسند نشین ہو گا۔ اس کے بعد وہ ایک لشکر جرار لے کر آگرہ کی جانب بڑھا۔ شاہجہاں نے اسے لکھا کہ وہ ابھی حیات ہے اس لئے شجاع اپنی فوجوں کے ساتھ بنگال واپس چلا جائے، لیکن چونکہ دربار میں شجاع کے دوستوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ بادشاہ کا مرض لاعلاج ہے اس لئے وہ آگرہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ بہانہ یہ بنایا کہ اسے شاہجہاں کی موت کا پورا پورا یقین ہے۔ یہ تحریر شاہجہاں کی نہیں۔ دارا نے اس کے ہینڈ رائٹنگ میں لکھی ہے، اور اگر خدا کے فضل سے شاہجہاں زندہ ہوئے تو اس صورت میں وہ بادشاہ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے گا۔ 4 ربیع الاول 1068ھ کو

شجاع کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ بنارس کے قریب دونوں فوجوں میں لڑائی ہوئی۔ شجاع کو شکست ہوئی اور اپنی جان بچا کر بنگال بھاگ گیا(17)۔

اسی طرح احمد آباد میں شہزادہ مراد بخش نے اپنے نام کا سکہ وخطبہ جاری کر دیا۔ دکن میں شہزادہ اورنگ زیب نے بھی اپنا فرمان جاری کیا اور اپنی فوجیں حرکت میں لے آیا۔ وہ آگرہ کی طرف بڑھنے کے لئے سوچ رہا تھا کہ اسے اور مراد کو بھی شاہجہاں کی طرف سے ویسے ہی خطوط ملے۔ انہوں نے بھی شجاع جیسا ہی جواب دیا، لیکن چونکہ اورنگ زیب کے خزانے میں زیادہ مال و دولت نہیں تھا اور اس کی فوج نسبتاً کم تھی، اس لئے جو کچھ وہ فوج کی مدد سے حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سیاست سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس نے شہزادہ مراد بخش کو خط لکھا کہ میں تو ایک فقیر اور درویش ہوں۔ دارا کافر ملحد ہے اور شجاع رافضی ہو چکا ہے۔ اس لئے ہم تینوں میں سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہیں۔ سلطنت کے صحیح حق دار تم ہو۔ آؤ مل کر آگے بڑھیں!

اورنگ زیب کے باقی شہزادوں کے بارے میں تمام خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔ اس کے جاسوسوں اور مخبروں نے یہ اطلاع فراہم کی تھی کہ داراشکوہ نے اپنے امرا، مہاراجہ جسونت سنگھ اور قاسم خاں کو ہدایت کی ہے کہ اگر اورنگزیب دہلی کی جانب بڑھے تو راستے میں ہی روک لیں۔ لیکن اورنگ زیب نہایت تحمل سے حالات کا مطالعہ کر رہا تھا اور موقع کا منتظر تھا۔ اس نے مراد بخش کو بادشاہت کا لالچ دے کر اور اپنی فقیری کا دعویٰ کر کے اس سے تعلقات بڑھائے اور پھر آگرے کی طرف بڑھا۔ 20 رجب 1068ھ کو وہ دیبال پور آ گیا جہاں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق مراد بخش بھی اس سے آملا۔ جب جسونت سنگھ کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنی فوجیں لے کر آگے بڑھا اور ان کے پڑاؤ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر خیمہ زن ہوا۔ اورنگ زیب نے

سنگھ نہ مانا اورانہیں واپس جانے کے لئے کہا۔لڑائی ہوئی اور جسونت سنگھ شکست کھا کر اپنے وطن کی طرف بھاگ نکلا(18)۔

اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجیں اگے بڑھتی ہوئی دھرمات کے مقام پر پہنچیں۔داراشکوہ کو جب پتہ چلا تو وہ ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ اورنگ زیب اور مراد کی مشترکہ افواج سے جنگ کے لئے آگے بڑھا۔اس عرصہ میں اورنگ زیب اپنے باپ شاہجہاں کو ایک خط لکھا چکا تھا جس میں اور باتوں میں کے علاوہ یہ بھی درج تھا: سنا جا رہا ہے کہ اب شاہ بلند اقبال (داراشکوہ) بذات خود میدان کارزار گرم کریں گے۔ یہ ان کی بزرگانہ شان کے خلاف ہے۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مجھ جیسے کار آزمودہ جنگجو کے مقابلے پر ان کا بازی لے جان قطعاً ناممکن ہے۔اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ اپنی بزرگی کا وہ خود احترام کریں۔اس ارادے کو ترک کردیں۔ اپنے علاقے پنجاب کو تشریف لے جائیں ار کچھ دنوں اس نیاز مند کو اعلیٰ واقدس (یعنی شاہجہاں) کی خدمت میں باریابی کا موقع دیں۔اس ے بعد جو آپ کی رائے ہوگی اس پر عمل ہوگا۔(19) اس پر شاہجہاں نے دارا کو سمجھایا کہ اس کا جنگ کرنا مناسب نہیں لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا۔دراصل، اسے اپنی اور اپنے فوجیوں اور ساحروں کی صلاحیتوں پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ جنگ میں اپنی فتح کو یقینی سمجھتا تھا۔تنگ آکر شاہجہاں نے اس سے کہا ''یاد رکھو، اگر لڑائی بگڑ گئی تو مجھے کیا منہ دکھاؤ گے؟'' بھائیوں کے درمیان اہم ترین جنگ 7 رمضان 1068ھ/30 مئی 1658ء کو آگرے سے آٹھ میل کے فاصلے سموگڑھ کے محاذ پر ہوئی۔

داراشکوہ اپنی پوری قوت کے ساتھ میدان میں آیا، اس نے بار بار مشورے کے باوجود اپنے بیٹے سلیمان شکوہ کی واپسی کا بھی انتظار نہ کیا۔داراشکوہ کو اورنگ زیب اور مراد کی متحدہ فوجوں کے ہاتھوں 7 رمضان

کے مارے اس کے پاس نہ گیا۔ آخر، شاہجہاں نے ایک وفادار خواجہ سرا کی زبانی اپنے لاڈلے مگر بدنصیب شہزادے کو تسلی دی اور یہ پیغام بھیجا کہ مجھے اب بھی تم سے ویسا ہی پیار ہے۔ تمہاری اس شکست کا مجھے بے حد رنج ہے۔ لیکن ناامید ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی سلیمان شکوہ کا لشکر بالکل صحیح وسلامت ہے۔ تم دہلی چلے جاؤ۔ صوبیدار کو حکم بھیج دیا گیا ہے۔ بادشاہی اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے موجود ہیں۔ وہ تمہیں خزانہ اور ہاتھی بھی سونپ دے گا۔ آگرے سے دور نہ جانا بلکہ ایک ایسے معقول فاصلے پر ٹھہرنا جہاں ہماری تحریریں تمہیں باسانی ملتی رہیں۔ ہمیں اب تک یہ امید ہے کہ ہم معاملات کو تسلی بخش طریقے سے حل کرسکیں گے۔ چنانچہ وہ راتوں رات بیوی بچوں اور جواہرات کے صندوقچوں کے ساتھ دہلی بھاگ گیا۔ وہاں سے ساز وسامان لے کر وہاں سے لاہور، ملتان، بھکر اور گجرات ہوتا ہوا کچھ پہنچ گیا۔ پہلے خود اورنگ زیب اور بعد میں اس کے سردار اس کا مسلسل پیچھا کرتے رہے۔ داراشکوہ کا فرار یک بڑی دردناک کہانی ہے(20)۔

داراشکوہ کو اب یہ خیال آیا کہ وہ ہمایوں کے نقش قدم پر کیوں نہ چلے۔ چنانچہ اس نے اپنے ایلچی بھیج کر شاہ عباس دوم سے ایران آنے کی اجازت مانگی۔ شاہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اپنے حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ شاہزادے کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے(21)۔ چنانچہ داراشکوہ نے ایران جانے کے ارادے سے قندھار کا رخ کیا لیکن اس کے ساتھی مایوس ہو ہو کر اسے چھوڑتے گئے، اس کے حامی ومددگار اس سے الگ ہوگئے اور اس وقت مصائب کی انتہا ہوگئی جب اس کی ہمدم وہمراز بیوی نادرہ بیگم انتقال کرگئی۔ دارا کی حالت بہت خستہ ہوگئی۔ وہ شکست وریخت کا شکار تھا۔ اس سفر میں وہ دارد کے افغان سردار ملک جیون کے ہاں ٹھہرا جس نے حکومت وقت کی وفاداری میں اس کی موجودگی کی اطلاع اورنگ زیب کو دے دی، اور دارا شکوہ، اس کے بیٹے سپہر شکوہ اور اس کی بیٹی کو ارنگ زیب کے آدمیوں کے حوالے کردیا جو انہیں لے کر دہلی

چلایا گیا اور مرتد قرار دے کر اسے علماء کی طرف سے سزائے موت سنائی گئی۔ چھوٹے بھائی نے اسکی موت کا فرمان جاری کیا اور 21 ذی الحجہ 1069ھ/30 اگست 1659ء کو بدھ کی رات اسے موت کی سزا دے دی گئی۔ اس طرح شاہجہاں کا لاڈلا بیٹا اور ہندوستان کا ہونے والا شہنشاہ، اس دار فانی سے رخصت ہو گیا۔ اسے ہمایوں کے احاطے میں دفن کیا گیا (22)۔

اگر چہ داراشکوہ کی ساری عمر محلوں میں گزری تھی، لیکن اس میں اپنے آپ کو حالات کے مطابق ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت تھی۔ اس نے تقریباً ساری عمر دربار میں گزارنے کے باوجود جنگی مہارت کا مظاہرہ کیا۔ مگر اورنگ زیب کو قدرت کی طرف سے جو حیرت انگیز صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، داراشکوہ اپنے امرا کا دلی تعاون نہ ہونے کی وجہ سے ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔

وزیر اعظم سعد اللہ خان اورنگ زیب سے کوئی ڈیڑھ سال پہلے انتقال کر چکا تھا۔ تقریباً گیارہ مہینے پہلے امیر الامرا علی مردان خان بھی وفات پا گیا تھا۔ اگر یہ دونوں زندہ رہتے تو حالات کچھ اور ہوتے۔ ''شاہجہاں نامہ'' کا بیان ہے کہ داراشکوہ بظاہر تو دولت خواہی میں کوشاں تھا، مگر حقیقتاً اپنی بدخواہی کر رہا تھا۔ شاہجہاں کو اس کی مرضی کے مطابق فرامین بھیجنے میں تامل تھا۔ لیکن ''از فرط غلبہ وفور تصرف آں بلند قدر در مزاج مبارک امتناع از پیش نہ رفت۔

اگر سعد اللہ خان زندہ رہ جاتا تو شاید شاہجہاں کا آخری دور اتنا الم ناک نہ ہوتا۔ (23)

داراشکوہ کی دو بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ لیکن اس کی موت کے وقت دو بیٹے اور ایک بیٹی زندہ تھے۔ 1043ھ میں داراشکوہ کے گھر پہلی بچی پیدا ہوئی جو انتقال کر گئی (24)۔

26 رمضان 1044ھ کو اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام سلیمان شکوہ رکھا گیا۔ جمادی

تعلیم دی گئی اور کلمہ طیبہ پڑھایا گیا۔ 1061ھ میں سلیمان شکوہ کی دوسری شادی ہوئی اور 1067ھ میں تیسری۔ ہر شادی کے موقع پر شاہجہاں بادشاہ کی طرف خلعت و جواہرات گراں بہا عطا کئے گئے۔ اپنے باپ کی گرفتاری کے بعد، سلیمان شکوہ نے راجہ پرتھی پت زمیندار سری نگر کے پاس پناہ لی۔ راجہ نے اورنگ زیب کے ایلچی کے ساتھ مذاکرات کے بعد سلیمان شکوہ کو قید کر دیا اور پھر اپنے بیٹے کے ہمراہ اورنگ زیب کے پاس بھیج دیا۔ اورنگ زیب نے دو روز کے بعد اسے اپنے حضور میں طلب کیا اور اگلے دن اسے اپنے فرزند محمد سلطان کے ہمراہ قلعہ گوالیار کے قید خانے میں بھیج دیا۔ وہ 11 شوال 1072ھ کو زندان گوالیار میں انتقال کر گیا(25)۔ مہر شکوہ 1048ھ میں پیدا ہوا اور چالیس سال روز بعد انتقال کر گیا(26)۔

داراشکوہ کا تیسرا بیٹا 1053ھ میں پیدا ہوا۔ شاہجہاں نے اس کا نام ممتاز شکوہ رکھا(27)۔ داراشکوہ کی دوسری بیٹی کا نام پاک نہاد بانو بیگم تھا۔ وہ 1051ھ میں پیدا ہوئی(28)۔ داراشکوہ کا چوتھا بیٹا، سپہر شکوہ 1054ھ میں پیدا ہوا۔ جنگ اجمیر میں سپہر شکوہ اپنے باپ کے ہمراہ تھا۔ شکست کے بعد باپ سے جدا نہ ہوا۔ سپہر شکوہ کو بھی قید کر کے باپ کے ساتھ دہلی لائے۔ داراشکوہ کے قتل کے بعد اسے بھی قلعہ گوالیار بھیج دیا(29)۔

مفتی غلام سرور چشتی نے ''خزینۃ الاصفیاء'' میں، جو داراشکوہ کے قتل کے تقریباً دو سو سال بعد تحریر آئی، لکھا ہے(30) کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد اس کا ایک بیٹا کہ عمر اس کی نو سال تھی اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے حال پوچھا تھا بچے نے فی البدیہہ کہا:

ھجر دارا بر دل من کم تر از یعقوب نیست

او رپسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

اورنگ زیب نے یہ کہ اسے قتل کرادیا کہ بھیڑیے کو مارنا اور اس کے بچے کی پرورش کرنا عقل مندوں کا کام نہیں۔ مفتی سرور نے اس لڑکے کا نام نہیں لکھا۔ لیکن اس کی یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ بادشاہ ناہ اور شاہجہاں نامہ کے مطابق، داراشکوہ کے قتل کے وقت اس کے صرف دو بیٹے حیات تھے اور ان میں سے کسی کی عمر بھی نو سال نہ تھی۔ چھوٹے بیٹے سپہر شکوہ کی عمر پندرہ سال تھی اور اسے اپنے بڑے بھائی سلیمان شکوہ کو ساتھ گوالیار کے قلعے میں قید کردیا تھ تھا۔ مزید براں محمد ساقی مستعد خاں نے ماثر عالمگیری میں لکھا ہے (31):

''21 شوال 1083ھ کو قبلہ عالم (اورنگ زیب عالمگیر) نے اپنی دختر ثریا نقاب نواب زبدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے عقد میں یدا۔ جہاں پناہ، قاضی عبدالوہاب، ملا محمد یعقوب، دریا خاں، بختاور خاں مجلس عقد میں شریک تھے۔ شہزادہ سپہر شکوہ کو خنجر مرصع، سرپیچ، مالائے مروارید اور سہرہ مروارید عطا کئے گئے۔ ملکہ تقدس ماب گوہر آرا بیگم اور حمیدہ بانو بیگم نے کتخدائی رسوم کتخدائی انجام دیں۔ چھ ہزار سالانہ شہزادہ سپہر شکوہ کا وظیفہ مقرر ہوا۔''

یہاں یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہ گا کہ اورنگ زیب کے اپنے باقی دو بھائیوں کے بارے میں کیا ارادے تھے۔ شاہجہاں کے نام اپنے خط میں وہ لکھتا ہے (32) کہ اب مجھے اس وقت تسلی ہوگی جب وہ دونوں فتنہ پردار جو بار بار بے غیرتی کو اپنے سر لے چکے ہیں، فرار ہر کر ممالک محروسہ سے باہر ہوجائیں یا توفیق الٰہی سے گرفتار ہوکر اپنے (مقتول) بھائی کے پہلے میں بیٹھیں:

سر وارث ملک تا بر تن است

تن ملک را فتنہ پراہن است

(جب تک ملک کے راث کا سر (اس کے) جسم پر ہے، (اس وقت تک) فتنہ ملک کے جسم کے لئے پیراہن ہے۔)

ا۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، بھارت، نول کشور، اڈیشن 1884، ص 117

۲۔ شاہجہاں نامہ، جلد سوم، ص 300

۳۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، مرتبہ محمد سید محمد رضا جلالی نائینی وڈاکٹر تاراچند، تہران، ص 59

۴۔ کالکارانجن قانونگو، داراشکوہ (بزبان انگریزی) طبع کلکتہ، ص 8

۵۔ شاہجہاں نامہ، جلد اوّل، ص 229، بادشاہ نامہ، جلد اوّل، ص 177، منتخب الباب، جلد اوّل، ص 398

۶۔ داراشکوہ، ص 22

۷۔ داراشکوہ، ص 38

9. Francois Bernier Travels in the Mughal Empire, Translated and annoted by A. Constable and second edition revised by V. A. Smith, Oxford University Press, UK, P.6

فرانسو برنئے، سفرنامہ مغل سلطنت (ترجمہ بزبان انگریزی)، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، برطانیہ، ص ۶

۹۔ حمید الدین خاں، احکام عالمگیری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1993، مع ترجمہ از خالد حسن قادری، ص 128

۱۰۔ احکام عالمگیری، ص 130

۱۱۔ اورنگ زیب عالمگیر، رقعات عالمگیری، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ، 1924ء، ص 19

۱۲۔ احکام عالمگیری، ص 130، ماثر الامرا، ص 790

۱۳۔ احکام عالمگیری، ص 128

۱۵۔شیر محمد خان لودھی، مرآۃ الخیال، ص214

۱۶۔بحوالہ شیخ محمد اکرم، رودِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

۱۷۔سفر نامہ، ص26

۱۸۔سفر نامہ، ص35

۱۹۔محمد اورنگ زیب عالمگیر، رقعات عالمگیر، جلد اوّل، ص204 ,200 مرتبہ: سید نجیب اشرف ندوی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا

۲۰۔سفر نامہ، ص46 ,57

۲۱۔سکینۃ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی وڈاکٹر تاراچند، طبع تہران۔ مقدمہ شانزدہ۔

۲۲۔سفر نامہ، ص98

۲۳۔شاہجہاں نامہ، جلد سوم، ص212

۲۴۔شاہجہاں نامہ، جلد دوم، ص3

۲۵۔شاہجہاں نامہ، جلد دوم، صفحات 80 ,67۔جلد سوم، ص263۔اس کے علاوہ منتخب الباب، جلد اوّل و جلد دوم۔

۲۶۔شاہجہاں نامہ، جلد دوم، ص242۔بادشاہ نامہ، جلد دوم، ص104 ,101

۲۷۔شاہجہاں نامہ، جلد دوم، ص322۔بادشاہ نامہ، جلد دوم ص341 ,337

۲۸۔بادشاہ نامہ، جلد دوم، ص245

۲۹۔شاہجہاں نامہ، جلد دوم، ص348 ,342، بادشاہ نامہ جلد دوم، ص388

۳۰۔مفتی غلام سرور چشتی، خزینۃ الاصفیاء، 1283ھ۔ص163

محمد فدا علی طالب، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اوّل، اپریل 1962ء، ص 139

۳۲۔ رقعات عالمگیر، ص 218

☆٪☆٪☆٪☆٪☆٪☆٪☆

داراشکوہ کی کتب تصوف

(الف)

سفینۃ الاولیاء اور سکینۃ الاولیاء......ایک تحقیقی جائزہ

داراشکوہ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی عمر سے اس کا رجحان تصوف کی طرف تھا۔ اس نے صوفیوں کی معروف تصانیف کا بہت دقیق اور گہرا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن تصوف کے گہرے مطالعے اور مختلف مذاہب کے علماء سے مسلسل رابطے اور بحث ومباحثہ کے بعد اس میں جو سوچ پیدا ہوئی وہ اس کو اس وادی میں لے گئی جس میں اسلام اور ہندودھرم ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

داراشکوہ کی پہلی تصنیف ''سفینۃ الاولیاء'' ہے جو داراشکوہ نے 25 سال کی عمر میں 27 رمضان 1049ھ/1639ء کو مکمل کی (1)۔

داراشکوہ کے دل میں صوفیوں اور دریشوں کے لئے بہت احترام تھا۔ اسے یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ معروف صوفیوں کے حالات زندگی کسی ایک کتاب میں نہیں ملتے۔ ان کی ولادت اور وفات کی تاریخیں معیاری کتابوں مثلاً نفحات الانس، تاریخ یافیہ اور طبقات سلطانیہ میں موجود نہیں۔ چنانچہ اس نے یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب کا مقصد تمام مسالک کے صوفیوں کے احوال وفضائل کے علاوہ ان کی تواریخ وفات درج کرنا ہے۔ تقریباً دوسو صفحے کی کتاب میں رسول اللہ، ازواج مطہرات، خلفائے راشدین، اماموں اور صوفیوں سمیت چار سو سے زائد شخصیتوں کے حالت دیئے گئے ہیں۔ اس تصنیف میں داراشکوہ اپنے آپ کو حنفی، قادری لکھتا ہے،

صوفیوں اور بزرگوں کے طفیل جن کی زندگیوں کا حال اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اس کا مستقبل روشن ہوگا۔

یہ کتاب پہلی دفعہ 1269ھ/1852ء میں آگرہ میں طبع ہوئی۔ پھر 1872ء میں لکھنؤ سے اور 1884ء میں کانپور سے اس کے ایڈیشن شائع ہوئے۔ اب یہ کتاب تصحیح آقا سید محمد رضا جلالی نائینی تہران میں بھی طبع ہو چکی ہے۔

یہ کتاب شہزادہ داراشکوہ نے عنفوان شباب میں لکھی تھی لیکن اسے پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو روحانی دنیا کا بھی شہزادہ سمجھتا تھا۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ چار بزرگ سفید لباس میں ایک دوسرے کے پیچھے جا رہے ہیں۔ کسی سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جواب ملا کہ پیغمبرؐ کے چار دوست (خلفائے راشدین) ہیں۔ داراشکوہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ یہ سب حضرات ایک دریا سے گزر کر ایک بہت بلند پہاڑ پر پہنچے اور برابر کھڑے ہو گئے۔ داراشکوہ نے باری باری ان سب کو سلام کہا اور فاتحہ کی درخواست کی۔ سب نے سلام کا جواب دیا اور علیحدہ علیحدہ فاتحہ پڑھی۔ پھر داراشکوہ کو عنایات خصوصی کے ساتھ رخصت کیا۔ دارا اس خواب کو اپنے نصیب کی بیداری جانتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ ایسے گراں قدر عطیہ سے مشرف ہوا۔

حکیم سنائی کی بات کرتے ہوئے سنی مذہب سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتا ہے۔ ''حدیقہ سنائی میں بعض نامعقول اشعار سننے پر میرے دل میں شک پیدا ہوا۔ چنانچہ جس دن میں غزنی آیا تو اپنے دل میں طے کیا کہ حکیم سنائی کے علاوہ باقی سب اکابر کی زیارت کے لئے جاؤں گا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ میں غزنی کے مشائخ کے مزارات کی زیارت کر رہا ہوں اور ایک شخص کہتا ہے یہ حکیم سنائی کا مزار ہے۔ وہاں پہنچا تو سنگ سفید کی ایک قبر دیکھی جس پر ھذا قبر حکیم سنائی لکھا تھا، اور اس میں شبہ ہے کہ سنی لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ حکیم سنی ہیں۔ جب صبح ان کی قبر پر حاضر ہوا تو جس طرح خواب میں

ان مختصر سوانحی خاکوں کا اہم پہلو اسلوب نگارش کی سادگی ہے۔ یہ بھی اندازہ کیجئے کہ اس زمانے میں جب تحقیقی مواد اکھٹا کرنے کے جدید ذرائع میسر نہ تھے، تواریخ وفات کو اکھٹا کرنا کتنا مشکل اور دقت طلب کام تھا۔ شہزادہ داراشکوہ نے پتہ مار کر کام کیا اور اس کے لئے وہ تعریف کا مستحق ہے۔

"سکینۃ الاولیاء"

یہ داراشکوہ کی دوسری کتاب ہے (2)۔ یہ اس نے 1052ھ/1642ء میں لکھنی شروع کی۔ جب اس کی عمر صرف 28 سال تھی، اور 1058ھ تک اس میں اضافے ہوتے رہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر سلسلہ قادریہ کے میاں میرؒ (جن کو میاں جیو بھی کہتے ہیں) اور ان کے مرید اور داراشکوہ کے پیرومرشد ملا شاہ (جنھیں لسان اللہ بھی کہتے ہیں) کے سوانح ہیں۔ مزید برآں جہاں ان دونوں صوفیان کرام سے بے پناہ عقیدت کا اظہار ہے وہاں تھوڑا سا ذکر میاں میرؒ کے مریدوں کا بھی ہے۔ اور بہت سے خودستائی بھی ہے۔ چنانچہ داراشکوہ کہتا ہے کہ 25 سال کی عمر میں جب وہ سو رہا تھا تو ہاتف غیب کی صدا آئی اور چار بار اس کی تکرار ہوئی کہ "جو بات روئے زمین کے بادشاہوں کو میسر نہیں آئی، وخداوند تعالی نے تمہیں عطا کی۔" پھر وہ لکھتا ہے کہ "جو بات کسی طالب کو سالہا سال کی ریاضت ومجاہدہ میں حاصل ہوتی ہے وہ مجھے بغیر ریاضت کے مل گئی۔ دونوں جہانوں کی محبت یکبارگی میرے دل سے نکل گئی اور فضل ورحمت کے دروازے مجھ پر کھل گئے۔"

داراشکوہ نے اس تکاب میں نہ صرف میاں میرؒ اور ملا شاہ کے حالات لکھے ہیں بلکہ ان سے اپنے تعلقات کی بھی بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے نقطہ نظر سے مختلف مسائل پر بحث کی ہے۔ مثلاً، سماع کی خواہش، روحانی معلم کی ضرورت، شیخ کی طلب، رویت باری تعالی۔

کے والد کے انتقال ہو گیا۔ لیکن علوم آپ نے اچھی طرح حاصل کیے۔ اس کے بعد شیخ سیوستانی کے مرید ہو گئے۔ 25 سال کی عمر لاہور آئے اور یہاں ریاضت و عبادت اور تلقین و ہدایت شروع کی۔ آپ کی وفات 1045ھ میں ہوئی اور لاہور سے پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں دفن ہوئے جواب میاں میر کہلاتا ہے۔

اس کتاب سے یہ معلوم ہو تا ہے کہ شاہجہاں میاں میرؒ سے دو دفعہ ملنے گیا۔ پہلی ملاقات 17 شوال 1043ھ کو اس وقت جب داراشکوہ بیمار ہوا اور بیماری نے چار ماہ تک طول پکڑا۔ طبیب عاجز آ گئے اور بظاہر صحت کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تب بادشاہ اسے میاں میرؒ کے پاس لے گئے کہ اس کی صحت کے لئے دعا کریں۔ میاں میرؒ نے اپنے مٹی کے پیالے کو پانی سے بھر کر اس پر دعا پڑھی اور پانی پینے کے لئے پیالہ دارا کو دیا۔ پانی پینے کے ایک ہفتہ بعد دارا کی بیماری جاتی رہی۔ چنانچہ میاں میرؒ پر اس کا اعتقاد ہو گیا۔

دوسری مرتبہ بادشاہ، داراشکوہ کو ساتھ لے کر، 8 رجب 1044ھ کو میاں میرؒ کے ہاں گئے۔ بہت لطیف اور خوشگوار باتیں ہوئیں۔ داراشکوہ ان کا اس حد تک معتقد ہو گیا تھا کہ وہ برہنہ پا ان کے کمرے کی طرف گیا اور جب بادشاہ سے باتیں کرتے ہوئے وہ لونگ چباتے اور پھینک دیتے تو دارا کمال اخلاص سے انہیں اٹھا کر کھا لیتا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ اسی برکت سے اس کی زبان کو قوت بیان حاصل ہوئی اور طبعیت موزوں ہو گئی۔ میاں میرؒ بھی دارا کو عزیز رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا کہ ''وہ ہماری جان اور ہمارا نور بصر ہے۔'' داراشکوہ راوی ہے کہ بعد میں شاہجہاں بادشاہ نے ہمیشہ میاں میرؒ کی تعریف کی۔

میاں میرؒ کی عظمت کا احساس دلانے کے لئے داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ اگرچہ جہانگیر بادشاہ اولیاء اور درویشوں پر اعتقاد نہ رکھتے تھے بلکہ ان کو تکلیف پہنچاتے۔ انہوں نے میاں میرؒ کو بڑی عزت سے بلایا اور

نے انہیں پند ونصیحت کی جس کا بادشاہ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگے، سلطنت، جاہ وحشمت، مال وجواہر، جو کچھ میرے پاس موجود ہے میری نظر میں سنگ وخس کے برابر ہے۔ میاں میرؒ نے کہا: ''صوفی کامل وہ ہوتا ہے جس کی نظر میں مال وجواہر سنگ وخس کے برابر ہو۔ اب جو یہ آپ کی نظر میں یکساں ہیں تو یہ آپ کے کامل صوفی ہونے کی دلیل ہے۔'' مزید کہا کہ آپ کے عدل کی برکت سے ہندوستان میں فقراء بھی تسلی سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اس لئے اس وقت ہندوستان میں فقراء بھی تسلی سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں۔ اس لئے اس وقت ہندوستان کو آپ جیسے پاسباں کی ضرورت ہے۔ دارا شکوہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کو ان کی باتیں بہت پسند آئیں اور کیوں نہ آتیں؟

میاں میرؒ سماع سے بھی شغف رکھتے تھے۔ ہندی راگ کو خوب سمجھتے تھے اور اسے بہت پسند کرتے تھے۔ قوال آتے تھے ان سے گانا سنتے لیکن نہ وجد میں آتے نہ رقص کرتے۔ محفل سماع میں نہ کوئی حرکت صادر ہوتی نہ ہاتھ اٹھاتے۔

سماع کے بارے میں ابو بکر مصری کے حوالے سے دارا شکوہ نے ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک محفل سماع میں وہ حضرت جنید بغدادیؒ اور ابوالحسن نوریؒ کے ساتھ تھے۔ قوالی ہو رہی تھی۔ ابوالحسن نوریؒ کھڑے ہوئے اور رقص کرنے لگے۔ حضرت جنیدؒ بیٹھے رہے، نوریؒ ان کے پاس آئے اور کہا کہ اٹھو! اور یہ آیت پڑھی۔

انّا یستجیبُ الّذین یسمعُون o (36:3)

(تمھاری دعوت کا وہی جواب دے سکتے ہیں جو تمھاری پکار سنتے ہیں)

حضرت جنیدؒ ایک ذہین اور حاضر جواب صوفی تھے۔ انہوں نے ابوالحسن نوریؒ کے جواب میں فوراً یہ آیت پڑھی:

وتری الجبال تحسبھا جامدۃ و ھی تمّر مّر السّحابo(88:27)

(اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو انہیں (اپنی جگہ) جما ہوا خیال کرتا ہے اور وہ (قیامت کے دن) بادلوں کی طرح چلیں گے (اڑتے پھریں گے)۔

مطلب یہ تھا کہ ہم تو جھوم رہے ہیں لیکن تمہیں اس کا اندازہ نہیں۔

اس موقعہ پر مولانا ابوالکلام کی زبانی مسلمانوں میں روح عمل کے فقدان پر ایک علمی حقیقت کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔عبدالمجید سالک راوی ہیں (3) کہ ایک دن تصوف پہ گفتگو کرتے ہوئے مولانا کہنے لگے کہ تصوف کی کتابوں اور اولیاء کے تذکروں میں اس قسم کے واقعات اکثر نظر سے گزرتے ہیں کہ، ایک بزرگ (خواجہ قطب الدین کاکیؒ) محفل سماع میں بیٹھے تھے۔مطرب نے (شیخ احمد جام کا) یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را

ھر زمان از غیب جانے دیگر است

(تسلیم ورضا کے خنجر سے قتل ہونے والوں کے لئے ہر دور میں غیب سے نئی زندگی ہے)

حضرت نے یہ سن کر نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو گئے۔

ایک اور بزرگ حضرت بایزید بسطامیؒ بازار میں جا رہے تھے۔شام کا وقت تھا، ایک امرود فروش کی ٹوکری میں صرف ایک امرود باقی رہ گیا تھا اور وہ اسے اٹھا کر صدا لگا رہا تھا: لم یبقی الاالواحد، لم یبقی الاالواحد (سوائے ایک کے کچھ بھی باقی نہیں)۔

حضرت بسطامیؒ نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

در کوئے نیک نامی، ما را گزر نداوند
گر تو نمی پسندی، تغیّر کن قضا را
(انہوں نے ہمیں نیک نامی کے کوچے سے گزرنے نہیں دیا، اگر تجھے پسند نہیں تو تقدیر کو بدل دے)

حضرت نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔

پھر مولانا ابوالکلام نے کہا کہ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان نعرہ مارتا تھا تو دشمن بے ہوش ہو جاتے تھے۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ مسلمان خود ہی نعرہ مارتا تھا اور خود ہی بے ہوش ہو جاتا تھا۔

داراشکوہ نے میاں میرؒ کی کئی کرامات بھی بیان کی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ میاں میرؒ نے بتایا کہ چار فقیر پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے، تین دن انہیں کھانے پینے کو کچھ میسر نہ آ سکا۔ تب ان میں سے ایک نے کہا، میں آگے چل کر کوئی چیز حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تم آہستہ آہستہ چلے آؤ۔ وہ فقیر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے راستے میں پھلوں سے لدا ہوا ایک درخت دیکھا جس کی شاخیں پھل کے بوجھ سے جھک کر زمین تک آ رہی تھیں۔ درخت کے نیچے ٹھنڈے پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا۔ فقیر درخت کے نیچے آئے۔ حسب خواہش پھل کھایا، پانی پیا اور کہنے لگے کہ اس جیسا پھل دنیا اور کوئی نہیں، شاید یہ بہشت کا میوہ ہے۔ انہوں نے ساتھی کا حصہ لے لیا اور وہاں چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ وہ ساتھی ان سے آملا جو خوراک کا بندوبست کرنے گیا تھا۔ وہ بولے افسوس تم موجود نہ تھے۔ ہمیں میوے سے بھرا ہوا درخت اور بہتا پانی میسر آیا۔ تمہارا حصہ ہم ساتھ لے آئے ہیں۔ اس نے جواب دیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ پھر میاں میرؒ کہنے لگے: ''بابا! وہ درخت، وہ میوہ، وہ چشمہ، وہی فقیر تو تھا جو خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔'' داراشکوہ اپنے

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجیست

(عقل حیرت زدہ ہوگئی کہ یہ کیا عجیب بات ہے۔)

دارا شکوہ کی زبانی میاں میرؒ کی ایک اور کرامت بھی سن لیجئے:

ایک دن میاں میرؒ باغ میں مشغول ذکر تھے۔ ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی چہک رہی تھی۔ دفعتہً ایک شخص آیا۔ فاختہ کا شکار کرنے کے لئے اس نے غلہ پھینکا، جا فاختہ کے جالگا۔ وہ درخت سے نیچے آگری اور مرگئی۔ اس شخص کو اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ اسے ذبح کرتا۔ فاختہ وہیں چھوڑ کر، وہ شخص چلا گیا۔ میاں میرؒ بہت آزردہ ہوئے اور اپنے ایک مرید سے کہا۔ ''جا اور فاختہ کو اٹھالا''۔ وہ مردہ فاختہ کو آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اس پر پھیرا تو وہ فوراً زندہ ہوکر اڑ گئی اور اسی شاخ پر جا بیٹھی۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ایک گلی میں چوہا مرا پڑا تھا۔ اس میں سڑاند آتی تھی۔ میاں میرؒ کے ایک مرید میاں نتھا نے کہا، اے مردار! اٹھ اور جا۔ چوہا اس وقت اٹھا اور چل پڑا۔ میاں میرؒ کو یہ بات ناگوار گزری اور میاں نتھا کو اس قسم کی باتوں سے منع کیا۔ دارا شکوہ لکھتا ہے کہ منع کرنے کا سبب یہ تھا کہ کہیں اس واقعہ کی شہرت نہ ہوجائے اور آفت کا سبب نہ بنے۔

یعنی دارا شکوہ کے اپنے بیان کے مطابق میاں میرؒ صاحب خود تو مردہ کو زندہ کر دیتے تھے لیکن اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کا مرید بھی یہ کام کرے۔

یاد رہے کہ میں میرؒ کی اپنی ایسی کوئی تحریر نہیں ملتی جس سے ان روایات کی تصدیق ہوسکے۔

ان واقعات کو پڑھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ دارا شکوہ کی سوچ کن خطوط پر استوار ہو رہی تھی۔

رہتا۔لیکن داراشکوہ کو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا موقعہ نہ ملا کیونکہ اسی سال میاں میرؒ صاحب کا انتقال ہو گیا۔

1050ھ/1640ء میں داراشکوہ نے میاں میرؒ کے ایک مرید اور قادری سلسلے کے ایک شیخ ملا شاہ بدخشانی کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کا نام شاہ محمد تھا۔ اور ان کے دوست اور معتقدین انہیں ''حضرت اخوند'' کہتے تھے۔داراشکوہ سے ان کی پہلی ملاقات کشمیر میں ہوئی۔ وہیں پر وہ ان سے بیعت ہوا۔انہوں نے بدرجہ کمال اس کی تربیت کی، ذکرالٰہی میں مشغول کیا اور بقول اس کے جو کچھ وہ چاہتا تھا، وہ اسے تھوڑے ہی عرصے میں ان کی صحبت، خدمت اور ارشاد کی برکت سے میسر آ گیا۔ ملا شاہ نے داراشکوہ کو اس بات کی بھی تلقین کی کہ وہ ارشاد و ہدایت بھی کرے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دارا کو اس کی ہمت نہ ہوئی اور کچھ دیر کے لئے اس نے حوصلہ کیا بھی تو بات آگے نہ چلی۔

ملا شاہ داراشکوہ پر بہت شفقت فرماتے تھے کہ جس وقت بھی وہ ان کے پاس جاتا یا پھر وہاں سے رخصت ہوتا تو ملا شاہ کھڑے ہو کر تواضع کرتے۔

ملا شاہ نے داراشکوہ کے لئے ایک غزل بھی لکھی ہے اس کے دو اشعار ملاحظہ رہوں:

اے بے خبر ز عالم راز نہان دل

روزے شود ترا کہ شوی ہم زبان دل

صاحبقران اول و ثانی قرین چیست

داراشکوہ ما شدہ صاحبقران دل

(اے دل کے مخفی رازوں کی دنیا سے بے خبر، تجھے کوئی ایسا دن بھی نصیب ہو کہ تو دل کا ہم زباں ہو جائے۔ صاحبقران اول اور صاحبقران ثانی کس کے قریب ہیں۔ ہمارا داراشکوہ تو صاحبقران دل ہے۔)

نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر کیا۔

وما رمیت از رمیت ولکن اللہ رمی o (17:8)

(اور (اے پیغمبر) جب تم نے (میدان جنگ میں مٹھی بھر خاک) پھینکی تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی، خدا نے پھینکی تھی)۔

داراشکوہ لکھتا ہے کہ اسی مہینے لوگوں نے زہر دے کر والئی ایران کو مار دیا۔ یاد رہے کہ آخر داراشکوہ کی قندھار کی مہم ناکام ہوگئی تھی!

داراشکوہ لکھتا ہے کہ اس کے مرشد ملا شاہ تیں سال سے دن رات میں ایک لمحہ اور ایک لحظہ بھی نہیں سوئے۔ ہمیشہ بیدار رہتے ہیں لیکن اس نے ان کی آنکھوں میں کبھی تھکاوٹ یا خواب کے آثار نہیں دیکھے بلکہ کمال تروتازگی اور شگفتگی ان کے چہرے سے ظاہر ہوتی ہے۔ لاتـــاخـــذہ ســنة" ولا نـوم o (سورة بقر 255:2) (اس کی آنکھ کے لئے نو تو اونگھ ہے نہ دماغ کے لئے نیند) کی صفت میں ان میں مشاہدہ کی۔ قرآن مجید میں یہ اللہ تعالی کی صفت بیان کی گئی ہے۔ لیکن داراشکوہ یہ کہہ کر کہ ''جب صوفی حق تعالی مین گم اور پنہاں ہو جاتا ہے تو یقیناً حق تعالی کی صفت اس میں ظاہر ہوتی ہے'' اسے اپنے پیر کی صفت ٹھہراتا ہے۔ یاد رہے کہ اسی کتاب میں ملاشاہ کی زبانی یہ بات کہی گئی: ''تیں سال سے زیادہ مدت گزری ہے کہ میں گھڑی بھر کو نہیں سویا۔ ایک دو سال ہوئے ہیں کہ میں ٹانگیں دراز کرتا ہوں اور زمین پر لیٹ جاتا ہوں لیکن نیند قطعاً نہیں آتی۔ تمنا ہی رہتی ہے کہ گھڑی بھر کو نیند آجائے مگر یہ میسر نہیں۔'' یعنی ملاشاہ تو سالہا سال سے تڑپ رہے ہیں کہ گھڑی بھر کے لئے ہی نیند آجائے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے لیکن نیند ان کی آنکھوں

صفت سے جاملاتا ہے۔

ملا شاہ کے بارے میں داراشکوہ یہ بھی لکھتا ہے کہ شروع میں وہ سات سال تک عشاء کی نماز ادا کرنے کے بد صبح تک حبس دم کرتے اوذ کر خفی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک دن انہوں نے بتایا کہ قادری مسلک میں حبس دم کا طریقہ ایسا ہے جو اور کسی مسلک میں نہیں۔ مجھے میاں میرؒ نے یہ طریقہ سکھایا۔ عشاء کی نماز کے بعد میں صبح تک دو سانسوں میں رات گزارتا تھا۔ کبھی یہ حالت ہو جاتی کہ نفس منقطع ہونے لگتا، لیکن حق تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔ یاد رہے کہ حبس دم میں ہندو یوگیوں کو بھی مہارت ہے۔ انہوں نے اپنی مشق یہاں تک بڑھائی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک سانس لئے بغیر زندہ رہ لیتے ہیں۔

''سکینۃ الاولیاء'' کے مطالعے سے چند اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں:

قرآن یہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ جب طور پر گئے تو انہیں حکم ہوا کہ

فاخلع نعلیک ج (سورہ طہٰ، 12:20)

(پس اپنی جوتی اتار دے)

داراشکوہ یہ کہتا ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب معراج ہوا تو ارشاد ہوا:

''لا تخلع نعلیک''

(اپنا جوتا نہ اتارو)

یہ آخری عربی عبارت نہ قرآن میں ہے اور نہ کسی حدیث میں۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(میرے اولیاء میری قبا میں پوشیدہ ہیں کوئی انہیں میرے سوائے نہیں پہچانتا، ہاں مگر میری توفیق سے)

یہ عبارت قرآن میں تو نہیں ہے اور اس کا کوئی دوسرا حوالہ بھی نہیں۔

داراشکوہ ایک جگہ لکھتا ہے: اولیاء کو موت کے بعد ترقی ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو کہ حق تعالی نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیآء'' ولکن لّا تشعرونہ o (سورہ بقرہ، 154:2)

(اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں تو یہ مت کہو کہ مردے ہیں۔ نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔)

حالانکہ یہ آیت کریمہ تو صرف ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالی کی راہ میں قتل کئے گئے۔

داراشکوہ لکھتا ہے کہ میاں میرؒ نے اسے بتایا کہ ایک دفعہ ایک شخص ان کے لئے کھانا لایا۔ جب وہ اور ان کا بھائی کھانا شروع کرنے لگے تو اس شخص کو بھی کھانے کو کہا۔ لیکن اس نے معذرت کی اور کہا کہ وہ روزے سے ہے۔ وہ کھانا کھا چکے تو اس نے خالی برتن اٹھائے اور سلام کر کے رخصت ہوا۔ اس کے چلے جانے کے بعد میاں میرؒ سوچتے رہے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ تھا۔ لیجئے پہلی دفعہ پتہ چلا کہ کہ فرشتے بھی روزے رکھتے ہیں۔ یعنی کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کیونکہ اگر کھاتے پیتے نہیں تو روزہ رکھنا چہ معنی دارد؟

مسئلہ رویت حق ایک مشہور مسئلہ ہے۔ معتزلہ کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالی کا دیدار نہ اس دنیا میں ممکن ہے اور آخرت میں۔ دارا شکوہ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالی کا دیدار اس دنیا میں اور آخرت میں بھی ممکن ہے۔ لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اللہ تعالی کا دیدار صرف آخرت میں ممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے کوہ طور پر اللہ تعالی سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

ربّ ارنی انظر الیکo (سورۂ اعراف، 143:7)

(پروردگار! مجھے اپنا جمال دکھا کہ تیری طرف نگاہ کر سکوں)

تو جواب ملا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

لن ترانی (سورہ اعراف، 143:7)

(تو مجھ کبھی نہ دیکھ سکے گا)

ابو الکلام آزاد ''ترجمان القرآن'' میں لکھتے ہیں (4) کہ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ انسان اپنے حواس کو ذریعے ذات باری کا مشاہدہ وادراک نہیں کر سکتا اور اس راہ میں معرفت کی انتہا یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔ یہودیوں نے تورات کی متشابہات کو حقیقت پر معمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ نے خدا کی تشبیہ دیکھی (خروج، 9:24)۔ قرآن نے اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ فرمایا جب خدا نے موسیٰؑ سے کلام کیا تو اس نے کہا کہ میرے سامنے آجا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں۔ یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی تو جوش طلب میں بے خود ہو گئے اور لذت مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ۔ اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا۔ یعنی جو بات نظارے سے مانع ہے وہ خود تیری ہی ہستی کا عجز ہے۔ یہ بات نہیں کہ نمود حق میں کمی ہو۔

کیا حیثیت ہے، سورۂ شوریٰ میں تو یہ بات پوری نوع انسانی کے لئے کہہ دی:

وما کان لبشر ان یُکلّمه اللہ الّا وحیا او من ورآئی حجابٍ اویرسل رسولًا فیوح باذنه ما یشآءُo (سورہ شوریٰ:51:42)

(اور کسی بشر کو (مجال) نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے، مگر وحی (اشارے) سے یا پردہ کے پیچھے سے، یا وہ کوئی فرشتہ بھیجے، پس وہ اس کے حکم سے جو (اللہ) چاہے وہ وحی کرے (پیغام پہنچادے))

قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں بھی یہ آیا ہے کہ انسان خدا کو نہیں دیکھ سکتا:

لا تُدرکه الابصار وهو یُدرک الابصارج وهو اللّطیف الخبیرo (سورہ انعام،103:6)

(اسے نگاہیں نہیں پاسکتیں لیکن وہ تمام نگاہوں کو پارہا ہے، وہ بڑا ہی باریک بین اور آگاہ ہے)

داراشکوہ اس بات کا قائل ہے کہ اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوسکتا ہے اور نہ صرف پیغمبر بلکہ اولیاءِ کرام بھی اسے دیکھ سکتے ہیں۔ دراصل وہ صفات حق کو حق سے جدا مانتا ہے۔ اس لئے خود ہی سوچ کر کہ جب حضرت موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب ملا کہ تو مجھ نہیں دیکھ سکتا، تو اولیائے کرام کے لئے رویت حق کس طرح ممکن ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ تو اس ذات پاک کو بغیر صفات دیکھنا چاہتے تھے،

کیونکہ ذات محض غیر متعین ہے، اس لئے اسے دیکھنا ممکن نہیں، البتہ مع صفات کے اسے انسانی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے اگر یہ بات صحیح بھی ہوتی تو کیا اللہ تعالیٰ خود ہی حضرت موسیٰؑ کو یہ نہ کہہ دیتے کہ تم مجھے صفات کے ساتھ دیکھ سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضرت موسیٰؑ ہی نہیں تمام بنی نوع انسان کو بتادیا کہ تم

مندرجہ بالا تجزیہ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ داراشکوہ کی اکثر باتیں اسلام کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

رسالہ حق نما

دارا شکوہ کی تیسری تصنیف ''رسالہ حق نما'' تقریباً 30 صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ (۵) جو 1056ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا:

این رسالہ حق نما باشد تمام
در هزار و پنجه و شش شد تمام
هست از قادر، مدان از قادری
آنچه ما گفتیم فافهم و السلام

(یہ رسالہ حق نما 1056ھ میں مکمل ہوا۔ یہ قادر (مطلق) کی طرف سے ہے، اسے قادری (دارا شکوہ کا تخلص) کی طرف سے نہ جان۔ جو کچھ ہم نے کہا پس اسے سمجھ لو، والسلام)

غالباً اس رسالے کا نام ''نادر النکات'' بھی ہے کیونکہ مولوی محفوظ الحق کے مطابق ASB Curzon Collection میں اس کے مسودے کی ایک نقل پر ٹائٹل کے طور پر نادر النکات تحریر ہے(۶)۔ یہ رسالہ دارا شکوہ کے قادری سلسلہ میں شامل ہونے کے بعد لکھا گیا۔ صوفیوں سے دارا شکوہ کے بہت قریبی تعلقات تھے۔ تجرید، تفرید، عرفان اور توحید کے مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد، 8 رجب 1055ء بروز جمعہ اسے کشف ہوا کہ تصوف کے تمام سلسلوں میں قادری سلسلہ بہترین ہے۔

ہوتا ہوا، اس تک جا پہنچا ہے۔

داراشکوہ نے یہ رسالہ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں اشخاص کے لئے لکھا ہے۔ اس رسالے کے تعارف میں وہ کہتا ہے کہ بزرگ کامل کی صحبت کے بغیر یہ رسالہ پڑھنا نہیں چاہئے۔ اس میں روحانی ارتقاء کے مختلف مراحل کا خلاصہ دیا ہوا ہے اور روحانی تکمیل کے سب سے بلند درجوں پر پہنچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ اس کے لئے ایک روحانی رہنما کی ضرورت ہے، جو متلاشی حق کو دنیاداری اور بے پرواہی کے دام سے آزاد کر کے محبوب حقیقی سے آشنا کرے۔ عمل کے لیے محنت و مشقت اور زہد و ورع لازمی ہیں اور اسی سے متلاشی حق آخر کار محبوب حقیقی کے جلوے سے سرفراز ہوتا ہے۔ اس تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک توفضل کا اور دوسرا مجاہدہ و ریاضت کا۔ اگر کوئی خدا رسیدہ شخص یہ رسالہ دیکھے گا تو وہ بجا طور پر محسوس کرے گا کہ شہزادہ ہونے کے باوجود مجھ پر فیض الٰہی اور علم و عرفان کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تاکہ انسانوں کو علم ہو کہ خدا کا فضل کسی سبب کا محتاج نہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس سے فیض یاب کرتا ہے۔ علم الٰہی کی یہ دولت ہر ایک کے مقدر میں نہیں۔ داراشکوہ کے لئے یہ اس کا عطیہ خاص ہے۔

داراشکوہ کہتا ہے کہ اس کی پہلی تصنیف ''سفینۃ الاولیاء'' ان دنوں کی یادگار ہے جب وہ مرشد کامل کی تلاش میں تھا اس نے اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء اس وقت لکھی جب اسے مرشد کامل کی صحبت نصیب ہوگئی تھی اور سلوک و مقامات کی راہوں کا علم حاصل ہو گیا تھا، اور اب جب کہ خدا نے اس پر توحید و عرفان کے دروازے کھول دیئے ہیں، وہ ان کا اظہار اسی رسالے میں کر رہا ہے جو ''فتوحات''، ''فصوص الحکم'' اور تصوف پر دوسری کتابوں کا خلاصہ ہے۔

دنیا)، ''جبروت'' (فردوس اعلیٰ) اور ''لاہوت'' (عالم الٰہی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ پانچواں اور چھٹا حصہ ''ھویات'' (الٰہی جوہر) سے متعلق ہے۔

اس رسالے میں داراشکوہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں ارضاع واطوار، نشست و برخواست اور اعمال و اشغال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا رسول اکرم ﷺ کے طریق سے سرموفرق وتجاوز نہیں ہے۔ لیکن رسالے کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ طریقہ دراصل یوگا نظام کی ایک نقل ہے۔ رسالہ میں صوفیانہ زبان استعمال کی گئی ہے اور عبارت کو شعروں اور رباعیات سے مزین کیا گیا ہے۔ نوآموز کو دوست یا یار کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ داراشکوہ کے مطابق الہامی تعلق حاصل کرنے کے لئے یہ مشقیں رسول خدا سے سیکھی گئی ہیں اور چونکہ یہ ہرکس وناکس کے بجائے صرف چیدہ اشخاص کو بتلائی گئی تھیں، ظاہری اسلام کے ماننے والوں پر ان کا انکشاف نہیں ہوا۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:

یـآ ایُّھـا الـرسولُ بلّغ ما اُنزل الیک من ربک ط وان لـم تـفـعل فما بلّغت رسالته ط

(سورۃ مائدہ، 67:5)

(اے پیغمبر، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر جو کچھ نازل ہوا ہے، اسے خدا کے بندوں تک پہنچا دو (اور دشمنوں کی مخالفت کی کچھ پروانہ کرو) اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (پھر) خدا کا پیغام نہیں پہنچایا (یعنی فرض رسالت ادا کرنے میں کوتاہی کی))۔

اس حکم خداوندی کے بعد اس کے کسی پیغام کی چیدہ چیدہ اشخاص تک محدود رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس رسالے میں بھی داراشکوہ حبس دم کی بات کرتا ہے کہ اس کے مرشد ملا شاہ پندرہ سال سے نماز

اس نکتہ پر ہم دوسرے باب میں روشنی ڈال چکے ہیں۔

وحدت الوجود کے بارے میں داراشکوہ کا نقطہ وہی ہے جو ابن عربی، عبدالکریم جیلی اور ان کے ہم خیال صوفیاء کا۔ یہاں ہم ایک معروف بزرگ کے دو شعر نقل کر رہے ہیں:

صفات و ذات چو از ھم جدا نمی بینم

بھر چہ می نگرم، جز خدا نمی بینم

(میں صفات (خداوندی) اور ذات (خداوندی) کو ایک دوسرے سے جدا نہیں دیکھتا ہوں، (اس لئے) میں خدا کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا ہوں)

گر نبودی ذات حق اندر وجود

آب و گل را کے ملک کردی سجود؟

(اگر ذات الٰہی وجود (آدم) میں نہ ہوتی، تو فرشتے آب وگل کو سجدہ کیوں کرتے؟)

یہ رسالہ 1874ء اور 1910ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ 1941ء میں اس کا متن مع انگریزی ترجمے کے الہ آباد سے طبع ہوا۔ ایران میں یہ رسالہ مع مجمع البحرین اور اپنشہ مندک "منتخبات آثار" کے نام سے آقای محمد رضا جلالی نائینی نے تہران سے شائع کیا۔

حسنات العارفین

حسنات العارفین یا شطحیات داراشکوہ کی چوتھی کتاب ہے(۷)۔ یہ صوفیوں کے ان مجذوبانہ خیالات کا مجموعہ ہے، جو اسلام کے مروجہ عقائد کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مصنف اس کتاب کے تعارف میں رقم طراز ہے کہ بے خودی کے لمحوں میں اعلیٰ حقائق کا انکشاف غرض مند حلقوں کی طرف سے سنجیدہ اعتراضات کا باعث ہوا ہے۔ کیونکہ میں سالکوں کی موجودہ کتابوں سے غیر مطمئن رہا ہوں اور کبھی کبھار اپنی بے خودی کی حالت میں ایسے الفاظ کہہ جاتا ہوں جن میں ارفع سچائیاں ہیں، تو بعض بدفطرت اور غیر مخلص لوگ اپنے کھوکھلے علم کی وجہ سے مجھ پر طنز کرتے، بدعات کا حامل ہونے کا الزام لگاتے اور مرتد کہتے ہیں، اس پر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں ممتاز اور مقدس ہستیوں کے ان اقوال کو جنہیں شطحیات کہا جاتا ہے، تحریر میں لاؤں تاکہ وہ لوگ بھی قائل ہوسکیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے دجال، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے فرعون اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے ابوجہل کا مشرب اختیار کیے ہوئے ہیں۔

ان میں سے بعض اقوال اکھٹے کر چکا تھا جو استعاروں میں تھے، میں نے نہ صرف ان کو سادہ زبان اور غیر مبہم انداز میں لکھا ہے بلکہ ان میں اضافہ بھی کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب لکھ کر میں نے اپنے اوپر الزام لگانے والوں کو دریدہ دہنی سے روکا ہے۔

داراشکوہ کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی معاملات پر اس کے لبرل اور بے باک خیالات کی وجہ سے راسخ العقیدہ مسلمان کس حد تک اس کے خلاف ہو چکے تھے۔ شہزادے کی اپنی تحریر اس کے

شہزادہ داراشکوہ اپنے اختیار کے عروج پر تھا اور اس کے بھائی اس سے دور اپنے اپنے صوبوں میں بیٹھے تھے۔ داراشکوہ نے اپنے دفاع کے لئے ان صوفیوں کے ملفوظات جمع کئے جو ایسے معاملات میں اس جیسے یا اس سے زیادہ آزاد خیال تھے۔

اس کتاب میں داراشکوہ نے نہ صرف مختلف بزرگوں اور صوفیوں کے مجذوبانہ اقوال کو جمع کیا ہے بلکہ اپنے خیال میں، رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدینؓ، امام زین العابدینؒ، اور امام جعفر صادقؒ، کے اقوال بھی اکھٹے کئے ہیں۔ دارا نے کتاب کے آخر میں یہ کہا ہے کہ حقیقت کی جستجو کرنے والے بعض لوگوں نے مجھے تصنیف میں اپنی شطحیات بھی شامل کرنے کے لئے کہا ہے لیکن میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ اس مجموعے کی تمام شطحیات میری ہی ہیں۔

داراشکوہ نے 1062ھ میں 38 برس کی عمر میں یہ کتاب لکھنی شروع کی اور 1064ھ میں ربیع الاول کے آخری دن، بروز پیر اسے مکمل کرلیا۔ اپنی اس کتاب کے نفس مضمون کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ ان معاملات کا ذوق رکھنے والا اور ان باتوں سے مستفید ہونے والا شخص ایک خوش قسمت ہستی ہے۔ رب کریم نے جن وانسان کو عبادت کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے نزدیک عبادت کا مفہوم عرفان ہے۔ پس توحید اور معرفت سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں۔

صوفیائے کرام کی شطحیات کی شرح کرتے ہوئے، داراشکوہ بہت سے جگہوں پر اپنے ذاتی حوالے بھی دیتا ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

شیخ عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حلاج کے عقیدے سے آگے بڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ حلاج نے تو حق کو اپنی ذات تک محدود رکھا تھا جب کہ میں سب کو حق دیکھتا ہوں۔ داراشکوہ کہتا ہے

عارف بخود اطلاق خدائی مکند

از ذات لطیف خود جدائی مکند

گر بندہ کسی بود، خدا او باشد

چوں جملہ خدا است خود نمائی مکند

(عارف اپنے آپ پر خدائی کا اطلاق نہیں کرتا ہے، اپنے ذات لطیف سے جدائی (اختیار) نہیں کرتا ہے۔ اگر کوئی بندہ ہو، تو خدا ہوگا، چونکہ سب کچھ خدا ہے، (اس لئے) خودنمائی نہیں کرتا)۔

پرگنہ باڑی کے رہنے والے ایک صوفی کو داراشکوہ جان بوجھ کر ''حضرت باری'' کہتا ہے۔ وہ انہیں اپنا یک معلم کہتا ہے جو صبر و تحمل، تجرید اور توحید میں بے مثال ہیں۔ ان شطحیات تحریر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ میں نے کئی سال ان کی خدمت کی اور ان کا نام جاننے کی مسلسل کوشش کی، مگر انہوں نے کبھی اپنا نام نہ بتایا، اور یہ جواب دیا کہ تمام اسماء اسی کے ہیں اور فقیروں کے کوئی نام نہیں ہوتے۔

اس پر داراشکوہ نے یہ رباعی لکھی۔

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید جدا

ہر قطرۂ آب ہست عین دریا

حق را بچہ نام کس بتواند خواندن؟

ہر نام کہ ہست، ہست از اسمائے خدا

(ہم نے کسی ذرے کو سورج سے جدا نہیں دیکھا، پانی کا ہر قطرہ عین سمندر ہے۔ حق کو کوئی کس نام سے پکار سکتا ہے؟ ہر نام، خدا کے ناموں میں سے ہے)

ان کے بارے میں داراشکوہ لکھتا ہے کہ وہ نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ سوتے تھے، نہ ہی ان کا کوئی مرید

جواب ملا کہ میں نے ملا اور پنڈت دونوں کو ختم کر دیا تھا۔اس لئے علم کس سے حاصل کرتا۔ جب بھی میں ان سے رخصت ہوتا، میرے آنسو بہنے لگتے۔ وہ ہمیشہ کہتے کہ اگر چہ انہیں مجھ سے بے حد محبت اور پیار ہے مگر وہ اپنے آپ کو ان بندشوں میں محصور نہیں کر سکتے۔ ان کو میرے معاملات کا ہمیشہ علم ہوتا اور مجھے آنے والے واقعات سے متنبہ کرتے رہتے۔ایک دفعہ میں آدھی رات کو ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ مجھے اپنے استاد میاں میرؒ کی یاد آئی۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے، چند قدم چلے اور جب مڑے تو میرے روحانی پیشوا کی شکل میں تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بیٹھ گئے اور اپنی صورت میں آ گئے۔ میں سمجھ گیا کہ جو کچھ میرے دل پر گزر رہا تھا اس کا انہیں علم ہو گیا تھا۔ان کی ایک کرامت یہ تھی کہ کہ جنگلی درندے، پرندے، نباتات اور جمادات سب ان سے باتیں کرتے تھے۔ایک دفعہ میں نے ان سے کسی بات پر مشورہ لیا تو میرا گھوڑا جسے میں درخت سے باندھ آیا تھا، یکا یک بولنے لگا اور ان کے مشورے کی تصدیق کی۔

ایک رات ایک جگنو ہوا میں بلندی پر اڑ رہا تھا۔انہوں نے ہندی کا ایک شعر پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ تم میرے محبت کے شعلے کی ایک چنگاری ہو۔اس کے بعد انہوں نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا، اور جگنو نیچے آ کر ان کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔

اپنی وفات سے 12 دن پہلے انہوں نے مجھے بتایا کہ اب زمین ان کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہے۔وہ 15 ربیع الاول 1062ھ کو انتقال کر گئے۔ان کو پرگنہ باڑی میں دفنا دیا گیا۔

از مرگ نباشد اهل دل را آزاد
کز خواب نترسد چو بود دل بیدار
گر جان تو جسم را بینداخت چه شد؟
چون کهنه شود پوست نیندازد مار

روح نے تیرے جسم کو چھوڑ دیا تو کیا ہوا؟ جب کھال پرانی ہو جاتی ہے تو سانپ اسے اتار پھینکتا ہے۔)

قرآن کے رموز پر دارشکوہ اوران کے مرشد ملاشاہ کے غور وفکر کی دو مثالیں پیش کی ہیں۔

ملاشاہ آیہ مبارکہ:

یٰاَیُّھا الّذین اٰمنو لا تقربُو الصَّلوٰة و انتم سکاریo (سورہ نساء،43:4)

(مسلمانو! ایسا کبھی نہ کرو کہ تم نشہ میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو)

ملا آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

اے وہ لوگو کہ ایمان حقیقی لا چکے ہو، سکر و مستی کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ سکر نماز سے بلند تر کیفیت ہے۔ اگر نشہ مجازی ہے تو اس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے تا کہ نماز اس سے ملوث نہ ہو۔ اس صورت میں مقام عزت نماز کے لئے ہے، اور اگر سکر حقیقی ہے پھر بھی نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اس صورت میں مقام عزت سکر کے لئے ہے۔

اب آپ خود ہی سوچئے کہ یہ کون سا اسلام ہے؟ اور یہ کون سے تشریح ہے؟

ملاشاہ ایک اور آیۃ مبارکہ:

ختم اللہ علی قلوبھم و علیٰ سمعھم o و علی ابصارھم غشاوة ولھم عذاب عظیم o (سورہ بقر،7:2)

(ان کے دلوں اور کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردو پڑ گیا، سو ان کے لئے عذاب جانکاہ ہے)

ملاشاہ اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

یہ (آیت) خاص لوگوں کے لئے ہے۔ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے تا کہ ان کے دلوں میں کوئی غیر نہ آئے اور ان کی آنکھیں کسی غیر کو نہ دیکھیں اور ان کے کان غیر کو نہ سنیں اور خود ان کے لئے اس کفر میں

اور باتیں تو اپنی جگہ ''عذاب عظیم'' کا ترجمہ ''کفر میں بہت لذت وحلاوت ہے''۔ آنکھوں میں دھول جھونکنے والی بات ہے۔ دراصل یہ تشریح ملاشاہ کی اپنی نہیں۔ انہوں نے ابن عربی کی ''فتوحات'' سے مستعار لی ہے۔ وہاں یہ آیات درج ہیں۔

ان الـذیـن کفرو سوآء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون o ختم اللہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم ط و علیٰ ابصارھم غشاوۃ (سورہ بقر، 6,7:2)

ابن عربی ان کی تشریح کرتے ہیں (۸):

جنہوں نے اللہ کا ایمان اپنے دلوں میں چھپالیا، ان کو ڈراوٴ یا نہ ڈراوٴ۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ میرے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان بھر کر ان پر مہر لگا دی ہے۔ اب ان میں کسی اور کی سمائی باقی نہیں رہی۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ترجمہ یوں کیا ہے (۹):

(لیکن) وہ لوگ جنہوں نے (ایمان کی جگہ) انکار کی راہ اختیار کی (اور سچائی کے سننے کے اور قبول کرنے کی استعداد کھودی) تو ان کے لئے ہدایت کی تمام تر صدائیں بے کار ہیں، تم انہیں (انکار حقائق کے نتائج سے) خبردار کرو یا نہ کرو، وہ ماننے والے نہیں۔ ان کے کانوں اور دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔

جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا ان کے لئے یکساں ہے کواہ تم انہیں خبر دار کرو یا نہ کرو، بہر حال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اوان کے کانو پر مہر لگادی ہے، اوران کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔

گویا جن لوگون کو قرآن مردود قرار دیتا ہے، ابن عربی اور ملا شاہ ان کو سب سے بڑا موحد ٹھہرا رہے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ابن عربی کی ''فتوحات'' کے حوالے سے بعض لوگوں نے اس عبارت کو الحاقی قرار دیا ہے اور ادھر ملا شاہ کے حوالے سے ساری باتیں دارا شکوہ ہی کر رہا ہے!

دارا شکوہ بعض آیات مبارکہ کو شطحیات الٰہی کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔ آیئے، اس کی تشریح پر غور کریں:

1۔ هو الاوّل و الأخر و الظّاهر والباطنo (سورہ حدید، 3:57)

(وہی اول ہے اور وہی آخر ہے، اور وہی ظاہر اور باطن ہے۔)

دارا شکوہ کے بقول اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وجود مجھ میں ہے اور سب کچھ میں ہوں۔ یعنی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں، سب کچھ وہ خود ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ''تفہیم القرآن'' میں لکھتے ہیں (۱۱):

جب کچھ نہ تھا تو وہ (یعنی خدا) تھا اور جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا۔ وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر

مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے۔ کیونکہ حواس سے اس کی ذات تو محسوس کرنا تو درکنار، عقل وفکر وخیال تک اس کے کنہ اور حقیقت کو نہیں پا سکتے۔

2۔ فاینما تولو فثم وجه اللهo (سورہ بقر، 115:2)

(سو جس طرف تم منہ کرو اسی طرف اللہ کا سامنا ہے)

داراشکوہ اس آیت کا یہ مفہوم لیتا ہے کہ تم کسی طرف بھی اپنا چہرہ کرلو، میرا ہی چہرہ ہوگا یعنی تمہارا چہرہ میرا چہرہ ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن'' میں لکھتے ہیں (۱۲): اللہ نہ شرقی ہے نہ غربی۔ وہ تمام سمتوں اور مقاموں کا مالک ہے، مگر خود کسی سمت یا کسی مقام میں مقید نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت کے لئے کسی سمت یا کسی مقام کو مقرر کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ وہاں یا اس طرف رہتا ہے، اور نہ یہ جھگڑے اور بحث کرنے کے قابل بات ہے کہ پہلے تم وہاں یا اس طرف عبادت کرتے تھے، اب تم نے اسی جگہ یا سمت کو کیوں بدل دیا۔

3۔ انّ الّذین یبایعونک انّما یبایعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھمo (سورۃ فتح، 10:48)

(بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں اور اس کے سوا نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔)

داراشکوہ لکھتا ہے کہ جس ہاتھ نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس نے اللہ کے ہاتھ پر بیعت

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں (۱۳) جس ہاتھ پر لوگ بیعت کر رہے تھے وہ شخص رسول کا ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کے نمائندے کا ہاتھ تھا اور یہی بیعت رسول کے واسطہ سے درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو رہی تھی۔

اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف داراشکوہ کی سوچ بلکہ اس کا مزاج کا بھی پتہ چلتا ہے۔

دیوان داراشکوہ

منظورالحق 1929ء میں ''مجمع البحرین'' کے انگریزی ترجمے کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ چند سال پہلے بھوپال کے ایک اردو ماہنامہ نگار میں یہ اعلان ہوا کہ داراشکوہ کا دیوان مل گیا ہے اور رسالے کے آئندہ ایشوع میں اس گراں قدر مسودے کے بارے میں تفصیلات شائع کی جائیں گی۔لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ لاہور کے ایک پبلشر نے 1927ء میں اعلان کیا تھا کہ رباعیات داراشکوہ چھپ رہی ہیں لیکن وہ نہ چھپیں۔مختلف کتابوں میں داراشکوہ کے دیوان کا تذکرہ تو تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔آخرکار 1939ء میں خاں بہادر ظفر حسین کے پاس سے اس کا مسودہ مل گیا (۱۴)۔اس کی دریافت سے پہلے، دارا کی شاعری اس کلام پر مشتمل تھی جو اس کی اپنی کتابوں (مثلاً سکینۃ الاولیاء، حسنات العارفین، رسالہ حق نما) یا مختلف تذکروں میں مل جاتا ہے۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ دارا کے نثری افکار تو مکمل صورت میں دستیاب تھے، مگر اس کا شاعرانہ کلام غائب ہو چکا تھا۔ ذہن یہ بات قبول نہیں کرتا تھا کہ علماء کے نقطہ نظر سے اس کی انتہائی قابل اعتراض نثری تصانیف ''مجمع البحرین'' اور ''سر اکبر'' تو کھلے عام دستیاب ہوں لیکن اس کے شاعرانہ کلام کو بدعت اور ارتداد کا مجموعہ سمجھ کر ضبط کرلیا جائے۔اب جب کہ یہ دیوان یا کم از کم اس کا ایک بڑا حصہ مل چکا ہے، ہم اس کی شاعری پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ''خزینۃ الاصفیاء'' کے علاوہ (جو داراشکوہ کے دوسو سال بعد لکھی گئی) کہیں بھی اس کے دیوان کا نام ''اکسیر اعظم'' نہیں لکھا ہے۔ظفر حسن والے مخطوطے میں بھی اسے صرف ''دیوان داراشکوہ'' لکھا ہے۔

داراشکوہ کی سوچ اور فکر سے اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس کے علم وفضل سے کسی کو انکار نہیں۔ فارسی

ہی گہرائی کیوں نہ ہو، اگر غزلوں میں جذبات کی حرارت اور انداز نگارش میں ندرت نہیں تو شاعری کی حیثیت سے اس کا کوئی مقام نہیں۔ داراشکوہ کی تمام شاعری مسئلہ وحدت الوجود کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے مرشد ملا شاہ اس کی شاعری کے بے مثال اور دل خوش کن بتاتے ہیں۔لیکن یہ نقطہ نظر غالباً اس کی شاعری کے تصوفانہ رموز کی وجہ سے ہے۔ ''خزینۃ الاصفیاء'' کے مصنف رقم طراز ہیں (15) کہ اس کے دیوان میں شاندار غزلیں ہیں۔ اس کی شاعری توحید کا سمندر ہے جو اس کی زبان گوہر فشاں سے جاری ہے یا وحدانیت کا سورج ہے کہ اس کی شاعری کے افق سے طلوع ہوتا ہے۔لیکن اس کے غزلیں یا رباعیات پڑھ کر اس کی شاعرانہ عظمت کا کوئی احساس پیدا ہنیں ہوتا۔کلمات الشعراء میں محمد افضل الدین سرخوش لکھتا ہے (16) کہ داراشکوہ اچھے مزاج، ارفع تصور اور خوب صورت شخصیت کا حامل تھا۔ایک صوفی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔صوفیاء کا دوست اور ایک فلسفی تھا۔ قادری سلسلہ سے اپنے تعلق کی وجہ سے اس نے اپنا تخلص بھی ''قادری'' رکھا تھا۔ داراشکوہ اپنے دیوان میں اپنی آزادخیالی کا بار بار کھل کر اظہار کرتا ہے۔اس کا شاعرانہ تصور مذہبی روایات کی حدود کو پار کر جاتا ہے، چنانچہ قادر رقادری کی تجنیس لفظی کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ وہ کہتا ہے:

قادری گشت قادر مطلق

از پئے ہر فنا کمال بقاست

(قادری، قادر مطلق ہوگیا، ہر فنا کے بعد بقا کا کمال ہے)

قادری رود عین قادر شد

چوں مدد کرد قادر بغداد

(جب قادر بغداد (شیخ عبدالقادر جیلانی) نے مدد کی تو قادری (داراشکوہ) جاتا رہا، عین قادر (خدا) ہوگیا)

وحدہ لا الہ الا ھو

(قادر کے سوا کوئی قادری نہیں، وہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

اسی طرح لفظ ''دارا'' پر تحسین ہے:

چوں بدارائے خویش دل بہ سپرد

قادری نیز عین دارا شد

(جب اس نے اپنا دل بادشاہ کے سپرد کیا تو قادری (داراشکوہ) بھی مکمل طور پر بادشاہ ہو گیا)

یہاں داراشکوہ کی ایک رباعی تحریر کرنا نامناسب نہ ہوگا:

خوشتن را جدا نمی دانم

لیک خود را خدا نمی دانم

قطرہ را نسبتی کہ با بحر است

بیشتر زین روا نمی دانم

(اگرچہ میں خود کو (خدا سے) جدا نہیں جانتا ہوں، لیکن میں خود کو خدا (بھی) نہیں سمجھتا ہوں۔ قطرے کو سمندر سے جو نسبت ہے، میں اس سے زیادہ مناسب نہیں جانتا)

نیم صوفی اور جاہل ملا کا عجب دریا، شاعر کے طنز کیلئے ایک دل پسند موضوع ہے۔ ہم اس سلسلے میں داراشکوہ کے چند اشعار کے درج کرتے ہیں:

بہشت آں جا کہ ملائی نباشد

زملا شور و غوغائی نباشد

(بہشت وہ جگہ ہے جہاں کوئی ملا نہ ہو، جہاں ملا کا شور و غوغا نہ ہو)

ز فتویٰ ھاش پروائی نباشد

(دنیا ملا کے شور سے خالی ہو جائے اس کے فتووں کی کوئی پروا نہ کرے)

در آں شہرے کہ ملا خانہ دارد

درآں جا ہیچ دانائی نباشد

(جس شہر میں ملا کا گھر ہوگا، اس میں عقل کی کوئی بات نہیں ہوتی)

ز ابلیس بہ بوالبشر چہ انکار رسید

حق گفت حسین، بر سر دار رسید

از شومئی ثر نفس ملایان است

با ھر نبی و ولی کہ آزار رسید

(ابلیس کے انکار سے آدم کا کیا نقصان ہوا؟ حسین (ابن منصور حلاج) نے حق (انا الحق) کہا اور تختہ دار پر پہنچ گیا۔ ہر نبی اور ولی کو جو تکلیف پہنچی، وہ ملاؤں کے شر کی نحوست کی وجہ سے ہے)

ھر کہ مے درجام وحدت در گرفت

زاھدان شہر را چوں خر گرفت

(ہر وہ شخص جس نے وحدت کا جام پیا، اس نے شہر کے زاہدوں کو گدھے جیسا جانا)

جملہ عجب و ریاست ایں تقویٰ

کے بود لائق نگار ما؟

(یہ سارا تقویٰ غرور وریا ہے، یہ ہمارے محبوب کے لائق کیسے ہو سکتا ہے؟)

احمد مرسل از خدا ست سوا؟

(تو اپنی ہی شریعت (کے زور) پر کب تک کھیلے گا، کیا احمد مرسل، خدا سے مختلف ہیں؟)

پنجاب کا شہر دارا پورا سے عزیز ہے کیونکہ میاں میرؒ وہیں رہے اور دفن ہوئے:

عشق پنجاب نمودہ بے قرار

زانکہ نقش دوست در پنجاب ہست

(مجھے پنجاب کی محبت نے بے قرار کر دیا کیونکہ میرے دوست کا نقش پنجاب میں ہے)

کعبہ من حضرت لاہور دان

سجدہ من سوئی آں محراب ہست

(شہر لاہور کو میرا کعبہ سمجھ، میرا سجدہ اسی محراب کی جانب ہے)

قادری را کعبہ دارا پور شد

کاندراں بسیار فتح الباب ہست

(قادری کے لئے دارا پور ہی کعبہ ہو گیا کہ یہاں بہت سی مرادیں پوری ہوتی ہیں)

اس کے بہت سے اشعار، فقر کی مدح اور مال و دولت کی قدح میں ہیں۔

سلطنت سہل است خود را اشنائی فقر کن

قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود؟

سلطنت (حاصل کرنا) آسان ہے، اپنے آپ کو فقر سے آشنا کر۔ قطرہ جب سمندر بن سکتا ہے تو وہ موتی کیوں بنے؟)

جان زرآلود را احوال چیست

(زرآلود ہاتھوں سے بدبو آنے لگتی ہے، زردآلود روح کا کیا حال ہے)

روز و شب گوشت بہ مرگ مردم است

مر ترا مردن بود ایں حال چیست

(رات دن تیرا کام لوگوں کی موت کی خبر پر ہے۔ تجھے (بھی) مرنا ہے، (پھر) یہ حال کیوں؟)

مسافر ہر قدر باشد سبکسار

نیابد در سفر تصدیع و آزار

(مسافر جتنا ہلکا پھلکا ہوگا سفر میں وہ اتنی ہی پریشانی نہیں پائے گا)

تو ہم اندر جہاں ہستی مسافر

یقیں می داں اگر ہستی تو ہشیار

(تو بھی دنیا میں مسافر ہے، اگر عقل مند ہے تو اس بات پر یقین کر)

بقدر مال باشد سرگرانی

بقدر پیچ باشد بار دستار

(سرگرانی مال کے مطابق ہوا کرتی ہے۔ (جس طرح) پگڑی کا بوجھ پیچوں کے مطابق ہوتا ہے)

ترا چوں قادری کردہ خبردار

(تو جب تک دنیا میں ہے، آزادرہ۔ چونکہ قادری نے تجھے خبردار کردیا ہے)

ایک غزل کے چنداشعار:

ھر کہ ایں را شناخت گو را برد

ھر کہ خود را بباخت او را برد

(جس نے اسے پہچان لیا وہ گوئے سبقت لے گیا۔ جس نے اپنے آپ کو کھودیا، اسے پالیا)

ھر کہ پائے خمے گرفت و نشست

ساقی و بادہ و سبو را برد

(جس کسی خم کے پاؤں پکڑ لئے اور بیٹھ گیا، وہ ساقی، شراب اور پیالے کو لے گیا)

واں کہ زیں سر نیافت آگاھی

رفت و در خاک آرزو را برد

(اور جو اس راز سے آگاہ نہ ہوا، وہ گزر گیا اور آرزو کو مٹی میں لے گیا)

خود نکو بود، کان نکو را برد

(قادری نے اپنے دوست کو اپنے اندر پایا، وہ خود نیک تھا (اس لئے) نیک کو لے گیا)

اب ہم اردو ترجمے کے ساتھ داراشکوہ کی چند رباعیات پیش کرتے ہیں جو اس کے دیوان سے منتخب کی گئی ہیں۔

تسبیح من عجب در آمد بزبان!

گفته که مرا چرا کنی سرگردان؟

گر دل به عوض همه بگردانی تو

دانی که برائے چیست خلق انسان

(تسبیح نے مجھ سے عجیب سی بات کہ، کہنے لگی کہ تم مجھے کیوں گھماتے رہتے ہو؟ اگر تم اس سب کے بدلے اپنے دل کی طرف توجہ دو، تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ انسان کو کس لئے پیدا کیا گیا)

کافر گفتی تو از پے آزارم

ایں حدف ترا راست همی پندارم

پستی و بلندی همه شد هموارم

من مذهب هفتاد و دو ملت دارم

(مجھے تکلیف دینے کے لئے تو نے کافر کہا، میں (بھی) تیری اس بات کو درست سمجھتا ہوں۔ میرے لئے پستی وبلندی سب ہموار ہوگئیں، میرا مذہب بہتر فرقوں والا ہے)

موجود نبود هیچ گاه غیر خدا
آنها که تو می بینی و می دانی غیر
در ذات یکیست و در نام جدا

(میں تجھے توحید (کے بارے) میں بتاتا ہوں، اگر تو اسے اشارے سے سمجھ جائے، خدا کے سوا کبھی کوئی موجود نہیں رہا ہے۔ جن کو تو دیکھتا اور غیر جانتا ہے، اپنی ذات میں وہ ایک ہیں اور نام سے جدا جدا ہیں)

دریاست وجود صرف ذات وهاب
ارواح و نقوش هم چو نقش اندر آب
بحریست که موج می زند اندر خود
که قطره، گه است موج، گاهیست حباب

(ذات حق کا وجود سمندر ہے، ارواح اور اجسام نقش بر آب ہیں، سمندر اپنے اندر خود موجیں مارتا ہے، کبھی قطرہ، کبھی موج اور کبھی بلبلہ ہے)

هر دم برسد بعارفان ذوق جدید
خود مجتهد اندنی ز اهل تقلید
شیران نخورند جز شکار خود را
روباه خورد فتاده لحم قدید

(ہر لمحے عارفوں کو نیا ذوق پہنچتا ہے، وہ خود اجتہاد کرنے والے ہیں، اہل تقلید سے نہیں، شیر اپنے شکار کے

داراشکوہ ایک صوفی شاعر تھا جس کا کلام وحدت الوجود کے اسرار ورموز سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن شاعری کے لحاظ سے اس کا درجہ بلند نہیں۔

مجمع البحرین

اب تک داراشکوہ نے جتنا کام کیا تھا وہ مسلمان صوفیوں پر تھا۔بس ''حسنات العارفین'' مین ایک نام ہندو یوگی بابالال کا آیا تھا۔لیکن اس دوران دارا نے ہندو فلسفے اور مذہب کا گہرا مطالعہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام اور ہندو دھرم میں صرف اصطلاحات کا فرق ہے۔ بنیادی عقائد وہی ہیں۔ اس نے اپنے ان خیالات کا اظہار اپنی پانچویں کتاب ''مجمع البحرین'' میں کیا ہے(17)۔اس نے یہ کتاب 42 برس کی عمر میں 1065 ھ میں مکمل کی۔اس کتاب میں عام طور پر نہ گہرائی ہے اور نہ عظیم روحانیت کیونکہ یہ زیادہ تر ہندو دھرم اور اسلام کی مترادف اصطلاحات سے بھری ہوئی ہے لیکن کہیں کہیں قرآن کے حوالے سے فلسفیانہ گفتگو بھی ہے۔ یہ تصنیف تقابل ادیان کا ذوق رکھنے والوں کے لئے نہایت اہم ہے کیونکہ یہ دو بالکل مختلف مذاہب کے درمیان ہم آہنگی کی ایک کوشش ہے۔ ہی داراشکوہ کا آخری طبع زاد کام ہے۔اس کے بعد داراشکوہ نے ''اپنشد'' کا ترجمہ کیا۔نیز ''بھگوت گیتا'' اور ''جوگ بشت'' کا ترجمہ کرایا۔جب اس کی گرفتاری کے بعد ''مجمع البحرین'' علماء کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے ان خیالات کی بنا پر جن کا اس کتاب میں اظہار کیا گیا تھا اسے ملحد قرار دے کر موت کی سزا دی۔اس کے بھائی نے بڑے صدق دل سے اس سزا پر عمل کرایا۔داراشکوہ فخریہ طور پر لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب اپنے کشف وذوق کی بنا پر اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے لکھی ہے اور اسے دونوں قوموں کے عوام سے کوئی غرض نہیں۔ اگرچہ اپنی زبان اور اسلوب کے لحاظ سے ''مجمع البحرین'' کوئی بہت دلچسپ اور مرصع کتاب نہیں، لیکن اس سے دو ادیان کو قریب لانے کے لئے داراشکوہ کی سعی کا اندازہ ہوتا ہے۔

بنام آں کہ او نامی ندارد

بہر نامی کہ خوانی سر بر آرد

(اس کے نام سے جس کا کوئی نام نہیں، تو جس نام سے بھی اسے پکارے، وہ سر نکال لیتا ہے)

پھر اللہ کی ثناء، رسول اکرم ﷺ کی توصیف اور اہل بیت ؓ وصحابہ کرام ؓ کی منقبت ہے۔ لیکن اللہ کی تعریف یوں کی ہے۔ ''تعریف اس خدائے یگانہ کی ہے جس نے اسلام اور کفر کی دو زلفیں، جو ایک دوسرے کے مقابل ہیں، اپنے چہرے پر لہرائیں، ان میں سے کوئی بھی اس کے رخ نیکو کے لئے موجب حجاب نہیں۔

کفر و اسلام در رہش پویان

وحدہ لاشریک لہ گویان

(کفر و اسلام اس کے راہ میں دوڑتے ہوئے (اور) وحدہ لاشریک لہٗ کہتے ہوئے......)

اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

درھمہ اوسوت ظاھر ھمہ از وست جلوہ گر، اول اوست و آخر او ست، و غیر او موجود نباشد۔

(سب میں وہی ظاہر ہے (اور) سب کچھ اسی کی وجہ سے جلوہ گر ہے، وہی اول ہے اور وہی آخر اور اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔)

اور اس کے بعد یہ رباعی تحریر کی ہے:

ھمسایہ و ھم نشین وھم رہ ھمہ اوست

در انجمن فرق و نہان خانہ جمع
بااللہ ہمہ اوست، ثم بااللہ ہمہ اوست

(ہمسایہ، ساتھی اور ہم سفر، سب کچھ وہی ہے۔ فقیر کی گودڑی اور بادشاہ کے کمخواب (کے خلعت) میں بھی وہی ہے۔ فرقوں کی جلوت اور گروہوں کی خلوت میں، بخدا سب وہی ہے، بخدا سب وہی ہے)

یہ جامی کی رباع ہے۔ داراشکوہ نے اس کو حسنات العارفین میں بھی لکھا ہے۔ شاعر کی شطحیات کے حوالے سے۔

اس عبارت کے پیش نظر اس مین کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب لکھتے ہوئے داراشکوہ کے پیش نظر ہندوؤں کے ویدنتی اور مسلمانوں کے صوفیانہ عقائد تھے جس میں وہ ہم آہنگی اور یگانگت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اور اس سلسلے میں وہ اتنا آگے نکل گیا کہ لکھتا ہے کہ بموجب قول اکابر:

التصوف هو الانصاف و التصوف ترک التکلیف

(تصوف انصاف ہے نیز تصوف فرائض مذہبی کو ترک کرنے کا نام ہے۔)

اپنی سوچ پر اسے اتنا یقین ہے کہ وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ ہر شخص جو انصاف پسند اور صاحب ادراک ہے وہ سمجھ جائے گا کہ ان نکات تک پہنچنے کے لئے مجھے کتنا غور کرنا پڑا۔ یقین ہے کہ ذہین اور صاحب ادراک اس رسالے سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ دونوں گروہوں کے کند ذہن اس سے مستفید نہ ہوں گے۔

اس کتاب میں داراشکوہ نے مسئلہ آفرینش، قیامت اور معرفت ربانی پر بحث کی ہے اور اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس سلسلے مین ہندوؤں اور مسلمانوں میں محض زبان و بیان کا اختلاف ہے۔ داراشکوہ نے دو مذاہب کے درمیان جس ہم آہنگی کا ذکر کیا ہے، دونوں طرف کے سکالرز کی طرف سے آسانی سے اس کی تردید ہو سکتی ہے، مثلاً اسلام میں روح کا تصور ویدوں کے فلسفہ سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام روح کو خدا تسلیم

بارے میں داراشکوہ کی تشریحات پر ہم نسبتاً تفصیل سے بات کریں گے۔ یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ دونوں مذاہب کے درمیان اختلافی نکات کے بارے میں داراشکوہ بالکل خاموش ہے جیسے کہ دونوں مذاہب میں مکمل ہم آہنگی ہو۔

صفات اللہ تعالی کے عنوان سے وہ یوں رقم طراز ہے:

صوفیاء کرام کے مطابق جمال وجلال کی دو الوہی صفت تمام مخلوق پر محیط ہے۔ جب کہ ہند وفقیروں کے مطابق (خدا کی) تین صفات ہیں: ''ست'' (ایجاد)، ''رج'' (ابقا) اور ''تم'' (افنا)۔ ان کو مجموعی طور پر ''ترگن'' کہتے ہیں۔ صوفیاء ابقا کو صفت جمال میں ہی شمار کرتے ہیں اس لئے وہ دو صفتوں کی بات کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تینوں صفات ایک دوسرے میں شامل ہیں، اس لئے ہند وفقراء ان تین صفات کو ''ترمورت'' یا ''برہما''، ''بشن''، اور ''مہیش'' کہتے ہیں۔ اور صوفیاء انہیں ''جبرئیل''، ''میکائل'' اور ''اسرافیل'' کا نام دیتے ہیں۔ ''برہما'' (جبرئیل) ایجاد کا فرشتہ ہے۔ ''بشن'' (میکائیل) ابقا کا اور ''مہیش'' (اسرافیل) افنا کا۔ پانی، آگ اور ہوا بھی انہیں (رہنما) فرشتوں سے منسوب ہیں۔ پانی، جبریل کے ساتھ، آگ میکائیل کے ساتھ اور ہوا اسرافیل کے ساتھ ان تینوں چیزوں آگ، ہوا اور پانی کا تمام جانداروں میں بھی ظہور ہے۔ چنانچہ ''برہما'' (جبریل) جو زبان کے پانی کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، کلام الٰہی کا مظہر ہے اور نطق اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ''بشن'' (میکائیل) جو آنکھوں کی آگ ہے، روشنی، نور اور بینائی کا منبع ہے۔ ''مہیش'' (اسرافیل) کہ نتھنوں کی ہوا ہے، دو نغمہ صور کہ دو نفس ہیں اس سے پیدا ہوتے ہیں اور ان کے منقطع ہونے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

اس کتاب میں داراشکوہ نے ''قیامت'' اور ''مکتی'' کے سلسلے میں دونوں مذاہب میں ہم آہنگی ظاہر کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ چنانچہ ''بیان قیامت'' اور ''بیان مکتی'' کے عنوانات کے تحت وہ لکھتا ہے کہ

ہوگی جو قرآن کی اس آیت سے بھی ثابت ہے۔

فاذا جآء ت الطّامه الکُبریٰo (سورۃ نازعات،34:79)

(پھر جب بڑا ہنگامہ آئے گا (قیامت))

داراشکوہ کی یہ تشریح صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں(۱۸) کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ طامہ ایسی بڑی آفت کو کہتے ہیں جو سب پر چھا جائے۔ اس کے بعد اس کے لئے کبریٰ کا لفظ مزید استعمال کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس (آفت) کی شدت تصور دلانے کیلئے محض طامہ بھی کافی نہیں۔

اس سے اگلی آیت:

یوم یتذکّر الانسان ما سعیٰo (سورۃ نازعات،35:79)

(جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کمایا (اپنے اعمال))

مولانا مودودیؒ نے "تفہیم القرآن" میں اس کی وضاحت یوں کی ہے(۱۹) کہ جب انسان دیکھ لے گا کہ وہی محاسبہ کا دن آ گیا ہے جس کی اسے دنیا میں خبر دی جا رہی تھی، تو قبل اس کے کہ اس کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دیا جائے، اسے ایک ایک کر کے اپنی وہ سب حرکتیں یاد آنے لگیں گی جو وہ دنیا میں کر کے آیا ہے، بعض لوگوں کو یہ تجربہ خود اس دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ اگر یکا یک کسی وقت وہ کسی ایسے خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں جس میں موت ان کو بالکل قریب کھڑی نظر آنے لگتی ہے، تو اپنی پوری زندگی کی فلم ان کے چشم تصور کے سامنے یک لخت پھر جاتی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق مرنے کے بعد ایک روز قیامت برپا ہوگی۔ روز محشر ہوگا۔ حساب کتاب ہوگا۔ جن کی نیکیاں زیادہ ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں اور جن کی برائیاں زیادہ ہیں ان کے

دیئے جائیں گے۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ احادیث کے مطابق اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر تمام مسلمان آخر کار جنت میں آجائیں گے۔ لیکن داراشکوہ کے مطابق ہندو دھرم یہ کہتا ہے کہ بہشت اور دوزخ ایک طویل مدت گزارنے کے بعد قیامت کبریٰ آئے گی۔ جنت اور دوزخ سمیت سب کچھ ذات باری میں جذب ہو جائے گا اور سوائے اس کے چہرے کے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ یہ تصور قرآن مجید سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایسی قیامت کبریٰ کا ذکر اسلام میں کہاں ہے؟

داراشکوہ کا یہ دعویٰ کہ مندرجہ ذیل آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''مہا پر لی'' برپا ہو گی، صحیح نہیں کیونکہ یہ آیت بھی قیامت کے بارے ہی میں ہے۔

ونُفخ فی الصّور فصعق من فی السمٰوٰت و من فی الّارض الا من شآء اللهo(سورۃ زمر،68:39)

(اور صور میں پھونک ماری جائے گی، تو (ہر کوئی) جو آسمانوں اور زمین میں ہے بے ہوش ہو جائے گا، سوائے اس کے جسے اللہ چاہے)

بقول داراشکوہ اس آیہ مبارکہ میں یہ استثناء عارفوں کی جماعت کے لئے ہے کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بے ہوشی اور بے خبری سے محفوظ ہیں۔ لیجئے، یہاں داراشکوہ اپنی تردید آپ ہی کر رہے ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ مہا پر لی کے بعد سوائے اللہ کے چہرے کے بہشت اور دوزخ سمیت کچھ بھی باقی نہیں بچے گا اور دوسری طرف عارفوں کی ایک جماعت کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں۔

اسی کتاب میں داراشکوہ لکھتا ہے ہے کہ مکتی کا مطلب تعینات کا تباہ ہو کر ذات حق میں غائب ہو جانا ہے۔ چنانچہ آسمانوں اور زمین کی الٹ پلٹ، بہشت اور دوزخ کی تباہی اور برہماند کی عمر تمام ہونے کے بعد، اہل بہشت اور اہل دوزخ (دونوں) کو ''مکتی'' حاصل ہو گی، یعنی دونوں ذات حق میں جذب ہو کر ختم ہو جائیں گے اور بموجب آیت ذیل صرف اس کا چہرہ باقی رہے گا:

زمین پر جو کوئی ہے فنا ہونے والا ہے اور باقی رہے گی صاحب عظمت احسان کرنے والے تیرے رب کی ذات)

دارا شکوہ کی طرف سے اس آیت کی تشریح اسلامی نظریہ سے ہم آہنگ نہیں اور نہ ہی یہ تشریح کسی طرح بھی قرآن کی عبارت کا مفہوم ادا کرتی ہے۔ یہ آیت قیامت کے بارے میں ہے نہ کہ قیامت کے بعد کے کسی واقعہ کے بارے میں۔

اس کے بعد دارا شکوہ مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ کا حوالہ سنا دیتا ہے:

و رضوانُ مّن اللہ اکبرُ ط ذلک ھُو الفُوز العظیمُo (سورہ توبہ،72:9)

(اوران سب سے بڑھ کر (نعمت یہ ہے) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا)

اور یہ کہتا ہے کہ رضوان اکبر یا فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا، نجات عظیم ہے جسے ''مکتی'' کہتے ہیں۔ یہ بات اس کی اپنی پہلی تشریح سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے تو یہ کہا تھا کہ بہشت، دوزخ وغیرہ کی تباہی کے بعد ذات حق میں جذب ہونے کا نام ''مکتی'' ہے۔ لیکن اب یہ کہہ رہا ہے کہ رضوان اکبر یا فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا، نجات عظیم ہے۔ جسے ''مکتی'' کہتے ہیں۔

اس کے بعد دارا شکوہ لکھتا ہے کہ مکتی کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ اول ''جیون مکتی'' یا ''زندگی میں نجات'': اہل ہند کے نزدیک جیون مکتی یہ ہے کہ زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شناسائی کی بدولت نجات اور آزادی حاصل ہو، اور انسان اس دنیا کی سب چیزوں کو ایک دیکھے اور ایک جانے۔ نیز تمام اعمال وافعال، حرکات وسکنات، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، اپنی یا غیر کی جانب نسبت نہ کرے، اور اپنے آپ کو اور تمام موجودات کو عین حق جانے اور ان سب میں مراتب حق کو جلوہ گر سمجھے اور تمام برہماند کو صوفیائے کرام اسے عالم کبریٰ کہتے ہیں اور خدا کی مکمل صورت ہے، خدا کا جسمانی بدن

شدید متاثر ہو۔ ہم تو اسے نقل کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔

دوم۔ ''سب مکتی'' یعنی ''سب سے آزادی'': یہ ذات حق میں مل جانے کا نام ہے۔ یہ (نجاست) سب کے لئے ہے، چنانچہ قیامت کبریٰ کے بعد یعنی آسمان و زمین، بہشت و دوزخ، لیل و نہار کی تباہی کے بعد، ذات حق میں گم ہو کر سب کو نجات حاصل ہو جائے گی۔ داراشکوہ کے مطابق قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات اسی مکتی کی طرف اشارہ کرتی ہیں:

و رضوانٌ مّن اللہ اکبرُ ط ذلک ھُو الفُوز العظیمُ o (سورہ توبہ، 72:9)

(اور ان سب سے بڑھ کر (نعمت یہ کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا)

اور

الا انّ اولیآء اللہ لا خوف'' علیھم و لا ھم یحزنون o (سورہ یونس، 62:10)

(یاد رکھو، جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی)

داراشکوہ کی تشریح پر ہم اپنے نقطہ نظر کا اظہار کر چکے ہیں۔

سوم۔ ''سربد امکتی'' یعنی ''رستگاری پس'': سربد امکتی نام ہے عارف بن جانے کا، نیز آزادی اور نجات حاصل کرنے کا، سیر کے ہر مرتبہ، خواہ دن یو ہو خواہ رات کو، خواہ عالم باطن میں ہو، خواہ عالم ظاہر میں، خواہ برہماند ظاہر ہو خواہ نہ ہو اور خواہ ماضی میں ہو، خواہ حال میں، اور خواہ مستقبل میں ہو کہ ان کو ''بہوت''، ''بہوشت'' اور ''برتمان'' کہتے ہیں۔ اور جہاں جہاں قرآنی آیات میں جنت میں ہمیشہ رہنے کے لئے خلدین فیھا ابدا آیا ہے، وہاں جنت سے مراد معرفت کی جنت ہے اور لفظ ''ابدا'' سے مراد، اس مکتی کی ابدیت ہے۔ کیونکہ انسان کسی حالت میں ہو، اسے خدا کی معرفت کی استعداد اور اس کی عنایات ازلی درکار ہیں۔ داراشکوہ کے مطابق سورہ توبہ اور سورہ کہف کی مندرجہ ذیل آیات کریمہ ایسی جماعت کے ہی بارے میں ہیں:

ابداً ط انّ اللہ عندہٓ اجر" ا عظیم"o (سورہ توبہ،21,22:9)

(ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ نیز ایسے باغوں کی جہاں ان کے لئے ہیشگی کی نعمت ہو گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لئے) بہت بڑا اجر ہے)

اور

ویُبشّر المُومنین الّذین یعملون الصّٰلحٰت انّ لھمُ اجر" ا حسناًo مّا کثین فیہ ابداo

(سورہ کہف،3,2:18)

(اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں، خوشخبری دے دے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے۔)

اس تجزیہ سے یہ ظاہر ہے کہ داراشکوہ نے اپنی طرف سے یہ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ ثابت کرے کہ ہندومت کے بنیادی تصورات قرآن سے ہم آہنگ ہیں، لیکن اس دعویٰ کو کسی نے بھی تسلیم نہیں کیا، بلکہ مسلمانوں نے اسے ایک مضحکہ خیز کوشش سمجھا جس کا مقصد اسلام کے مقابلے پر ہندومت کی خوبیوں کر بڑھا چڑھا کر بیان کرنا تھا۔ بکرماجیت حسرت لکھتا ہے (۲۰) کہ مذہبی برداشت کو بارے میں اسلام کے بے مثل صبر و تحمل کے باوجود روشن، دماغ شہزادے کی ان کوششوں کو بدعت اور کفر قرار دیا گیا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ داراشکوہ کو اپنشدوں پر عبور ہو تو ہو، اسلامی اصولوں پر اس کی نظر وقیع نہیں۔

تراجم

جوگ سشت

''جوگ سشت'' رشی سشت کی طرف سے اپنے شاگرد راجکمار رام چندر کے لئے ہندو تصوف کے دقیق فلسفہ کی تعلیم پر سنسکرت میں ایک گراں قدر تصنیف ہے۔ داراشکوہ کا تصوف کا شوق اسے کشاں کشاں اس کتاب کی طرف بھی لے گیا اور اس نے اس کے فارسی ترجمے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کا مترجم، جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اس کے تعارف میں لکھتا ہے کہ اس سے پہلے جن سکالرز نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے انہوں ے نے سنسکرت کی بعض اصطلاحات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس لئے وہ نفس مضمون کی لطافتوں کو پوری طرح بیان نہیں کر سکے۔ اس لئے 1066ھ/1656ء میں داراشکوہ بن شاہجہان نے اس کتاب کے رواں فارسی میں ترجمے کا حکم دیا کیونکہ اس کتاب کے پرانے ترجمے جو اب بھی کہیں کہیں مل جاتے ہیں حق کے متلاشیوں کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اس لئے شہزادہ داراشکوہ کی خواہش ہے کہ تمام فرقوں کے اہل علم کے مشورے سے اس کا ترجمہ کیا جائے۔ شہزادہ داراشکوہ لکھتا ہے کہ اس حکم کی فوری وجہ یہ ہوئی کہ مجھے خواب میں دو بزرگ نظر آئے۔ ان میں سے ایک لمبے قد کا تھا جس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ دوسرا چھوٹے قد کا تھا بغیر بالوں کے پہلا شخص رشی سشت تھا اور دوسرا راجکمار رام چندر۔ میرے دل کو ان دونوں حضرات کی طرف سے کشش ہوئی اور میں نے ان کی تعظیم بجالایا۔ رشی سشت مجھ پر بہت مہربان تھے۔ انہوں نے مجھے تھپکی دی اور ام چندر کو مخاطب کر کے کہا کہ میں اور داراشکوہ بھائی بھائی ہیں کیونکہ ہم دونوں حق کے متلاشی ہیں۔ ان کے کہنے پر رام چندر کمال محبت سے مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ اس کے بعد رشی سشت نے رام چندر کو مٹھائی دی جو میں نے ان سے لے کر کھائی۔ اس خواب کے بعد میرے دل میں کتاب کا ایک اچھا ترجمہ کرانے کی خواہش بہت شدت اختیار کر گئی۔ چنانچہ داراشکوہ کے حکم پر اس کے ایک درباری نے چند معروف مقامی پنڈتوں کی مدد سے یہ

سید ابوالخیر مودودی لکھتے ہیں (۲۱) کہ ہمارے خیال میں اس کتاب کا ترجمہ اس لئے کیا گیا کہ اس میں راجکمار رام چندر کو راجکمار ہونے کے باوجود اوتار کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ اس طرح شہزادہ داراشکوہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ شہزادہ ہونے کے باوجود وہ واصل الی الحق ہے۔

طریقۃ الحقیقت

طریقۃ الحقیقت داراشکوہ کا ایک غیر معروف رسالہ ہے (۲۲)۔ یہ تو معلوم نہیں کہ یہ کب لکھا گیا، لیکن برج لال پریس نے اسے 1857ء میں گوجرانوالہ سے شائع کیا۔ اس کا نفس مضمون اس مسودے سے کافی مختلف جو پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ''رسالہ تصوف'' کے نام سے موجود ہے۔ 1341ء کو لاہور سے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا جو گوجرانوالہ سے ملتا جلتا ہے۔

داراشکوہ کی دیگر تصانیف کے برعکس، اس رسالے کی عبارت مرصع اور پر تکلف ہے۔ اس کا لب ولہجہ نصیحت آمیز اور جذباتی ہے جو دماغ کی بجائے دل کو اپیل کرتا ہے۔ تحریر میں ایک لطافت ہے۔ اس رسالے میں جگہ جگہ پر رباعیات، ابیات اور نظمیں بکھری پڑی ہیں جس سے اس کے خطیبانہ طرز بیان کی شگفتگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ رسالہ 30 حصوں میں ہے اور ہر حصے کو عارف کی راہ گزر کی ایک منزل کہا گیا ہے۔

داراشکوہ کہتا ہے کہ عارفوں کے روشن ضمیر اور اہل دل کے عالی دماغوں کو معلوم ہے کہ جب ہادی برحق نے میرے خیال کے آئینے میں فکری رازوں سے پر الفاظ کی ایک جھلک دکھائی تو میرے لئے انہیں احاطہ تحریر میں لانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس طرح میں نے انہیں شہود کے میدان میں صف آرا کر دیا۔ میں نے اس رسالے کا نام ''طریقۃ الحقیقت'' رکھا ہے۔ امید ہے کہ دور اندیش اور اہل یقیں حضرات کو پسند آئے گا۔

''مخزن الغرائب'' فارسی شعراء کے سوانح کی ایک گراں قدر کتاب ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ داراشکوہ نے ایک بیاض بھی مرتب کی تھی جس سے ''مخزن الغرائب'' کے مصنف، احمد علی سندیلوی، اپنا تذکرہ لکھتے ہوئے مستفید ہوئے تھے، محفوظ الحق ''مجمع البحرین'' (۲۳) کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ اس وقت اس بیاض کی کوئی بھی نقل علوم شرقیہ کی کسی لائبریری میں نہیں ہے۔ اگر یہ بیاض مل جاتی تو داراشکوہ کے شاعرانہ ذوق پر اچھی خاصی روشنی ڈالتی۔

داراشکوہ کی دیگر تصانیف

پیرس کے Bibliotheque National میں ''نگارستان منیر'' کا مسودہ محفوظ ہے (بلوچیٹ (Blochet) کی فہرست نمبر 701)۔ اس کے علاوہ داراشکوہ سے اور تصانیف بھی منسوب ہیں۔ اگر ان کا پتہ چل جائے تو اس کے احوال و آثار و افکار پر مزید روشنی پڑ سکتی ہے۔ مولوی محفوظ الحق نے ان تصانیف کی فہرست مرتب کی ہے جو داراشکوہ سے منسوب تو ہیں لیکن ابھی تک مشرق و مغرب کی کسی اہم لائبریری میں ان کا سراغ نہیں ملا۔ مثلاً داراشکوہ کی خودنوشت سوانح عمری۔ (۲۴)

۱) داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، مخطوطہ لاہور، نول کشور اڈیشن، 1884ء، ۔ترجمہ: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، طبع ہفتم، مئی 1986ء۔

۲) داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نائینی و ڈاکٹر تاراچند، طبع تہران۔ ترجمہ: مرزا مقبول بیگ بدخشانی، پیکیجز لمیٹیڈ، لاہور۔

۳) عبدالمجید سالک، یاران کہن، مطبوعات چٹان، لاہور۔ صفحہ 53۔

۴) ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔ جلد دوم، صفحہ 74۔

۵) داراشکوہ، رسالہ حق نما، نول کشور پریس، لکھنؤ، 1910ء۔ (اس کے علاوہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ''رسائل تصوف'' میں شامل ہے۔ مسودو J 415) ترجمہ: مولوی احمد علی بٹالوی ''اللہ والے کی قومی دکان'' کشمیری بازار لاہور۔

٦) بحوالہ ''مجمع البحرین'' مرتبہ محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1929ء۔ صفحہ 16۔ (تعارف بزبان انگریزی)

۷) داراشکوہ، حسنات العارفین (شطحیات) مجتبائی پریس، دہلی۔ 1309ھ۔ مخطوطہ نمبر 1242، عربی سیکشن، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔

۸) محی الدین ابن عربی، فتوحات مکیہ۔ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر۔

۹) ابوالکلام احمد، ترجمان القرآن، جلد اول، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

۱۰) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جولائی 1994ء، جلد اول، ص 52

۱۱) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جلد پنجم، صفحہ 303

۱۳) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جلد پنجم، صفحہ 49

۱۴) داراشکوہ، دیوان داراشکوہ، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔ مخطوطہ:
خاں بہادر حسین، جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد 5، شمارہ نمبر 1۔ 939ء۔

۱۵) منشی غلام سرور چشتی، خزینۃ الاصفیاء، 1238ھ، لکھنؤ۔ صفحہ 163۔

۱۶) محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء، تصحیح صادق علی دلاوری، شیخ مبارک علی، لاہور۔ 1943ء۔
صفحہ 89۔

۱۷) داراشکوہ، مجمع البحرین، ترتیب وترجمہ: محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1929ء

۱۸) ابواعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جولائی 1994ء۔ جلد ششم،
صفحہ 246۔

۱۹) ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، جلد ششم، صفحہ 246۔

۲۰) کرماجیت حسرت، داراشکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منوہر لال پبلشرز، نیودہلی، طبع
دوم، 1982ء۔ صفحہ 223۔

۲۱) سید ابوالخیر مودودی، داراشکوہ، المعارف، جلد 27، شمارہ 10، اکتوبر 1993ء، ادارہ ثقافت
اسلامیہ، 2 کلب روڈ، لاہور۔

۲۲) داراشکوہ، طریقۃ الحقیقت، لاہور، 1341ھ ترجمہ: مولوی احمد علی بٹالوی، ملک فضل دین، کشمیری
بازار، لاہور۔

۲۳) بحوالہ ''مجمع البحرین'' مرتبہ محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1929ء

۲۴) بحوالہ ''مجمع البحرین'' مرتبہ محمد محفوظ الحق، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ۔ 1929ء

تراجم وخطوط

(i) سرِ اکبر

''سرِ اکبر'' داراشکوہ کے قلم سے 50 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ ہے(1)۔ لیکن اس پر تبصرہ کرنے سے پہلے ہم تصوف، مسئلہ وحدت الوجود اور اپنشدوں کے بارے میں چند ضروری باتیں رقم کریں گے۔

شاہ ولی اللہؒ کے مطابق اسلام کے پہلے دور میں لوگ نمازیں پڑھتے تھے، ذکر و تلاوت کرتے تھے، روزے رکھتے تھے، حج کرتے تھے، صدق اور زکوٰۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو سر نیچا کئے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا۔ یہ بزرگ خدائے تعالیٰ سے قرب وحضوری کی نسبت صرف اعمال شریعت اور ذکر و تلاوت کے ذریعے حاصل کرنے کی سعی کرتے......ان میں سے کوئی شخص نہ بے ہوش ہوتا اور نہ اسے وجد آتا اور نہ وہ جوش میں آکر کپڑے پھاڑنے لگتا اور نہ خلاف شرع کوئی لفظ اس کی زبان سے نکلتا(2)۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس ہونے لگا کہ اگرچہ نماز، روزہ اور دوسرے فرائض ادا تو کئے جارہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا جو حق ہے وہ ادا نہیں ہو رہا۔ چنانچہ کچھ بزرگوں نے کہ صوف (اون) کا لباس زیب تن کرنے کی وجہ سے صوفی کہلائے، اللہ سے ڈرنے کا حق ادا کرنے کے لئے دنیا سے بے نیازی کا اظہار کیا۔ ان کا مسلک تصوف کہلایا۔ ابتدائی دور میں تصوف اللہ سے تعلق اور تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام تھا۔ شریعت کی پیروی پر پورا پورا زور دیا جاتا تھا۔ لیکن متاخرین صوفیاء نے ترک دنیا کے ساتھ نفس کشی بھی جزو

''شیطان لوگون کو اس وہم میں ڈالتا ہے کہ زہد ترک مباحات کا نام ہے۔ چنانچہ بعض صرف جو کی روٹی پر گزارہ کرتے ہیں اور بعض پھل نہیں کھاتے اور بعض کھانا کم کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ بدن سوکھ جاتا ہے اور صوف کا لباس پہن کر اپنے نفس کو سزا دیتے ہیں اور اسی غرض سے ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے۔ یہ نہ رسول ﷺ کا طریقہ ہے اور نہ آپ کے اصحاب اور تابعین کا۔ جب ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو بھوکے رہتے، لیکن جب مل جاتا تو کھاتے تھے۔''

جنہوں نے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ بعض انسان جب اپنے معاشرے سے ناامید ہوا اور مایوس ہو جاتے ہیں تو اس کے ردعمل کے طور پر وہ دنیا سے متنفر ہو کر زندگی بسر کرنے کے لئے رہبانیت کے طریقے اپنا لیتے ہیں۔ تصوف کے ارتقائی مراحل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے آغاز تک مسلم صوفیاء کے یہاں اعمال کی حد تک رہبانیت کے اثرات موجود تھے۔ لیکن کسی خارجی فلسفیانہ فکر کا اضافہ نہیں ہوا تھا۔ مگر حضرت ذوالنوی مصری ؒ (متوفی 245ھ) کے عہد سے یہ تبدیلی بھی شروع ہوگئی۔ وہ پہلے صوفی ہیں جن کے یہاں خارجی فکر کے اثرات ملتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی ؒ (متوفی 297ھ) کے یہاں یہ اثرات مزید نمایاں ہو جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ اتباع شریعت پر زور دیتے تھے لیکن ان کے یہاں ظاہری علم سے ہٹ کر سوچنے کی بات بھی ہوتی تھی۔

ہندوؤں کے ہاں اوتار کا عقیدہ عام ہے۔ اس عقیدے کی رو سے خدا انسان کی شکل میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہندو رام اور کرشن سے لے کر موہن داس کرم چند گاندھی تک کو اوتار مانتے رہے ہیں۔ جن

دعویٰ تھا کہ جب معاشرہ انحطاط پذیر ہوتا ہے تو خدا کسی انسان کی شکل میں اس کرہ ارضی پر نمودار ہوتا ہے۔ اس کی ذات اس انسان میں حلول کر جاتی ہے۔ یہ سمجھ کر کہ خدا کی ذات اس میں حلول کر گئی ہے، حسین بن منصور حلاج نے ''انا الحق'' کا نعرہ بلند کیا۔ حلول کا عقیدہ صاف صاف کفر دکھائی دیتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ایک انسانی شکل میں مقید کر دیتا ہے۔ اس لئے اسے حلول مقید بھی کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ مسلمانوں میں قبل عام نہ پا سکا۔ صوفیاء نے اس حلول مقید کو حلول عام میں تبدیل کر دیا۔ عام فہم زبان میں انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ کائنات میں کوئی شے اپنا حقیقی وجود نہیں رکھتی۔ جو کچھ نظر آتا ہے، سب خدا ہی ہے، یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ اس کو تصوف کی اصطلاح میں عقیدہ ''وحدت الوجود'' کہتے ہیں۔ محی الدین ابن عربی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں ''وحدت الوجود'' کے تصور کر منظم و مستحکم کیا۔ بعد میں دوسرے لوگوں نے اسے آگے بڑھایا۔ یہ لوگ کیفیات واحوال کی منزل سے آگے بڑھ کر خدا اور کائنات کے اسرار و رموز پر بحث کرنے لگے (4)۔

ابن عربی کے نزدیک بھی حلول مقید کفر ہے کیونکہ ان کے ماننے والے خدا کو ایک خاص شکل و صورت میں محدود کر دیتے ہیں۔ اس کے نقطہ نظر سے اگر کائنات کا ہر چیز کو خدا کہا جائے تو یہ اصل توحید ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ''فصوص الحکم'' کے باب ''فص موسوی'' میں لکھتے ہیں: ''فرعون کو ایک طرح سے حق تھا کہ انا ربکم الاعلی کہے کیونکہ فرعون ذات حق سے جدا نہ تھا اگر چہ اس کی صورت فرعون کی سی تھی''۔ باب ''فص نوحی'' میں کہتے ہیں کہ اگر حضرت نوح اپنی قوم کو صحیح طریقے سے دعوت دیتے تو قوم دعوت قبول کرنے میں دشواری نہ ہوتی۔ ''فص ہارونی'' میں رقم طراز ہیں کہ حضرت ہارون کی نسبت حضرت موسیٰ زیادہ جانتے تھے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں نے اصل میں کس کی عبادت کی۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو جو تنبیہ کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے بچھڑے کی پوجا سے منع کرتے تھے۔ حالانکہ عارف وہ ہے جو ہر شے میں حق

کے نزدیک بت پرستوں کا کفر بھی یہی تھا کہ وہ چند مظاہر کو خدا سمجھتے تھے اور باقیوں کا انکار کرتے تھے (5)۔

قصہ مختصر یہ کہ ابن عربی کے نزدیک مخلوقات کا اپنا کوئی ذاتی وجود نہیں۔ اس انکار سے انسان کی زندگی پوری داستان بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں اور لوگوں کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی ؒ اور علامہ اقبال نے بھی اس نظریئے کی شدید مخالفت کی۔ اور کہا کہ نہ صرف خدا خالق ہے اور کائنات اس کی مخلوق۔ بلکہ خدا اپنی کائنات سے ماورا ہے۔ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ فنا فی الاحکام حق تعالیٰ ہو۔

الطاف احمد اعظمی کہتے ہیں (6) کہ تاریخی طور پر ثابت ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ اسلام سے بہت پہلے موجود تھا۔ اس کے ماخذوں میں اپنشد بھی شامل ہیں۔ اس لئے آیئے اب ہم اپنشدوں کی تعلیم پر غور کریں:
اپنشد ہندووں کی مقدس کتاب وید کے اختتامی حصے ہیں۔ اس لئے انہیں ویدانت بھی کہتے ہیں۔

اپنشدوں میں حقیقت اعلیٰ (خدا) کی تعریف یوں کی گئی ہے: مقتدر اعلیٰ (Almighty) لامحدود (Infinite) ازلی (Eternal) ناقابل ادراک (Incomprehensible) واجب الوجود (Self Existent) خالق (Creator) قیوم (Preserver) ہالک (Destroyer)، دنیا کی روشنی اور آقا (Lord) ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اپنشدوں کے مطابق انسان کی تخلیق مقصد یہ ہے کہ وہ حقیقت اعلیٰ کا عرفان حاصل کرے جس نے ایسا کر لیا اسے نجات حاصل ہوگئی (7)۔ اپنشدوں میں اکثر مقامات پر حقیقت اعلیٰ کے لئے ''برہمن'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور اسی کو کائنات کی مرکزی قوت تسلیم کیا گیا ہے۔ تمام دوسری قوتیں اسی سے نکلتی ہیں۔ اس کو برہما بھی کہتے

اپنشد کہتے ہیں کہ آگ، وقت، سانس، غذا، وشنو وغیرہ اصل حقیقت اعلیٰ (برہمن) کے مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔یعنی کائنات کی ہر شے میں خدا موجود ہے۔اس لئے جو لوگ کائناتی قوتوں میں سے کسی قوت کی عبادت کرتے ہیں وہ غلط نہیں ہیں کہ بالواسطہ یہ اسی کی عبادت ہے۔شویت کو باقی رکھنے کے ساتھ ہی اپنشدوں نے دیوتاؤں کو برہمن کا تابع کہا ہے وہ اسی کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔آگ اس کی مرضی کے بغیر گھاس کا ایک تنکہ بھی نہیں جلا سکتی۔اسی کے حکم سے آگ جلتی ہے،سورج چمکتا ہے اور اسی کے حکم سے موت، ہوا اور بادل اپنے اپنے فرائض انجام دیتے ہیں(9)۔

گویا اپنشدوں میں مرکزی اقتدار کا تصور واضح ہونے کے باوجود دیوتاؤں کو ختم نہیں کیا گیا بلکہ ان کو مرکزی اقتدار کے اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے باقی رکھا ہے(10)۔

ویدانتی فلسفہ کے مطابق اگر روح عالم (برہما) ایک لمحہ کے لئے عالم سے الگ ہو جائے تو تمام مادی اشیاء جو اس سے قائم ہیں، نابود ہو جائیں۔اس لئے عالم مادی کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔یہ دنیا ''برہما'' سے نکلی ہے لیکن یہ اس طرح نہیں جس طرح تخم سے شجر نکلتا ہے، بلکہ اسی طرح جیسے کرنیں سورج سے نکلتی ہیں۔ اپنشدوں کے مطابق برہما عالم موجودات سے ماورا نہیں بلکہ اسی میں سرایت کئے ہوئے ہے۔اسی سے تمام اشیاء نکلی ہیں اور نکل کر اسی میں رہتی ہیں اور (بعد فنا) اسی میں چلی جاتی ہیں(11)۔

اپنشدوں کا نظریہ خدا کو کائنات سے ماوراء نہیں سمجھتا بلکہ اسی میں سرایت کئے ہوئے کہتا ہے۔عبادت

نظریے سے ہم آہنگ ہے۔ اسی کے پیش نظر داراشکوہ نے جو وحدت الوجودی نظریے کا بڑا علم بردار تھا، 50 اپنشدوں کا ''سرِ اکبر'' کے نام سے فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ 6 مہینوں میں مکمل ہوا۔ ''اپ'' کا مطلب نزدیک ہے۔ ''نی'' کا مطلب نیچے اور ''سد'' کا مطلب بیٹھنا ہے۔ گویا اپنشد کا مفہوم شاگرد کا استاد کے نزدیک بیٹھ کر اس کی رازدارانہ باتیں سننا ہے۔ اس ترجمے کی سب سے بڑی خوبی اس کی سادگی میں ہے۔ اپنی روانی اور سادگی کے لحاظ سے یہ فارسی کی بہترین نمونوں میں سے ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں داراشکوہ نے بتایا ہے کہ اس نے یہ ترجمہ کیوں کیا۔ اگرچہ اس نے تصوف کے بارے میں بہت سے تصنیفات کا مطالعہ کیا تھا اور خود بھی اس موضوع پر کئی رسالے تحریر کر چکا تھا، اس کے باوجود توحید کے وسیع سمندر پر عبور حاصل کرنے کے لئے اس کی آرزو شدید سے شدید ترین ہوتی گئی۔ اس کے ذہن میں نئے نئے مسائل آرہے تھے۔ جن کا حل فرمودہ خداوندی سے رجوع کئے بغیر ناممکن تھا۔

داراشکوہ کہتا ہے کہ قرآن مجید زیادہ تر استعاروں میں ہے اور اس دور میں وہ حضرات جو اس کی باریکیوں سے واقف ہوں بہت کم ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے سربستہ راز ہیں جن کی شارح ملنا بہت دشوار ہے۔ اس لئے میں نے تمام الہامی کتابوں کو پڑھنا چاہا کیونکہ خدا کی باتیں ایک دوسرے کی وضاحت وتشریح کریت ہیں۔ میں نے توریت ، انجیل، زبور اور فرقان کا مطالعہ کیا، لیکن ان الہامی کتابوں، میں توحید کا ذکر مختصر اور ایک خلاصے کی شکل میں تھا۔ اس کے بعد میں نے ہندووں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ ان میں تصور وحدانیت نمایاں ہے۔ نیز قدیم مسلک کے علمائے ظاہری و باطنی، وحدت کے منکر نہیں بلکہ توحید پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔ برخلاف اس وقت کے جہلاء کے جو اپنے آپ کو علماء قرار دیتے ہیں اور ہر وقت خداشناسوں اور مواحدان کے کفر وافکار سے انہیں تکلیف وآزار دیتے رہتے ہیں۔

داراشکوہ لکھتا ہے کہ ہندوستان میں چار الہامی کتابیں، چار وید، انبیاء وقت پر کہ ان میں سے سب بزرگ حضرت آدمؑ ہیں، نازل ہوئیں۔ ویدوں میں پائے جانے والے توحید کے اشعار اپنشدوں میں جمع کئے گئے ہیں اوران کی وضاحت کی گئی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگراس کے ذہن میں کوئی بھی مشکل مسئلہ یا ارفع خیال آیا جواس کے بہترین کوششوں کے باوجود حل نہ ہوسکا تو اس قدیم کتاب کی مدد سے وہ مسئلہ واضح او وہ عقدہ وا ہو گیا۔ داراشکوہ کے مطابق یہ پہلی آسمانی کتاب ہے۔ یہ توحید ا سرچشمہ ہے اور قرآن سے ہم آہنگ ہے یا یوں کہیئے کہ اس کی شرح ہے۔

داراشکوہ کے مطابق قرآن کی مندرجہ ذیل آیت میں ''کتاب مکنون'' سے مراد اپنشد ہیں:

انّہ لقرآن'' کریم o فی کتاب مَکنونٍ o لا یمسُّہ' آلاّ المُطھّرون o تنزیل'' مّن رّبّ العٰلمین o (سورہ واقعہ، 56:80-77)

(بے شک یہ قرآن گرامی زدر ہے۔ یہ ایک پوشیدہ کتاب (لوح محفوظ) میں ہے۔ اسے پاک لوگوں کے سوا ہاتھ نہیں لگاتے۔ تمام جہانوں کے رب (کی طرف) سے اتارا ہوا ہے۔)

داراشکوہ لکھتا ہے کہ مندرجہ بالا آیت نہ تو زبور، نہ توریت، نہ انجیل اور نہ ہی لوح محفوظ سے متعلق ہے کیونکہ موخرالذکر کے بارے میں تنزیل کا لفظ استعمال نہیں ہوسکتا، چونکہ اپنشد ایک راز ہیں اور قرآن کی آیت حرف بحرف اس میں مل جاتی ہیں، اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ کتاب مکنون کا اشارہ اپنشدوں کی طرف ہی ہے۔ داراشکوہ کی یہ تشریح صحیح نہیں۔ کیونکہ تنزیل کا لفظ لوح محفوظ کے لئے نہیں بلکہ قرآن مجید لئے ہے۔ مولانا

ہے، یعنی جس تک رسائی نہیں ہے۔ قرآن میں اس کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ پر نازل کیے جانے سے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تحریر ہو چکا اور اس میں کی تبدیلی کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ وہ ہر مخلوق کی دست رس سے بالاتر ہے۔ کفار مکہ رسول اکرم ﷺ کو کاہن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تمام کلام آپ پر جن اور شیاطین القا کرتے ہیں۔ قرآن نے بھی اس کا یہ جواب دیا کہ لوح محفوظ کو مطہرین (یعنی فرشتوں) کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ شیاطین تو اس کے قریب پھٹک بھی نہیں سکتے۔ فرشتوں کو ''مطہرین'' اس لئے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو ہر قسم کے ناپاک جذبات اور خواہشات سے پاک رکھا ہے۔

دارا شکوہ کہتا ہے کہ اس کام (ترجمے) میں اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ وہ خود، اس کی اولاد، اس کے دوست اور متلاشیان حق اس کے ثمر سے لطف اندوز ہوں۔ ہر وہ شخص جس پر خدا کا لطف و کرم ہے اور جس نے تمام تعصبات کو الگ کر دیا ہے، جب اس ترجمے کو کو پڑھے اور سمجھے تو اپنشدوں کو الہامی ملفوظات جانے گا اسے نہ تو کوئی تشویش ہوگی اور نہ ڈر نہ رنج اور وہ خدا کے فضل و کرم سے مضبوط توانا ہوگا۔

اپنشدوں کے فلسفے کو یورپ میں متعارف کرنے کا کریڈٹ دارا شکوہ کو جاتا ہے۔ اس نے 50 اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا جس سے سنسکرت زبان سے نا آشنا لوگ بھی ان کے مضامین سے آگاہ ہو گئے، لیکن ایک صدی سے زیادہ عرصے تک یہ ترجمہ ہندوستان تک ہی محدود رہا۔ پھر ایک عجیب اتفاق سے یہ یورپ پہنچ گیا۔ وہ اس طرح کہ 1775ء میں ڈیو پرون (Deperon) کو برنئے (Bernier) کی وساطت سے ہندوستان سے ''سر اکبر'' کا ایک مسودہ مل گیا۔ اس نے اس کا فرانسیسی اور لاطینی زبانوں میں ترجمہ کر ڈالا۔ اور 2-1801 میں پیرس سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اس ترجمہ میں ایک مفصل تعارف اور

ترجمہ کرڈالا۔ اور 2-1801 میں پیرس سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اس ترجمہ میں ایک مفصل تعارف اور بہت سے حواشی ہیں۔ جرمن فلاسفر شوپنہار (Schopenhaur) کو اس لاطینی ترجمہ کی ایک کاپی مل گئی۔ اس نے اس کا بغور مطالعہ کیا۔ میکس ملر (Max Miller) کہتا ہے کہ یہ ترجمہ اس موضوع سے سکالرز کے بے حد لگاؤ کے باوجود انتہائی غیر واضح انداز میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے بھول بھلیوں میں صحیح راستے کا سراغ لگانے کے لئے شوپہنار جیسے فلسفی ژرف نگاہی درکار تھی۔ شوپنہار نے اس کتاب کی اہمیت کو محسوس کیا اور اس کی دریافت کو انیسویں صدی کا عظیم کارنامہ قرار دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ثانوی ترجمہ اہم ترین تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ یہ پہلا کام ہے جو ہندوستانی فلسفہ کو مغرب کے علم میں لایا۔ شوپنہار کہتا ہے کہ اپنشد ایک ناقابل یقین زمانے کے ہیں۔ یہ فکر کے وسیع خزانے ہیں جو ایک خوفناک طرز کلام کے نیچے دفن تھے، اور جن کا مطالعہ دنیا میں سب سے زیادہ صلہ دینے والا اور سرفراز کرنے والا ہے۔ نیز یہ کتاب اس کی زندگی کی تسلی اور موت کا اطمینان ہے۔ وہ اس ترجمے کے لئے داراشکوہ کو زبردست خراج عقیدت ادا کرتا ہے۔

داراشکوہ کے کہنے کے مطابق اس نے اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ اپنے لئے، اپنے بچوں کے لئے، اپنے دوستوں کے لئے اور متلاشیان حق کے روحانی فیض کے لئے کیا تھا۔ فارسی اس زمانے میں مشرق میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی زبان تھی، اور بہت سے یورپی سکالرز بھی اسے بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہ ترجمہ ان لوگوں کی پہنچ میں آ گیا جو ہندوستان کے مذہبی لٹریچر سے دلچسپی رکھتے تھے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ ہندوستان میں ''سرِ اکبر'' میں کوئی دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے اس کی زیادہ پروانہ کی اور اسے زیادہ تر صرف دربار کے ہندو امراء نے، جو فارسی زبان سے آگاہ تھے، پڑھا اور آج بھی یہ ایک بھولی بسری کہانی کی طرح ہے (13)۔

ترجمہ کر دیا۔ جن لوگوں نے سنسکرت کے مسودے سے اس کا مقابلہ کیا ہے وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

داراشکوہ نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ترجمے میں اسلامی اسلوب اور اصطلاحات اختیار کی جائیں تاکہ پڑھنے والے کو آسانی ہو۔ اس سے ''سرِ اکبر'' میں ایک شاندار ترجمے کے وقار سے بڑھ کر ایک طبع زاد کا سحر محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نے ''مہادیو'' کے لئے ''اسرافیل''، ''وشنو'' کے لئے ''میکائیل''، ''برہمان'' کے لئے ''جبرئیل''، ''برہم لوک'' کے لئے ''سدرہ المنتہیٰ''، ''آکاش وانی کے لئے ''وحی'' اور ''مہاپرلی'' کے لئے ''قیامت'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں (14)۔

بحیثیت مجموعی، یہ ترجمہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔

خطوط

داراشکوہ کی رگ رگ میں تصوف رچا ہوا تھا،مشہور صوفیوں کے نام اس کے خطوط اس بات کے شاہد ہیں۔سرمد کاشانی، شاہ محمد دلربا، شیخ محب اللہ الہ آبادی اور ملا شاہ کے نام خطوط میں اس نے تصوف کے چند دقیق نکات سے آگاہی چاہی ہے۔چنانچہ سرمد کاشانی کے نام اپنے خط میں وہ رقم طراز ہیں(۱۵):

''پیرو مرشد من! هر روز قصد ملازمت دارد، میسر نمی شود، اگر من منم، پس اراده من معطل چرا؟ و اگر من نیستم، چه تقصیر مرا؟ قتل امام حسین اگر چه مشیت ایزدی است، پس یزید درمیان کیست؟ اگر غیر مشیت است، پس معنی یفعل ما یشآءo و یحکم ما یُریدo چیست ؟نبی مختار به جنگ کفار می رفت ، شکست در لشکر اسلامی افتاد. علمائے ظاهری گویند که تعلیم صبرا ست منتهی را تعلیم چه در کار؟''

سرمد بایں بیت پاسخ داراشکوہ امی دہد: عزیز:

ما آنچه خوانده ایم، فراموش کرده ایم

الاحدیث دوست که تکرار می کنیم

میرے پیر و مرشد ہر روز ملاقات کا ارادہ ہوتا ہے۔لیکن ملاقات نہیں ہوتی ،اگر میں، میں ہی ہوں تو میرا ارادہ معطل کیوں ہو گیا؟ اور اگر میں، میں نہیں ہوں تو میری کیا تقصیر ہے؟قتل حسین اگر اللہ تعالی کی مشیت ہے تو یزید بیچ میں کون ہے؟ اور اگر خدا کی مرضی کے بغیر ہے تو پھر یفعل ما یشاءo (سورہ آل

کچھ چاہتا ہے حکم دیتا ہے) کا کیا مطلب ہے؟ نبی مختار کفار سے جنگ کے لئے گئے۔ لشکر اسلام کو شکست ہوئی۔ علمائے ظاہر کہتے ہیں کہ تعلیم صبر ہے۔ کامل کے لئے تعلیم کی کیا ضرورت ہے۔

سرمد نے جواب میں یہ لکھ کر بھیجا۔

اے عزیز:

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم

الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ بھلا دیا ہے سوائے دوست کی باتوں کے کہ انہیں بار بار کہتے ہیں)

سرمد کے نام داراشکوہ کا صرف یہی ایک خط ملتا ہے۔ لیکن ہے بہت دلچسپ اور اس کے فکر نیز اس کی ژرف نگاہی کا مظہر۔

''رقعات عالمگیر'' میں شیخ محب اللہ کے نام داراشکوہ کے دو خطوط ملتے ہیں (۱۶)۔ ان میں سے ایک طویل خط میں داراشکوہ نے مختلف سوالات پوچھے ہیں جن کے جوابات شیخ نے اپنے انداز میں دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ سوالات اور ان کے جوابات یوں ہیں۔

سوال: اس راہ میں کام کا آغاز کرنے والے اور کام کی انتہا تک پہنچنے والے کون ہیں؟

جواب: کام کے آغاز تک آ پہنچنا اعتبار غیرت سے ہے اور اس کی انتہا تک پیوست رہنا اعتبار عینیت ہے۔

جواب:

علم گر بر دل زند یارے بود

علم گر بر تن زند مارے بود

(علم اگر دل میں اتر جائے تو ایک دوست بن جاتا ہے اور اگر ظاہر تک ہی رہے تو ایک سانپ بن جاتا ہے)

ہر وہ علم کہ وہم دوئی کو جاری رکھتا ہے اس کا حجاب ہے۔ ہر وہ علم کہ صاحب علم کے جانے بغیر نور تعینات سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً حجاب اکبر ہے، کیونکہ صفات حجاب ذات ہیں۔

سوال: کیا روحانی ترقی کی کوئی انتہا ہے؟

جواب:

اے برادر بے نہایت در گھے است

بر ھر آنچہ می ردوی بروئے مایست

(اے برادر، اس درگاہ کی کوئی انتہا نہیں، تو جس راستے پر چل رہا ہے اس پر رک مت جانا)

سوال: ظلوماً جھولاo (سورہ احزاب، 72:33) (ظالم بڑا، نادان) انسان کی مذمت میں ہے یا مدح میں؟

جواب: یہ انسان پر ترحم کا اظہار ہے۔

سوال: موجود کا معدوم ہونا محال ہے پھر اشیاء کیسے مٹ جائیں گی؟

جواب: کل شی ھالک الا وجہ کے مطابق اشیاء معدوم ہو جاتی ہیں۔ جو کچھ بھی باقی ہے اپنی استعداد اور اپنی حقیقت مطلقہ کی وجہ سے ہے۔

جواب: عجیب بات ہے کہ یہ سوال ایک موحد محقق کی طرف سے آ رہا ہے۔ ہر انسان اپنی ذات میں مکمل ہے۔ روح اسے حقیقی تربیت مہیا کرتی ہے۔ جب تک وہ وہم کے بھنور میں پھنسا ہوا ہے وہ مظاہر کو غیر سمجھتا ہے اور فیض کو خدا سے منسوب کرتا ہے۔

سوال: کیا موت کے بعد طالب اور مطلوب کا وصل ممکن ہے؟

جواب: موت ایک ایسا پل ہے جو دوست سے دوست کو ملاتا ہے۔ انسان کا کمال اس کی موت کے بغیر ممکن نہیں۔

سوال: درد اور عشق میں کیا فرق ہے؟

جواب: درد عشق کی سیڑھی ہے۔

هر چه در کائنات جزء و کل اند

در ره عشق طاق هائے پل اند

(کائنات میں جو بھی جزو کل ہیں، وہ راہ عشق کے پل کی محرابیں ہیں)

شاہ دلربا کے نام چھ خطوط ہیں (۱۷) ان سے داراشکوہ کے مزاج کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک خط میں یوں لکھتے ہیں: الحمد اللہ کہ اس معزز و معظم گروہ کی صحبت کی برکت سے میرے دل سے اسلام مجازی رخصت ہو گیا اور کفر حقیقی سامنے آ گیا ہے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کی اس رباعی کے معنی معلوم ہوئے۔

در دیده عیان تو بوده من غافل

در سینه نهان تو بوده من غافل

خود جملہ جہاں تو بودۂ من غافل

(تو آنکھ میں عیاں تھا، میں غافل۔ تو سینہ میں چھپا ہوا تھا، میں غافل۔ میں ساری دنیا سے تیرا پتہ پوچھتا تھا۔ ساری دنیا تو خود ہی تھا، میں غافل)

اب جب کہ کفر حقیقی کی قدر جان چلا ہوں، زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشیں ہو گیا ہوں۔

مسلماں گر بدانستی کہ بت چیست

بدانستی کہ دیں در بت پرستی است

(اگر مسلماں جانتا کہ بت کیا ہے۔ وہ جان لیتا کہ دین بت پرستی میں ہے)

دروں ہر بتے جانیست پنہاں

بزیر کفر ایمانیست پنہاں

(ہر بت کے اندر ایک روح پوشیدہ ہے۔ (گویا) کفر تلے ایمان پوشیدہ ہے)

اس خط سے داراشکوہ کے ایمان کی حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ملا شاہ کے نام بھی داراشکوہ کے دو خطوط ہیں(18)۔ اور ملا شاہ کی طرف سے ان کے جوابات بھی ہیں۔

ملا شاہ داراشکوہ کے نام خطوط کا مرصع القابات وخطابات کے بجائے، جن کا اس زمانے میں شہزادوں کے لئے عام رواج تھا، سیدھے سادے اندار میں آغاز کرتے ہیں۔ خلوص کے اظہار کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تلخ سرزنش بھی ان کے قلم کی نوک پر آجاتی ہے۔ داراشکوہ اور اس کے پیرو مرشد ملا شاہ بدخشی بے تکلف فضا میں

داراشکوہ اپنے مرشد ملاشاہ کے نام ایک طویل خط میں لکھتا ہے کہ بعض (صوفیاء کرام) کا خیال یہ ہے کہ ترقی اور کمال کی کوئی انتہا نہیں، کیونکہ اللہ تعالی کی تجلی کی بھی کوئی حد نہیں۔ یہ تجلی ہر لحظہ ظہور میں آتی ہے۔ پس لازم ہے کہ ترقی کی کوئی انتہا نہ ہو۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اگر صوفی کی عمر ہزار سال بھی ہو جائے پھر بھی وہ رو بہ ترقی رہے گا۔

رسول اکرم ؐ فرماتے ہیں:

من استوی یوماہ فھو مغبون

(جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے)

لیکن خود ہی یہ باتیں لکھنے کے باوجود داراشکوہ یہ کہتا ہے کہ مجھ پر یہ آفتاب کی طرح روشن ہے کہ صوفی کے مرتبوں کی کوئی حد ضرور ہے کیونکہ سالک و واصل اس حدیث کے اطلاق سے مبرا ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ اپنی سوچ ہی کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ حتٰی کہ حدیث کو اپنی سوچ کے مطابق ثابت کرنے کے لئے اس کے دائرہ اثر کو خود ہی محدود کر رہا ہے۔

داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ جو شخص ابھی ترقی کی منزل میں ہے و لا خوف علیھُم و لا ھم یحزنون o (سورہ بقرہ، 62:2) کے مرتبے کو نہیں پہنچا ہوتا کیونکہ خوف اور اندوہ ترقی اور تنزیل کا لازمہ ہیں۔ خوف و اندوہ اس بات کا ہوتا ہے کہ شاید ترقی ہو یا نہ ہو، اور جب ترقی و تنزل کی منزل باقی نہیں رہتی تو خوف و اندوہ بھی جاتا رہتا ہے۔

دولت دیدار نصیب، وھو منزہ عن الترقی و التنزل (وہ ترقی اور تنزل سے پاک ہے)۔

جب آدمی درمیان میں نہ رہے تو پھر ترقی کی امید اور تنزل کا خوف کیسے ہوگا؟ ایسی صورت میں جو باقی رہتا ہے وہ حق ہے اور حق سب چیزوں سے مبرا ہے۔

''رقعات عالمگیر'' میں داراشکوہ کا ایک خط اورنگ زیب کے نام بھی ہے(19)۔ یہ خط اس نے اپنے قتل سے ایک یا دو دن پہلے اورنگ زیب عالمگیر کو لکھا اور بڑے سلیقے سے زندہ رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ لکھتا ہے:

میرے بھائی صاحب، میرے بادشاہ!

مجھے حکومت کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ آپ کو اور آپ کی اولاد کو مبارک ہو، دماغ عالی میں میرے قتل کا خیال غیر ضروری ہے۔ اگر مجھے رہنے کے لئے ایک مکان دے دیا جائے اور خدمت کے لئے میری خاص کنیزوں میں سے ایک کنیز، تو میں اپنے گوشہ عافیت سے آپ کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔

لیکن اورنگ زیب نے اس خط کے حاشیہ پر یہ آیت کریمہ لکھ کر اسے واپس کر دیا(20):

آلْئٰنَ و قد عصیت قبلُ و کُنت من المُفسدینo (سورہ یونس، 91:10)

(ہاں، اب تو ایمان لایا، حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا) یہ خط برطانوی عجائب خانہ کی کتاب نمبر 18881 اڈیشنل اور ندوہ کے ایک نسخہ رقعات عالمگیری 37/7325 میں ہے۔

ہم نے داراشکوہ کے بہت سے خطوط اس باب کے آخر میں دے دیے ہیں۔

مکاتیب شاہ بلند اقبال، بنام شاہزادہ دارا شکوہ

شاہ دلربا کے نام مختلف خطوط تحریر کرتے ہیں کہ،

(۱)

یااللہ

اخلاص گوناں گون وعشق فردان وسجدات شکر وتسلیمات بندگی بدرگاہ آن ذات مقدس معلیٰ از جانب ایں بے جانب برسد وامید کہ قبول افتد، این بندۂ شرمندہ وخود را کہ عنایت نامہ وشعر سر بلند سرافراز بودند رسید وکمال بہجت وسربلندی بخشید، ایں ذرہ چہ لائق آن کہ آن شاہ محققان وعین الرحمٰن ایں را ابستانید ودر بارۂ ایں فقیر بفرمانید

چون تو گفتی بندۂ من
از عرش بگذرو خندۂ من
اے در صفت ذات تو حیران کہ و مہ
و ز جملہ جہاں خدمت درگاہ تو بہ

اے شاہ فقیراں، ایں فقیر را ہمیشہ اشتیاق ملازمت آں حضرت در خاطر می باشد، تا کدام وقت ایں وصل رو بد ہد وایں تمنا از بدر شود؛

ھر کجا ایم، دل مقید تست
خواہ در آگرہ ایم خواہ در لاھور

من کیستم اندر چہ شمارم چہ کسم
تا ہمرہئی سگانت باشد ہوسم
در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
این بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم

خط نمبر (2)

یا اللہ، یا اللہ یا حاضر یا ناظر، از فانی، مطلق ونیست معدوم، بہستی موجود شاہ اولیاء بندگی وسلام بسیار بسیار برسد، امید کہ از ہواداران خود این ذرۂ بے مقدار را دانند واز روشئی نور خود این ذرہ را یاد آوردہ وفور تازہ خوشی بے انداز گاہ گاہ می بخشید و باد شد، ولیکہ نیست در یاد حضرت تست و جان کہ نیست در طلب دیدار و وصلت است، العفو العفو، این نیست را چہ قدرت کہ طلب وصل از اصل نماید

من کیستم اندر چہ شمارم چہ کسم

کرم وعشق ذات مبارک حضرت میان است کہ ذرہ را بہوا می آرد واز عشق می درخشاند، ہر کجا شمعے است پروانہ ایست و ہر جا معشوقے است باو دیوانہ ایست، اشتیاق ملازمت و پابوس از حد ونہایت، تحقیق زیادہ از ہر چہ بنو۔سد و بزبان آرد بود وہست واگر میسری بود سر را قدم ساختہ خود را بگان آن آستان درشاہاں می رساند، کیست کہ او دیدار خدا را نخواہد وکیست کہ آں وصل را نبلد، اما معشوق تا کرا خواہد و میلش بکہ باشد، بسیار معشوق صفتی دبے نیازی از عاشق خود فرمودند، یا کریم یا رحیم بیک تجلی ونظارہ از حضرت شما چہ می رفت کہ این جانب مردہ زندہ می شد ودلے تازگی می یافت، دیگر ہر چہ رضائے حضرت تست، عاشق راضی است، یا رضا، یا رضا، دریں ایام

نادیده رخ تو در جفائیم
لطفی بنما که بے نوائیم
بیگانه چرا شدی تو از ما
ما و تو قدیم آشنائیم

خط نمبر 3:

بنام آنکه بر ما مهربان است
بنام آنکه او خود عین جان است
بنام آنکه دل را دلبری کرد
بدلها خود بخود پیغمبری کرد
بنام آنکه او نامے ندارد
بهر نامے که خوانی سر بر آرد
نظر کردن برویش نیم ساعت
همی ارزد هزاران ساله طاعت

نیاز وسلام ودعائے بسیار از حد بے شمار بخدمت عارف ربانی، محبوب سبحانی، مظہر رحمانی، حضرت میاں صاحب برسد، آن ذات مقدس معلیٰ راہمہ جا و ہمہ وقت حاضر و ناظری داند، وی سید، عنایت نامہ عالی چوں آیہ رحمت رسید و مشتاق تر ساخت، تعریف مرید تمام اخلاص سید صلابت خاں نوشتہ بودند، سعادت دارین او کہ مقبول اللہ تعالیٰ گشتہ و گناہ برادر جودی از تہ دل بخشیدہ شد، وصلابت خاں گفتہ شد کہ جائے جودی و زمینداری او

داند، ملک وصوبہ ہمہ ایشان است، این نیست، جز کوتوالی بیش نیست، ہر چہ خواہند بکترمانید و ہر چہ خواہند بفرو ہر چہ بہر کہ خواہند بدہند، ہمہ از شماست، امیدوارست کہ ہمہ وقت ارشاد نصیحت باین مرید نادان میشدہ باشد و باعث سعادت کونین می داند:

من نیم باللہ جانان من نیم
عشق تو عاشق تو معشوق تو

رسالہ نفسیہ رسید در خلوت مطالعہ کرد، بسیار مفید است

خط نمبر (4)

هو الكل لكاتبه:

بنام آنکہ نامش عین ذاتست
وجود او منزہ از جہاتست
ہمہ وجہ و ہمہ سمع و ہمہ عین
ہمہ تنزیہ و پاکی و حیاتست

عنایت نامہ نامی گرامی کہ بعد از عفو گناہ این فقیر حقیر سراپا تقصیر مصحوب ابونصر عنایت شدہ بود، در بہترین اوقات رسید، نہایت خوشحالی و دلجوئی رو دادہ:

خاطر ما چرا نه خوش گرد

در تعریف نامه چه تواند نوشت که ذات صاحب نامه منزه است از وصف و تعریف، اگر چه تعریف کننده هم نیست هر که جز یک ذات است، عیاذاً بالله لفظ غیر او نیست، عارف و معروف، شاهد و مشهود، محبّ و محبوب، طالب و مطلوب جز یک ذات است معدوم محض است:

موجود بجز یکی نباشد هرگز
بالله که درین سکی نباشد هرگز

واین مقر است که معدوم هرگز موجود نگردد و موجود هرگز معدوم نگردد:

غیرتش غیر در جهان مگذاشت
لاجرم عین جمله اشیاء شد

در چشم بنا حقائم که در هر جزدے کل ظاهر و هویدا است، و در هر ذره آفتاب جهانتاب پیدا، و در هر قطره بحر حقیقت جلوه گر، و در هر حرفے وجود سیاسی اظهر هست، نهالتش، چوں یک اسم شریف او هو الباطن است، از چشم بعضے پنهاں شد، چوں یک اسم مقدس او هو نظاهر در چشم بعضے ظاهر گشت:

گاه پرده بروے در گیرو
گاه بے پرده روئے بنماید

روئے نمود و معنی ایں رباعی عارف نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی ظاہر گشت:

در دیدہ عیاں تو بودۂ من غافل

در سینہ نہاں تو بودۂ من غافل

از جملہ جہاں نشان تو می جستم

خود جملہ جہاں تو بودۂ من غافل

اکنوں قدر کفر حقیقی دانستم زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشین گشتم:

مسلماں گر بدانستی کہ بت چیست

بدانستی کہ دیں در بت پرستی است

اگر ز اسلام مجازی گشت بیزار

کرا کفر حقیقی شد پدیدار

درون ھر بتے جانیست پنھاں

بزیر کفر ایمانیست پنھاں

بترسا زادہ دادم دل بیک بار

مجرد گشتم از اقرار و افکار

خط نمبر (5)

ھواللہ احد، بنام آنکہ در وحدت و یگانگی بے نظیر بے شبیہ و بے بدل است، ہیچ کثرتے وحدت آں ذات مقدس معلیٰ را کہ ہزاراں جان عاشقان و عارفاں فدائے او باد نتواند حجاب و پردہ گشت، ظاہر و ہویدا است، باوجود ایں

همه را پیشوائی باشد و بس
دل صوفی نه زاب و گل باشد
دل صوفی خدای باشد و بس

عاجزان گم کردہ دل راچہ مجال کہ ازایں قسم گفتگو درمیاں آرند و دریں باب حرف مذکور نمائید، نہایش چوں فکر ذات مقدس آن صاحبان دل فرو میرود، باثر آں توجہ دل بیدلاں راقوتے بہم می رسد و بہ برکت ایشاں بے اختیار ازیں ہماں قسم حرف سر میزند، چہ لازمہ دل حضرت انساں است کہ در ہر فکرے و ذکرے کہ فرو میرد دل بے اختیار در خواب باوجود غفلت دل ہماں فکر و ذکر می باشد، واگر ہذیاں بگوید ہم از ہماں قسم حرف از زبانش بر می آید، لہذا چوں ہمیشہ در دل ایں ہیچ اندیشہ اہل دل نمیگذرد، دل ایں بیدل بہماں برکت بطریق ہذیان ایں چند کلمہ گفتگو نمودہ، العفو، العفو۔

ایں قطرہ راچہ مجال کہ از دریا بگوید اماں چوں قطرہ راامید دریا شدن نیست بے اختیار است کہ خود را بد ریا بکشد و از دریا گفتگو نماید تا باشد کہ صفت بے نہایتی دریا اور یابد، چہ قطرہ در اصل دریا بود، والا آں ہم دریا ہست، اما از نادانی و دوری خود قطرہ ماندہ واز بے نہایتی بہ نہایت رسیدہ، اما ہماں ساعت کہ دم از دریا زند بے شک دریا شود کہ استعداد دریا شدن بر کمال دارد، بہر حال چوں پیش اہل نظر قطرہ را دریا شدن در کمال آسانی است، امیدوار است کہ بہ برکت ایشاں اگر نقصانے در دریا شدن ایں قطرہ ماندہ باشد برطرف گردد دریابد دریا شود۔

چوں اشتیاق وشوق ملازمت آں فرید عصر بسیار و از حد بیرون است اگر قدم مبارک رنجہ فرمودہ یک گام شہر ما نہند از خود خلاص می یابیم و ہستی موہومی ما مبدل بہستی اصلی ایشاں میگردد دل بارزوے خود می رسد و دیگر بہر روش رضا باشد ماراضی ایم کہ بے مطلباں را مطلب نمی باشد، والسلام۔

دیگر بہر روش رضا باشد ما راضی ایم کہ بے مطلباں را مطلب نمی باشد، والسلام۔

خط نمبر (6)

اللہ

بعد از سراپا نیاز مندی واشتیاق می رساند کہ عنایت نامہ گرامی مانند وحیٔ آسمانی پرتو نزول انداخت:

آں را کہ وصل دوست بود آرزو یقین

از نامۂ و پیام تسلی کجا شود

بمشغولی ظاہر و باطن کہ مامور بود انشاء اللہ تعالی تقصیر نخواند کرد، چوں ہم مکند بہتر و خوشتر ازیں چہ کار خواہد، یود اخلاص ایں ہیچ نسبت بخاک آن زمین کہ محل و مکان آں بے مکان است از حد نہایت گزشتہ چرا ہم مگذرد:

دلیکہ عاشق صابر بود مگر سنگ است

زعشق تا صبوری بزار فرسنگ است

میانجیو سلامت الطیفہ نفسیہ کہ از زبان وحی ترجمان شما در باب از ترقی ماندن صوفئی کامل شنیدہ بود، از زبان خود کردہ بحضرت پیر و دستگیر خود نوشتہ بود، بسیار خوش کردہ اند و در جواب بدستخط مبارک بایں مرید نوشتہ فرستادہ بودند، درہمیں دو سہ روز رسیدہ بود، بجنسہ فرستادہ کہ مطالعہ فرمودہ، ایں شجرۂ فقیر را باز در عنایت نامہ خود پیچیدہ بفرستد و در باب فانی شدن وجود بعد از بقا ہم انچہ میانجیو بایں نیست فہمایند اند، خوب حالی و خاطر نشین ایں فقیر شدہ بہ تحقیق چنانکہ فرمودہ اند۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی کے نام رقمطراز ہیں کہ،

خط نمبر (1)

قل اللھم ثم اللہ ھم، جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوئی مراتب صوری و معنوی میاں شیخ محب اللہ را از محبّ فقراء دعا و سلام برسد، از گرفتن صوبہ الہ آباد بیشتر خوشحال از وجود شریف ایشان است، ہر کارے و مہمے کہ دراں رفاہیت مومناں باشد بباقی بیگ ارمی نمودہ باشند، واخلاص ایں جانب را فقراء بدرجہ اعلیٰ شناسند و امید کہ ایں چند سخن را جواب واضح بنوسند کہ حقیقت آنہا مفہوم شود۔

1۔ چیست اندریں راہ بدایت کار نہایت کار، (2) چیست کہ معنی قول سید الطائفہ و جواب ''ما النہایہ'' کہ فرمودہ ''الرجوع الی البدایہ'' (3) وکدام علم است کہ آنرا ''حجاب اکبر'' گفتہ اند (4) وانبیائے سابق را معرفت توحید بود یا نبود، (5) وترقی را نہایت بود، یا نبود، (6) ''ظلوما جھولا'' در مذمت انسان یا در مدح، (7) وہرگاہ معدوم شدن موجود محال باشد اشیاء را چوں معدوم تواں گفت، (8) وتصور اعتبار بود یا نبود، (9) وشغلے باشد کہ بے اختیار شاغل صادر شود (10) ونماز بے خطرہ کے میسر شود، (11) انسان را استعداد شناخت محض برابر بود یا نبود، (12) از تربیت ارواح معرفت حاصل گردد یا نہ (13) وبے نہایت در دل چگونہ گنجد (14) وطالب فانی گردد یا مطلوب، (15) طالب را بعد از موت وصل مطلوب ممکن باشد یا نہ، (16) وتفرقہ در درد عشق چیست؟

سوال اوّل: چیست اندریں راہ بدایت کار و نہایت کار؟

جواب: ہدایت کار رستن از اعتبار غیریت است و نہایت کار پیوستن با عتبار عینیت۔

سوال دوم: چیست معنی آنکہ سید الطائفہ در جواب ما النہایہ فرمود الرجوع الی البدایہ؟

جواب: در آغاز برداشتن نظر از عین بتو ہم غیر و در انجام پیوستن بخود بدر یافت عین، وجہ دیگر سلوک بدایت ناسوت است کہ مقام عرش الرحمٰن است و غایت سلوک از عروج بنزول است کہ بمرتبہ ایئہ (آئینہ) عرفان است ہمیں ناسوت است چہ عالم در رنگ حرکت دوریست، ہماں نقطہ کہ نہایت دائرہ است بدایت اوست۔

سوال سیوم: کدام است کہ گفتہ اند ''حجاب اکبر''؟

جواب: علم گر بر دل اند یارے بود

علم گر بر تن زند بارے بود

ہر علم کہ منفی تو ہم دوئی است حجاب اوست، بنظر دیگر ہر علم کہ تعلق برنو رتعینات بے ملاحظہ صاحبش یقین کہ حجاب اکبراست و بیافت ایں شکستہ ہر علم کہ باشد حجاب است، بجہت آنکہ صفات حجاب ذاتست ازیں سبب کہ عارفاں در مقام ارشاد بطالباں در عبادت علم را مقید بقیدے نگرفتہ اند۔

جواب: پوشیدہ نماند کہ کمال معرفت کہ مذاق صوفیان است از لوازم مرتبۂ نبوت باشد، معلوم نیست، وجمیع انبیاء بایں مرتبہ از روئے فضل بہرہ در باشند، ہمہ لازم نہ، اما جمیع انبیائے سابق از نیمرتبہ بہرہ تمام نداشتہ باشند، وایں ہم نہ، بلکہ بیقین دانستہ شدہ کہ نصیب عین ایشاں تجلی ذات بے حجب صفات بود، غایۃ الامر اتباع ایشاں بمرتبۂ توحید رسیدہ اند، دیگر احوال انبیاء در قرآن مجید بروجہ احسن مذکور است، ازنجا بادنی تامل بطریق اعلیٰ احوال بتفادت ظاہر میشود، لیکن چوں شان انبیاء، متدعی آن است کہ اسرار باشارہ میفر مایند کہ احکام فکر عامہ در یابد بتصریح لائح نمی سازند، نظر بحال ذکی وغبی، دگر بمذاق بعضے گدایان متوجہ شوند، نیک روشن میشود کہ ہیچ دورہ نبود کہ خالی از عارف کامل باشد۔

سوال پنجم: ترقی رانہایت بود؟

جواب:

اے برادار بے نہایت در گھے است
بر ھر آنچہ میروی بروے مایست
در مرتبہ ذات بجہت آنچنا میدانی

سوال ششم: ''ظلوماً جھوُلا'' در مذمت انسان است یا در مدح؟

جواب: درمقام ترحم انسان است

سوال ہفتم: ہرگاہ معدوم شدن موجود محال باشد، اشیاء راچوں معدوم تواں گفت؟

است، بوجہ کنایت از حقیقت مطلقہ است۔

سوال: نہم۔ شغلے بود کہ بے اختیار شاغل صادر شود؟

جواب: جان من، ہمہ ذی انفاس، شغل خویش مشغول اند، بے اختیار، اما منصب عارف بہ ہمیں واسطہ والاترا است کہ آگہی ازیں شغل بے کدوجہ تو دانستہ شاغل و ذاکر است۔

سوال دہم: نماز بے خطر کے میسر شود؟

جواب: نماز بے خطرہ وقتے وست وہد، کہ رجا و امید قلبی و قالبے کہ صفت مرات است از قوت جاذب عشق بذات ساذج برکندہ شود، ونہال ناامیدی برارض اللہ کہ دل باشد استقرار یابد، وچشم ظاہر و باطن بتماشاے امواج وحدت آں قدر محو شود کہ علم ایں معنی ہم نماند وپس از اقامت بلسان حال گویا گردو:

دریا بوجود خویش موجے دارد
خس پندارد کہ ایں کشاکش با اوست

دیگر نماز بے خطرہ میسر گردو کہ از خطرہ امواج تعینات لجہ وحدت نجات یابد، عزیزانے کہ نماز بے خطرہ مراوی وانند، حاشا کہ نماز بے خطرہ باشد، آرے ایں قدر ہست کہ حلاوت بہ تبدیلات خطرہ بہم میرسد، زیر اکہ ''انک لعلی خُلق عظیم'' انچہ اشارہ می فرمایند و بچہ دلالت مینمایند، اگر بنظر تحقیق ملاحظہ نمائی دریابی کہ نماز بے خطرہ است، از وجہ آنکہ صلوٰۃ کاملہ معراج مومن فرمودہ اند، ہر چہ واسط عروج است، خطرہ ملکی است، و بیک وجہ نماز بے خطرہ بعارف حاصل است، بمعرفت آنکہ جمیع خطرات راازمبدافیاض دانستہ وپس۔

جواب: اگر جمیع اراضی باستعداد باران رحمت مستعد روئیدن نبات باشد پس در انسان ہم استعداد شناخت محض برابر بود، ہر گاہ در اصول مفرودہ تفاوت بودہ، در فروع مرکب بطریق اولی، چنانچہ زبان حال مولوی بدیں معنی ناطق است۔

ماھی از سر کندہ باشد نے زوم

فافھم فتامل۔

سوال دوازدہم: از تربیت روح معرفت تمام حاصل گردد یا نہ:

جواب: از موحد محقق ایں استفسار پس عجب است، ہر گاہ انسان جامع باشد و چوں تربیتے حقیقی از ارواح خودمی یابد آرے تا بگرداب وہم گرفتار است نمودات را غیرمی یابد و فیضان را بداں منسوب می سازد۔

سوال سیزدہم: بے نہایت دردل چگونہ گنجد؟

جواب: دل را بمرتبہ بے نہایت است، فافہم داگر ایں معنی مستبعدمی نماند پس از گنجیدن بے نہایت بگذرد، خلاص۔

سوال چہاردہم: طالب فانی گردد با مطلوب؟

جواب: جان من ایں دو اسم از رحمت طلب بہم رسیدہ پس از حصول عرفاں بنفس ایں رحمت کہ برخواست زحمت الحاد پیش آمد:

سوال پانزدہم: طالب را بعد از موت وصل مطلوب ممکن باشد یا نہ؟

جواب: الموت جر یوصل الحبیب، الی الحبیب کامل ہر چہ فرمود رسیدہ فرمود، بلکہ کمال انساں بے موت ممکن نیست۔

سوال شانزدہم: تفرقہ درد و عشق چیست:

جواب: درزدبان عشق است:

ہرچہ در کائنات جز و کل اند

در رہ عشق طاقہائے پل اند

تم کلامہ۔

خط نمبر 2

جامع علوم ظاہری و باطنی، حاوئ مراتب صوری معنوی، الفانی فی اللہ شیخ محب اللہ را از محب فقراء دعا و سلام برسد، مکتوب ایشاں کہ مشتمل جواب سوالہا و اظہار شکر و رضا مندی از زمانہ خود کود بود رسدی، از مطالعہ آن مسرت و خوش وقتی روے داد ہم مشربی ایشاں معلوم خاطر گرویدہ، کجا است کسے کہ معتقد ایں مشرب بود یا از اہل ایں مشرب بود، چہ جاے آنکہ ایں مشرب را صاف دریافتہ باشد، بعضے از جواب ایشاں کہ مطابق خواہش ایں جانب بود، وبعضے را از ذوق و وجدان خود کہ موافق کتاب اللہ سنت رسول اللہ بود دریافت وآنکہ در جواب ہا ہمہ جا حوالہ بقول قد ما کردہ بودند تحقیق دانند کہ نزد ایں فقیر وجدے کہ موافق نیفتد بقول خدا او رسول بسے بہتر آنست (است) از انچہ در کتابہا نوشتہ باشند، چہ مدتے کتب حال مشائخ مطالعہ میکرد، چوں اختلاف بسیار

بروں می آید پرداخت۔

مرا هیچ کتابے دگر حواله مکن
که من حقیقت خود را کتاب می دانم

انچہ ازاں بحر بیروں آوردہ بود میخواست کہ در سلک تحریر آوردہ نزد ایشاں بفرستد تا انصاف بدہند اماں چوں لباس ظاہر وادب باطن تقاضائے آں نمیکرد وموقوف برخواہش واشارۂ ایشاں داشتہ اگر ازانجانب اشارہ رود بتفصیل ظاہر نمودہ خواہد شد۔

(ج) بنام شہزادۂ اورنگ زیب

رقعہ سلطان داراشکوہ کہ در حالت قید بہ بادشاہ عالمگیر نوشتہ

بھائی صاحب من، بادشاہ من!

خیال بادشاہی اصلا در دل نماند۔ شما وفرزندان شما مبارک، وفکر کشتن من بخاطر مبارک ناحق است، اگر یک حویلی قابل سکونت وکنیز کے از کنیزان مخصوص ما برائے خدمت عنایت شود، بگوشہ عافیت در دعائے آں صاحب اشغال نمائیم۔

مکالمہ دارا شکوہ و بابا جلال:

بابا جلال سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی کے ہندوستانی مصلحین میں سے تھا۔ وہ کبیر کے سلسلے کا ایک ہندو یوگی تھا جس نے وحدت الوجود صوفیوں اور بھگتی مارگ کے پیروکاروں کے عقائد کو ملا کر اپنے خیال میں ایک خالص توحیدی مذہب کی بنیاد رکھنا چاہی۔

وہ جہانگیر کے دور میں راجپوتانہ میں مالوہ کے مقام پر پیدا ہوا۔ اپنے گورو مشہور مصلح چیتن سوامی کے ساتھ پنجاب آیا اور مذہبی استغراق میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے بعد آخر کار پنجاب میں سرہند کے مقام پر آباد ہو گیا، جہاں اس نے ایک مندر کے ساتھ اپنی کٹیا بھی بنالی (21)۔

قندھار کی ناکام مہم سے واپسی پر دارا شکوہ 22 نومبر 1653ء کو لاہور پہنچا اور وہاں تقریباً تین ہفتے مقیم رہا۔ وہیں اس کی ملاقات بابا لال سے ہوئی۔ دارا شکوہ لکھتا ہے کہ بابا لال منڈیا مکمل عارفوں میں سے ہے اور میں نے ہندوؤں میں کسی کو بھی اس کے برابر باعظمت و با استقلال نہیں دیکھا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر قوم میں عارف اور کامل درویش ہوتے ہیں جن کے طفیل خدا اس قوم کو نجات دیتا ہے۔

لاہور میں شہزادہ دارا شکوہ کے قیام کے دنوں میں اس کے اور بابا لال کے درمیان سات مکالمے ہوئے۔ یہ مکالمے ہندی میں لکھے گئے اور بعد میں دارا شکوہ کے میر منشی رائے چندر بھان نے، جو فارسی زبان کا ایک عالم اور شاعر بھی تھا۔ ان کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ وہ اس تمام گفتگو کے دوران ایک ترجمان کا کام بھی کرتا رہا اس نے ''مکالمہ دارا شکوہ اور بابا لال'' کے نام سے اس گفتگو کی حرف بحرف روداد لکھی اور پھر اس نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا (22)۔

صف میں جگہ دیتا ہے، جن کو وہ اسلام میں صوفی سلسلے کے بہترین نمائندے سمجھتا ہے۔ مسلمانوں کی اس فہرست میں ایک ہندو کے نام کی شمولیت سے یہ ظاہر کرتی ہے کہ داراشکوہ اس کو احترام کی کس نظر سے دیکھتا تھا۔

آیئے اب ہم اس کتاب میں راہ تصوف کے ایک پر جوش راہی (داراشکوہ) کے چند سوالات اور اس کے راہبر (بابالال) کے جوابات دیکھیں۔ ہم نے کہیں کہیں ان جوابات پر تبصرہ بھی کیا ہے۔

دارا: ''ناذ'' کون ہے؟

بابا: ''ناذ'' وہ ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، نہ آغاز ہے نہ انجام۔

دارا: ''ناذ'' اور ''ویذ'' میں کیا فرق ہے؟

بابا: ''ناذ'' بادشاہ اور ''ویذ'' اس کا حکم۔

دارا: ہندوستان کی عوام کے لئے بت پرستی کی کیا اہمیت ہے؟ اور کس نے انہیں اس کا حکم دیا ہے؟

بابالال: یہ تو ارتکاز کی ایک مشق ہے۔ جسے روح کا علم ہو گا وہ بھلا ہئیت کی بات کیوں کرے گا، لیکن جو باطنی شعور سے محروم ہے اسے اپنے آپ کو کسی نہ کسی روپ سے منسلک کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی حقیقت ہے بت پرستی کی۔ جن کو روح کی معرفت نہیں ہے وہ شکل وصورت کے توسط سے اس کے حصول کے لئے یقیناً کوشاں ہوں گے، لیکن جونہی ان کو باطنی شعور حاصل ہو جائے گا وہ اس بت پرستی کو ترک کر دیں گے۔

بابالال کے جواب سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ہندو قوم کو آج بھی باطنی شعور حاصل نہیں کیونکہ ان کی بت

دارا: ہندوؤں کے صحیفوں میں یہ درج ہے کہ جسے کاشی میں موت آجائے اسے نجات مل جاتی ہے۔ کیا اس سے پرہیز گار اور گناہ گار ایک ہی سطح پر نہیں آجاتے؟

بابالال: کاشی علامتی طور پر وجود کی نشان دہی کرتا ہے اور جو کوئی وجود میں تباہ ہوتا ہے اسے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

دارا: رامائن میں یہ لکھا ہے کہ جب رام چندر نے راون کو شکست دے کر لنکا فتح کیا تو دونوں اطراف سے بہت سے آدمی مارے گئے۔ رام چندر نے ان مردوں پر آب حیات چھڑکا جس سے ان کی اپنی تمام مردہ فوج زندہ ہوگئی، لیکن راون کی فوج کے مقتولوں میں سے کوئی بھی زندہ ہوا۔ سب جانتے ہیں کہ آب حیات مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ پھر راون کے مردہ فوجی کیوں زندہ نہ ہوئے؟

بابالال: میدان جنگ میں راون کے لشکریوں کے ذہنوں میں رام چندر کا خیال چھایا ہوا تھا، چونکہ مرتے وقت ان کے دماغوں میں رام چندر ہی تھا۔ اس لئے ان کو مکتی (نجات) حاصل ہوگئی اور جن کو مکتی حاصل ہو جائے وہ پھر اپنے جسم میں کیوں واپس آئیں؟

داراشکوہ اور بابالال کی اس گفتگو کا یہ دلچسپ نتیجہ نکلتا ہے کہ حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ باطل کو نجات حاصل ہوگی کیونکہ ان کے ذہنوں میں ہر وقت اپنے مخالفین یعنی حق پرستوں کا خیال چھایا ہوگا۔

دارا: ہندو روایات کے مطابق ایک دفعہ شری کرشن گوپیوں کے سامنے اپنی اصلی شکل میں آئے تھے۔ کیا

بابالال: جو لوگ دنیاوی معاملات میں ملوث ہیں، انہیں یہ غیر مجسم شکل نظر نہیں آ سکتی۔ یہ صرف فقیروں اور سادھوؤں کو نظر آتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسانی جذبات کا دبا کر رکھا ہے۔

دارا: دماغ کی حقیقت کیا ہے؟

بابالال: دماغ ہماری ارواح کو ماں، باپ، بھائی اور عورتوں سے محبت کرنا سکھاتا ہے۔

دارا: دماغ نظر تو نہیں آ سکتا۔ اس کی ہئیت کیا ہے؟

بابالال: یہ تیز ہوا کی طرح ہے۔

دارا: وہ کیسے؟

بابالال: تیز ہوا درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے لیکن کسی کو نظر نہیں آتی۔ دماغ حواس سے کام لیتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔ اس لئے دماغ تیز ہوا کی طرح ہے۔

دارا: خالق اور مخلوق کے درمیان کیا فرق ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ ان میں وہی فرق ہے جو بیج اور درخت کے درمیان ہے۔

بابالال: نہیں، بلکہ خالق ایک دریا کی طرح ہے اور مخلوق دریا کی موج کی طرح، یا یوں کہئے کہ خالق ایک سمندر کی طرح ہے اور مخلوق کوزہ آب، یا پھر خالق ایک کان نمک ہے اور مخلوق دانہ نمک۔ اگر چہ ذات ایک ہی

دارا: اگر کوئی فرق نہیں تو ثواب وعذاب، آرام و بے آرامی اور راحت ورنج کس لئے؟

بابا: یہ ظرف کی تاثیر ہے جس طرح دریائے گنگا اور کوزے میں گنگا کا پانی۔

دارا: ان میں کیا فرق ہے؟

بابا: بہت فرق ہے۔ اگر کوزے والے گنگا کے پانی میں شراب کا ایک قطرہ ڈال دیا جائے تو تمام کے لئے شراب کا حکم ہے، لیکن شراب کے لاکھوں کوزے گنگا میں بہا دیئے جائیں تو وہ گنگا ہی رہے گی۔ اسی طرح پرم آتما خالص اور آزاد ہے اور جیو آتما قید وجود ہے۔

یہ مکالمے زیادہ تر مذہبی موضوعات پر ہیں، لیکن تصوف اور وحدت الوجودیت پر بھی گفتگو ہے۔ بعض اوقات بالکل معمولی باتوں پر تبصرہ ہے اور اکثر جوابات مبہم ہیں۔ ان مکالموں سے داراشکوہ کی سوچ کا جو انداز ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہندو لٹریچر اور علم الاصنام سے بخوبی آگاہ تھا۔

چرنجی لال کے مرتب کردہ یہ مکالمے 1885ء میں دہلی سے، منشی بلاقی داس کے مرتب کردہ (اردو ترجمے کے ساتھ) 1896ء میں دہلی اور ملک چنن دین لاہور کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔

بکر ماجیت حسرت لکھتا ہے (23) کہ ان سے مذکورہ بالا تین ہندوستانی ایڈیشنوں کا پیرس والے ایڈیشن سے مقابلہ کیا تو ان میں بڑا فرق نظر آیا۔ یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ اکثر کتابوں میں یہ کہا گیا ہے کہ بابا لال نے ہندی زبان میں داراشکوہ کے سوالات کے جوابات دیئے اور پھر چندر بھان برہمن نے ان کا فارسی میں ترجمہ کیا، لیکن دہلی اور لاہور ایڈیشن دیکھیں تو اس میں ہندی سے ترجمہ والی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بابا لال کے بعض جوابات عربی میں ہیں۔ مثلاً

گفتم که موجودات تکیه گاه فقیر چیست؟

فارسی میں ترجمہ کیا، لیکن دہلی اور لاہور ایڈیشن دیکھیں تو اس میں ہندی سے ترجمہ والی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بابا لال کے بعض جوابات عربی میں ہیں۔ مثلاً

گفتم کہ موجودات تکیہ گاہ فقیر چیست؟

(میں نے کہا کہ فقیر کی خانقاہ میں کیا کیا موجود ہے؟)

گفت المفلس فی امان اللہ

(اس نے کہا کہ مفلس اللہ کی حفاظت میں ہے)

گفتم برائے فقیر چہ مناسب است؟

(میں نے کہا فقیر کے لئے کیا مناسب ہے)

گفت لا الہ الا اللہ

(اس نے کہا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں)

ا۔ داراشکوہ، سرِ اکبر، مخطوطہ، کلکتہ یونیورسٹی لائبریری۔ و مخطوطہ نمبر E/103، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ و مخطوطہ نمبر 50، نظام سٹیٹ لائبریری، حیدرآباد و مرتبہ ڈاکٹر تارا چند و سید محمد رضا جلالی نائینی، طبع تہران۔ 1957ء۔

2۔ شاہ ولی اللہ، ہمعات، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، سندھ۔ صفحہ 16۔

3۔ علامہ ابن جوزی، تلبیس ابلیس، صفحہ 151۔ ترجمہ: ابو محمد عبد الحق، کارخانہ تجارت کتب، کراچی۔ صفحہ 211۔

4۔ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود: ایک غیر اسلامی نظریہ، قاضی پبلشرز، نیو دہلی، انڈیا 1993ء۔

5۔ محی الدین ابن عربی ، فصوص الحکم (مع تعلیقات بقلم ابو العلا عفیفی)، دار احیاء الکتب العربیہ۔ 1946ء۔ ترجمہ از محمد عبد القدیر صدیقی، نذیر سنز پبلشرز، اردو بازار، لاہور۔ 1992ء۔ فص موسوی: صفحہ 211 ترجمہ: صفحہ 415۔ فص ہارونی: صفحہ 192 ترجمہ صفحہ 384۔ فص نوحی: صفحہ 70 ترجمہ صفحہ 58، ساجد علی، الاعلام، لاہور۔ جلد 1، شمارہ 5، ستمبر 1982ء۔

6۔ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود، صفحہ 26، قاضی پبلشرز نیو دہلی انڈیا 1993ء

7۔ بحوالہ: رادھا کرشنن، انڈین فلاسفی، جلد اول

8۔ The New Encyclopedia of Religion: Vol.15, P.207

F.Max Muller, Sacred Books of the East, Vol.34, P.59

9۔ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود، صفحہ 27، قاضی پبلشرز نیو دہلی انڈیا 1993ء

10۔ رادھا کرشن انڈین فلاسفی: جلد اول، صفحہ 144۔ الطاف احمد اعظمی، وحدت الوجود، صفحہ 28، قاضی پبلشرز نیو دہلی انڈیا 1993ء۔

12۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔ جولائی 1994ء۔ جلد پنجم، صفحہ 291۔

13۔ Sacred Books of the East

14۔ بکرماجیت حسرت، داراشکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منو ہر لال پبلشرز، نیو دہلی، مطبع دوم، 1982ء۔

15۔ داراشکوہ، سر اکبر، مرتبہ ڈاکٹر تاراچند و سید محمد رضا جلالی نائنی، طبع تہران، 1957ء

داراشکوہ، سر اکبر، مرتبہ ڈاکٹر چند و سید محمد رضا جلالی نا ئینی، طبع تہران، 1957ء۔

16۔ سید نجیب اشرف ندوی (مرتب)، رقعات عالمگیری، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جلد اول، صفحہ 325۔

17۔ سید نجیب اشرف ندوی (مرتب)، رقعات عالمگیری، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جلد اول، صفحہ 319۔

18۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، مرتبہ سید محمد رضا جلالی نا ئینی و ڈاکٹر تاراچند، طبع تہران۔

19۔ سید نجیب اشرف ندوی (مرتب)، رقعات عالمگیری، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جلد اول، صفحہ 330۔

20۔ سید نجیب اشرف ندوی (مرتب)، رقعات عالمگیری، مطبع معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جلد اول، صفحہ 226۔

21- D. Wilson Religious Sects of Hindus, Journal Asiatique, Paris 1832.

22- Text of Mukaamla Baaba Laal wa Dara Shikoh, Journal of Asiatique, Paris, Tome CCIX, NO. II

23۔ بکرماجیت حسرت، داراشکوہ (بزبان انگریزی)، منشی رام منو ہر لال پبلشرز، نیو دہلی، مطبع دوم، 1982ء۔ صفحہ 245۔

فصل اول

پنجاب میں مراکز سلسلہ قادریہ کی خدمات تصوف

پاکستان کے صوبہ پنجاب.......... میں سلسلہ قادریہ کے فیض یافتہ مشائخ چھٹی صدی ہجری کے اواخر یعنی بارہویں صدی عیسوی ہی سے موجود تھے۔ ان مشائخ میں حضرت سلطان سخی سرور، حضرت لال حمید ملتانی اور سید شرف الدین پاک لاہوری رحمۃ اللہ کے اسمائے گرامی کتب تاریخ و تصوف میں تواتر کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ پنجاب میں سلسلہ قادریہ کی ترویج و اشاعت اور تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں حضرت سید محمد غوث اوچی (متوفی ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ھ)، حضرت شاہ معروف خوشابی (متوفی ۹۸۷ھ/۱۵۷۹ء) اور حضرت میاں میر لاہوری (متوفی ۱۰۴۵ھ) زیادہ شہرت کے حامل ہیں۔

چھٹی صدی ہجری:

اس صدی میں پنجاب میں جن شخصیات نے سلسلہ قادریہ کو متعارف کرایا ان میں مندرجہ ذیل تین ہستیاں قابل ذکر ہیں:

۱۔ سلطان سخی سرور سادری چشتی:

آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے فیض یافتہ مرید بیان کیے جاتے ہیں۔

''بغداد میں آپ حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے اور اس طرح ان سے بھی آپ نے سلسلہ قادریہ میں فیض پایا'' (۱)

آپ کی شہادت ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ مزار ڈیرہ خان بستی سخی سرور میں ہے۔

فتح پور سے بطرف غرب آپ کا مزار واقع ہے۔ وطن آپ کا بغداد شریف ہے۔ ولادت معلوم نہیں۔ آپ حضرت غوث الاعظم کے مرید بیان ہوتے ہیں اور انہی سے ولایت پائی۔ ایک لڑائی میں شہید ہوئے لیکن سر آپ کا میدان جنگ میں رہا اور دھڑ بدستور گھوڑے پر سوار اس جگہ آیا۔(۳) آپ بھی چھٹی صدی ہجری کے بزرگ کہے جاتے ہیں۔

۳۔ سید اشرف الدین:

آپ سید عبدالرزاق ابوبکر بن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے خلفاء میں سے تھے اور لاہور آ گئے تھے، حضرت سید عبدالرزاق کی وفات ۶۰۳ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں بغداد میں ہوئی۔ آپ نے بغداد شریف میں سلسلہ قادریہ میں بیعت کی تھی اور بعد ازاں لاہور میں تشریف لائے (۴)

مقبرہ کے باہر یہ تحریر ہے ''دربار عالیہ سید شرف الدین پاک خلیفہ سوم سید غوث الاعظم، یہ دربار حضرت سید قطب الاقطاب شرف الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ حضرت سید عبدالرزاق ابوبکر بن سیدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی المشہور ربابا گمٹی والا کا ہے۔ آپ کا وصال ۱۲۵۹ء/ ۶۴۸ھ کے قریب ہوا۔ اس زمانے میں معظم خان شیر خان خاندان مملوک کی طرف سے صوبیدار لاہور تھا۔ مزار اقدس گورنر ہاؤس کے سامنے باغ جناح میں روڈ منٹگمری ہال (چلڈرن پارک) میں ہے۔

آپ کے علاوہ لاہور ہی میں حضرت سید شاہ عالم قادری (متوفی ۹۰۶ھ/۱۵۰۰ء)(۴) اور سید عبدالخالق قادری (متوفی ۹۰۷ھ/۱۵۰۱ء)(۵) نے اسلام کی خوب تبلیغ و اشاعت فرمائی۔

ڈیرہ غازی خان، ملتان اور لاہور کے بعد ضلع بہاولپور کے خطہ پاک اوچ شریف میں سلسلہ قادریہ کے ایک اور بزرگ حضرت سید محمد غوث ابن سید شمس الدین حلبی تشریف لائے۔

''جناب اوچ شریف میں ۸۸۷ھ مطابق ۱۴۷۲ء میں تشریف لائے۔ آپ کے آباؤ اجداد میں سید ابوالعباس بن سید صفی الدین، ہلاکو خان کے ہمراہ بغداد میں ترک وطن کر کے حلب (شام) میں مقیم ہوئے۔

نیز سلسلہ قادریہ کو برصغیر میں آپ کی وجہ سے بہت عروج حاصل ہوا۔ ہزارہا انسانوں نے آپ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ سلطان حسن مزار حاکم سندھ اور سلطان سکندر لودھی بھی آپ کے مرید ہوئے۔"(۷) آپ کی وفات ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں ہوئی جو سکندر لودھی کا زمانہ تھا۔"(۸)

آپ کے بعد جن قادری مشائخ نے پنجاب میں سلسلہ قادریہ کو فروغ دیا ان میں آپ کی اولاد کے علاوہ حضرت شاہ فیروز گیلانی لاہوری (متوفی ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء) (۹)، سید عبدالقادر ثانی اوچی (متوفی ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء) (۱۰)، سید عبدالقادر گیلانی بن سید جمال الدین لاہوری (متوفی ۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) (۱۱)، اور حضرت سید مبارک حقانی اوچی (متوفی ۹۵۶ھ/۱۵۴۹ء) (۱۲) زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے پوتے حضرت سید جمال اللہ حیات المیر بن سید تاج الدین عبدالرزاق قادری مغلیہ دور میں نورالدین جہانگیر بادشاہ کے عہد میں لاہور تشریف لائے تھے، اور میانی کے قبرستان کے احاطے ہی میں قیام پذیر ہوئے تھے۔ اسی جگہ حضرت شاہ محکم الدین مقیم حجروی (م ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۶ء)، ان سے بیعت ہوئے، نیز کئی دوسرے لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور بے شمار لوگوں نے آپ سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ یہاں تک کہ لاہور میں آپ کا فیض عام ہو گیا۔(۱۳)

آپ کے علاوہ شاہ رضا قادری عطاری (م ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۶ء)، سید قطب الدین گیلانی (م ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء) اور مولانا تاج الدین قادری (م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۹ء) نے پنجاب میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کی اور تبلیغ اسلام کی خدمات انجام دیں۔

پنجاب کے تقریباً ہر بڑے ضلع میں سلسلہ قادریہ کے قائم کردہ دینی مراکز موجود ہیں۔ ان قدیم مراکز میں لاہور، ملتان اور بہاولپور ہیں جب کہ دیگر مراکز میں جھنگ، گجرات، قصور، گوجرانوالہ، خوشاب اور سیالکوٹ کافی مشہور ہیں۔

ان دینی مراکز سے تبلیغ اسلام، درس وتدریس، فی سبیل اللہ علاج بالقرآن اوتصنیف وتالیف کے امور سرانجام دیئے جاتے تھے اوراب بھی اکثر مراکز اسی طرز پر کام کررہے ہیں البتہ بعض مراکز صرف بزرگوں کی یادگاروں کے طور پر باقی رہ گئے ہیں۔

علماء مشائخ قادریہ نے نہ صرف پنجاب میں بلکہ پورے برصغیر میں مساجد، دینی مدارس، خانقاہیں اور کتب خانے قائم کرکے دین اسلام کی بھرپور خدمت کی۔ ذیل میں چند مراکز کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

لاہور:۔ لاہور میں سب سے پہلے سلسلہ قادریہ کے جن بزرگ نے مسجد تعمیر کروائی تھی وہ حضرت سید محمد غوث حلبی اوچی (متوفی ۹۲۳ھ) ہیں۔ ''سید محمد غوث گیلانی الحسنی الحلبی الاوچی قادری جب لاہور تشریف لائے تو انہوں نے محلّہ کوفت گراں میں قیام فرمایا اور یہاں ایک مسجد بھی بنائی تھی جو یقیناً سلسلہ قادریہ کی لاہور میں پہلی مسجد تھی۔'' (۱۴)

اسی طرح لاہور میں سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت سید شاہ عالم قادری (متوفی ۹۰۶ھ) کی قائم کردہ خانقاہ سب سے قدیم کہلاتی ہے۔

آپ (سید شاہ عالم قادری)، بغداد شریف سے لاہور تشریف لائے اور پھر دہلی کی طرف بزرگان دین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے تو لاہور ہی میں قیام فرما ہوگئے اور آبادی نواح ''مسجد لاڈو'' میں مقیم ہوئے۔ یہاں آپ نے ایک خانقاہ تعمیر کروائی اور رشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے۔ (۱۵)

۱۔ دربار حضرت سید مٹھا لاہوری (متوفی ۶۶۱ھ) لوہاری منڈی چوک

۲۔ دربار حضرت محمد اسحاق گازرونی (متوفی ۷۸۶ھ) مسجد وزیر خان اندرونی دہلی دروازہ

۳۔ دربار حضرت سید اسمٰعیل گیلانی (م ۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء) محلّہ لکھی

۴۔ دربار حضرت شاہ خیرالدین ابوالمعالی (متوفی ۱۰۲۴ھ) گوالمنڈی متصل قلعہ گوجر سنگھ

۵۔ دربار حضرت میاں میر (متوفی ۱۰۴۵ھ) نزد گڑھی شاہو، دھرم پورہ

۶۔ دربار حضرت مسکین شاہ امری (متوفی ۱۰۵۷ھ) لاہور چھاؤنی

۷۔ دربار حضرت جان محمد حضوری (متوفی ۱۰۶۵ھ) متصل گڑھ شاہو، علامہ اقبال روڈ

۸۔ خانقاہ حضرت سید ابوتراب المعروف گدا شاہ حسین (م ۱۰۷۱ھ) میو روڈ

۹۔ خانقاہ حضرت پیر سید محمد ہاشم (م ۱۰۸۷ھ) تکیہ املی والا درمیان لوہاری و بھاٹی دروازہ

۱۰۔ دربار حضرت پیر عبدالرحمٰن (م ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۰) کوٹلی پیر عبدالرحمٰن

۱۱۔ دربار حضرت شاہ عنایت (م ۱۱۴۱ھ) شاہرہ فاطمہ جناح

۱۲۔ دربار حضرت شاہ محمد غوث (م ۱۱۵۲ھ) بیرون دہلی گیٹ

۱۳۔ دربار حضرت حامد قادری (م ۱۱۶۶ھ) ویت مین روڈ، مغل پورہ

۱۴۔ مقبرہ امام غلام محمد المشہور رامام گاموں (م ۱۲۴۲ھ) گزرڑہ، نزد مسجد وزیر خان

۱۵۔ دربار حضرت سردار شاہ قادری (م ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) ہجویری محلّہ

۱۶۔ خانقاہ حضرت ابوالبرکات سید احمد شاہ (م ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) داتا دربار روڈ

۱۷۔ دربار حضرت عبدل امیر شاہ، کچہری روڈ

۱۸۔ آستانہ حضرت قاری محمد عبدالعزیز، ریلوے روڈ (احاطہ انجمن تعلیم القرآن)

۱۔ دربار حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش (م۱۰۶۴ھ) ساہنپال

۲۔ دربار حضرت پیر محمد سچیار نوشاہی (م۱۱۵۲ھ) نوشہرہ میانہ، جلالپور جٹاں

۳۔ دربار خان محمد قریشی (م۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) قلعہ دار

۴۔ دربار حضرت خواجہ ثناء اللہ خراباتی (م۱۲۹۷ھ) جلال پور جٹاں

۵۔ دربار حضرت قاضی سلطان محمود آوانی (م۱۳۳۷ھ) آوان شریف

۶۔ دربار حضرت سائیں کرم الٰہی (م۱۳۴۹ھ)

۷۔ دربار سید معصوم شاہ گیلانی (م۱۳۸۸ھ) چک سادہ

۸۔ دربار حضرت میاں نور محمد قادری منگوال شریف غربی

۹۔ دربار حضرت سید محمد حسین شاہ گیلانی کارد والی

۱۰۔ دربار حضرت گل پیر قادری ڈھوڈوا شریف

ملتان:۔

۱۔ دربار حضرت لال حمید (شہید چھٹی صدی ہجری) فتح پور میلسی

۲۔ دربار سید علی سرور (متوفی اوائل ساتویں صدی ہجری) کہروڑ، لودھراں

۳۔ مخدوم عبدالرشید حقانی (م۶۶۹ھ)

۴۔ دربار سلطان ایوب قتال دنیاپور (م۷۶۶ھ/۱۳۶۵ء)

۵۔ دربار سلطان ابوبکر (م۸۲۰ھ/۱۴۴۷ء) دہروڑ واہن

۶۔ دربار حضرت شاہ علی محمد (م۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء) موضع شیر شاہ

۷۔ دربار حضرت موسیٰ پاک شہید گیلانی (م۱۰۰۱ھ) پاک گیٹ

۹۔ دربار موسیٰ پاک ہی میں آپ کی اولاد میں سے شیخ عبدالقادر ثالث پان (م۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ھ)

۱۰۔ دربار سید محمد غوث ثانی (م۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء) اور

۱۱۔ صدرالدین شاہ (م۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء) زیادہ مشہور ہوئے

۱۲۔ دربار مولانا عبیداللہ (م۱۳۰۵ھ) قدیر آباد

۱۳۔ دربار حضرت خواجہ پیر محمد سعید (م۱۳۸۲ھ) جلالپور والہ شجاع آباد

۱۴۔ آستان حضرت پیر سید محمد باقر قمیص القادری، القمیص منزل بلاک نمبر ۸ خانیوال (خانیوال اب خود ضلع بن چکا ہے)

جھنگ:۔

۱۔ دربار حضرت سلطان فتح محمد (م۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء) قصبہ واسو

۲۔ دربار حضرت شاہ برہان بخاری (م۱۰۶۱ھ/۱۶۵۰ء) چنیوٹ

۳۔ دربار حضرت سلطان باہو (۱۱۰۲/۱۶۹۰ء) شورکوٹ

۴۔ دربار حضرت پیر عبدالقادر ثانی (م۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء) پیر کوٹ سدھانہ شریف

۵۔ دربار حافظ محمد صدیق لالی (م۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء) لالیاں

۶۔ دربار سلطان ہاتھی وان سید امان اللہ (م۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء)

۷۔ دربار حضرت سلطان نور احمد (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) شورکوٹ

۸۔ دربار حضرت حاجی احمد درویش (م۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء)

۹۔ دربار حضرت خواجہ محمد سراج الدین کوٹ لکھنانہ باہنی شریف

۱۔ دربار پیر سید احمد شاہ نوشاہی (م۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء)

۲۔ دربار پیر فقیر اللہ بدوملہی (م۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)

۳۔ دربار مولانا شریف رضوی (متوفی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کوٹلی لوہاراں

۴۔ دربار مولانا امام الدین رضوی (م۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء)، ایضاً

۵۔ دربار حاجی حسین بخش نوشاہی (م۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) نارووال لائن

۶۔ دربار حضرت سید احمد حسین شاہ گیلانی، منڈیر سیداں

۷۔ دربار سید محبوب عالم گیلانی، ظفروال

۸۔ دربار حضرت بابا شہسوار شمس، نارووال

شیخوپورہ:۔

۱۔ دربار حضرت مولانا محمد اعظم نوشاہی (م۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء) میرو وال

۲۔ دربار حضرت ذاکر حسین شاہ گیلانی (م۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء) شاہ کوٹ

۳۔ دربار حضرت خلیفہ غلام محمد، شاہ کوٹ

۴۔ دربار عالیہ قادریہ، حضرت پیر میاں فرزند علی شاہ نوشاہی فتحپوری شریف

۵۔ آستانہ حضرت سید وارث شاہ، جنڈیالہ شیر خان (متوفی بارہویں صدی ہجری)

ساہیوال:۔

۱۔ دربار حضرت شیخ داؤد کرمانی (م۹۸۲ھ/۱۵۷۴ء) شیر گڑھ

۲۔ دربار حضرت موسیٰ قطب الدین (م۹۹۹ھ/۱۵۹۱ء) قبول، شریف مقیم

۴۔ دربار حافظ قائم الدین (م۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء) پاک پتن (پاک پتن بھی اب ضلع بن چکا ہے)

۵۔ دربار سید سردار علی شاہ (م۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء) حجرہ

۶۔ دربار حضرت مخدوم پیر سید محمد مصطفیٰ گیلانی، ہڑپہ

۷۔ دربار حضرت میاں خدا بخش قادری

قصور:۔

۱۔ دربار حضرت صدر دیوان قادری (متوفی تیارہویں صدی ہجری) کوٹ صدر دیوان

۲۔ دربار حضرت حافظ عبداللہ المعروف بلھا شاہ قادری شطاری (م۱۱۸۱ھ) ریلوے روڈ

۳۔ دربار حضرت مخدوم سید عبدالخالق قادری (م۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء) بستی عبدالخالق کھیم کرن روڈ

۴۔ دربار حضرت خواجہ محمد صادق (م۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء) کوٹ غلام محمد

۵۔ دربار حضرت سید ولایت شاہ ہمدانی (م۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) بستی چراغ شاہ

سرگودھا:۔

۱۔ دربار حضرت سخی شاہ سلیمان نوری حضوری (م۱۰۶۵ھ/۱۶۵۴ء) پرانا بھلوال

۲۔ دربار شیخ تاج محمود (م۱۱۲۳ھ/۱۷۱۱ء)

۳۔ دربار حضرت سید امری شاہ (م۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء) بھیرہ، بھلوال

۴۔ دربار حضرت پیر سید سردار شاہ گیلانی، چک نمبر ۱۹، جنوبی بھلوال

۵۔ دربار حضرت پیر سید یوسف گیلانی، منڈی پھلروان، بھلوال (م۲۷ ربیع الثانی

گوجرانوالہ:۔

۱۔ دربار حضرت شیخ بہلول دریائی (م۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء) جھنگڑ شاہ بہلول

۲۔ دربار حضرت شاہ جمال نوری (م۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء) بیرون کھیانی دروازہ

۳۔ دربار حضرت شیخ عبدالرحمٰن نوشاہی (م۱۱۵۳ھ/۱۷۴۰ء) بھڑی شاہ

۴۔ دربار محمد اشرف فاروقی نوشاہی (م۱۲۲۵ھ/۱۸۰۱ء) موضع کالے والا

۵۔ دربار حضرت غلام قادر شائق رسول نگری (م۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء)

۶۔ دربار میں شمس الحق (م۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) گوجرانوالہ

بہاولپور:۔

۱۔ دربار حضرت سید محمد غوث گیلانی (م۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء) محلہ گیلانیہ، اوچ شریف

۲۔ دربار حضرت مخدوم مبارک حقانی (م۹۵۶ھ) اوچ شریف

۳۔ خانقاہ غوثیہ حضرت سید حامد گنج بخش (م۹۷۸ھ) اوچ شریف

۴۔ دربار پیر سید صدر الدین نوشاہی (م۱۲۴۰ھ/۱۸۲۲ء)

رحیم یار خان:۔

۱۔ دربار حضرت میراں محمد شاہ خانپور

۲۔ دربار حضرت محمد یوسف قادری نور والی سرکار، صادق آباد

۳۔ دربار حضرت فقیر شیخ غلام رسول، روتی شریف صادق آباد (م۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء)

(م ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۱ء) گڑھی اختیار خاں شاہ آباد

جہلم:۔

۱۔ دربار فتح محمد نوشاہی (م ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء) ساگری

۲۔ دربار حضرت میراں سید شاکر شاہ گیلانی (م ۱۱۸۲ھ/ ۱۷۶۸ء) جلال پور پنڈ دادن خان

۳۔ دربار حضرت میاں محمد بخش (م ۱۳۴۲اپ/ ۱۹۰۴ء) کھڑی شریف

۴۔ دربار حضرت پیر سید ظہور احم شاہ (م ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء) جلالپور

۵۔ دربار حضرت میاں حبیب اللہ خان، قاضیان گوجر خان

خوشاب:۔

۱۔ درگاہ حضرت شاہ معروف (م ۹۸۷ھ/ ۱۵۷۹ء)

۲۔ دربار حضرت پیر سید غلام دستگیر شاہ گیلانی وڑچھ شریف

۳۔ دربار حضرت پیر محمد شریف سادری، انگہ شریف

۴۔ دربار مولانا فتح الدین اذبر (م ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۶ء)، احاطہ مسجد حافظ خان محمد

اسلام آباد:۔

۱۔ دربار حضرت شاہ عبداللطیف بری امام (م ۱۱۱۷ھ/ ۱۸۰۵ء) نور پور شاہاں

۲۔ دربار حضرت سید امام علی شاہ

۱۔ دربار عالیہ قادریہ پیر سید مہر علی شاہ (م ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء) گولڑہ شریف

۲۔ آستانہ عالی قادریہ، پیر صاحب دیول شریف فیض آباد

اٹک:۔

۱۔ شیخ محمد یحیٰی المعروف بہ حضرت حاجی صاحب (م ۱۱۳۲ھ/ ۱۷۲۰ء)

۲۔ دربار حضرت حاجی پیر سید قاسم علی شاہ گیلانی (م ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۶ء) مکھڈ شریف

۳۔ دربار فضل الٰہی (م ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء) حضرو

۴۔ دربار حضرت پیر سید علی نقی (م چودھویں صدی ہجری) مکھڈ شریف

ٹوبہ ٹیک سنگھ:۔

۱۔ دربار حضرت پیر سید قطب علی شاہ (م ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء) سندھیلیانوالی

۲۔ دربار قادر بخش، حضرف سید محمد عبداللہ شاہ چک قادر بخش نزد کمالیہ (م ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء)

ڈیرہ غازی خان:۔

۱۔ دربار حضرت سلطان سید احمد سخی سرور (م ۵۷۷ھ) شاہ کوٹ، بستی سخی سرور

۲۔ دربار قاضیؒ امام بخش شیروی (م ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۷ء)

۳۔ دربار حضرت شاہ ولایت علی گیلانی (م ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء)

ا۔ دربارہ مولانا حافظ شیخ محمد بری، دیپالپور

بہاول نگر:۔

ا۔ دربار مولانا محمد حبیب اللہ نعمانی (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) ہارون آباد

آپ کی ولادت ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں ضلع امرتسر کے گاؤں کمبو میں ہوئی۔ آپ تقریباً بیس کتابوں کے مصنف تھے جنہیں تفسیر نعمانی (۲۲ پارے) زیادہ مشہور ہوئی (تذکرہ اکابر اہلسنت ،ص ۱۳۳، ۱۳۴)

فیصل آباد:۔

ا۔ دربار حضرت مولانا سردار احمد قادری (متوفی ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء) گول باغ جھنگ بازار

میانوالی:۔

ا۔ دربار حضرت حاجی غلام قادر، کندیاں شریف

۱۔ تذکرہ اولیائے پاکستان، علام فقری، لاہور، شبیر برادران ۱۹۸۷ء، ص۔۱۲۹

۲۔ اولیائے ملتان، فرحت، ملتانی، مکتبہ تنویر ادب ۱۹۸۲ء، ص۔۲۲۸

۳۔ مدینۃ الاولیاء، محمد دین کلیم قادری، لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۶ء، ص۔۸۱

۴۔ ایضاً، ص۔۸۲

۵۔ ایضاً، ص۔۸۳

۶۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محمد دین کلیم قادری، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۷۵ء، ص۔۱۲۴

۷۔ ایضاً، ص۔۱۲۵

۸۔ ایضاً، ص۔۱۲۶

۹۔ مدینۃ الاولیاء، محولہ بالا، ص۔۸۴

۱۰۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محولہ بالا، ص۔۱۲۶

۱۱۔ مدینۃ الاولیاء، محولہ بالا، ص۔۱۲۶

۱۲۔ ایضاً، ص۔۱۲۲

۱۳۔ ایضاً، ص۔۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص۔۴۰

۱۵۔ مدینۃ الاولیاء، محولہ بالا، ص۔۸۲

☆ (الف) تذکرہ مشائخ آرائیاں، احمد بدر اخلاق، میاں محمد احسن اخلاق لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۴۷۔۷۵

صوفیائے قادریہ پنجاب کی علمی و دینی خدمات

صوبہ پنجاب میں علماء ومشائخ قادریہ نے نہ صرف قیام پاکستان سے قبل بلکہ اس کے بعد بھی استحکام پاکستان کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے بھرپور دینی وعلمی خدمات سرانجام دیں۔ تبلیغ واشاعت اسلام اور خدمت خلق کے لئے ان بزرگوں نے مساجد، دینی مدارس، خانقاہیں، کتب خانے اور فلاحی ادارے قائم کیے۔

قیام پاکستان کے بعد سے پنجاب کے جن قادری علماء ومشائخ نے نمایاں دینی اور علمی خدمات انجام دیں ان کی تفصیل علیحدہ علیحدہ پیش کی جاتی ہے۔

۱۔ حضرت سائیں فتح الدین:

''سائیں فتح الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار حضرت قاضی سلطان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ (قادری ،متوفی ۱۹۱۹ء) کے خاص مریدوں میں ہوتا ہے۔ حضرت سائیں فتح الدین المعروف بہ فتح شاہ موضع مقصود پور ریاست کپورتھلہ ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، اوائل عمر ہی سے آپ عبادت وریاضت کا شوق رکھتے تھے۔ اس لئے آپ نے گاؤں سے باہر کٹیا بنائی ہوئی تھی اور اسی میں اقامت گزیں ہوگئے۔ آپ حضرت قاضی سلطان محمود علیہ الرحمہ سے بیعت ہوکر مستقل طور پر آوان شریف (ضلع گجرات) میں اقامت گزیں ہوگئے اور عبادت وریاضت میں مشغول ہوگئے۔ جس میں چکی پینے کا وظیفہ بھی شامل تھا۔ آپ مسلسل اٹھارہ برس آوان شریف میں حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں رہے۔ اٹھارہ سال کے بعد مرشد نے فرمایا کہ سائیں فتا آپ اپنے گاؤں واپس چلے جاؤ۔

جوق آپ کے پاس آنے لگے اور گناہوں سے توبہ کرکے راہ حق پر چلنے لگے۔

۱۹۴۷ء میں ہجرت کرکے لاہور تشریف لائے اور اپنے مرید ماسٹر الٰہی کے پاس مقیم ہوگئے اور ۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء ذیقعد ۱۳۶۶ھ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ عمر ۷۵ اور ۹۰ سال کے درمیان پائی۔ آپ کو احاطہ پاکدامن میں دفن کیا گیا۔''

۲۔ حضرت نور اللہ شاہ:

ولادت:۔ سید نور اللہ شاہ بن مولانا سید چراغ شاہ بن سید محمود شاہ، ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ درس نظامی کی ابتدائی کتب مولانا سید میر حسن سیالکوٹی سے پڑھیں۔ برادر بزرگ سید عبداللہ شاہ سے تکمیل تعلیم کی۔'' (۱)

خدمات:۔ ''آپ نے حضرت شاہ دولہ دریائی اور حضرت قاضی سلطان محمود قادری (آوانی) کی تعریف میں ''شجرہ قادریہ غفوریہ'' نظم فرمایا۔ آپ کے اردو، پنجابی اور فارسی قصائد کا اور شجرات کا مجموعہ ''چشمہ نور'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ ردشیعہ میں آپ کی اہم کتاب ''تحفہ شیعہ'' اندر پریس سیالکوٹ سے شائع ہوئی تھی''۔ (۲)

وفات:۔ ماہ جون ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء میں آپ کا وصال ہوا، اور پائیں درگاہ حضرت امام علی الحق علیہ الرحمہ سیالکوٹ میں مدفون ہوئے۔ (۳)

۳۔ حضرت میاں شمس الحق:

ولادت:۔ حضرت میاں شمس الحق ابن حافظ غلام شاہ قادری ۱۸۸۲ھ/۱۳۰۰ھ میں شملہ میں پیدا ہوئے۔

خدمات:۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے گوجرانوالہ تشریف لائے اور والد کے سجادہ نشین کی حیثیت سے رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ غریبوں کے بڑے ہمدرد تھے ضرورت مندوں کی امداد کرتے اور خدمت خلق میں مشغول رہتے تھے۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۹۴۸ء/ ۱۲۶۷ھ میں گوجرانوالہ میں ہوئی اور آپ وہیں مدفون ہیں۔(۴)

۴۔ حضرت مخدوم محمد رضا شاہ:

ولادت:۔ حضرت مخدوم رضا شاہ گیلانی ابن سید صدر الدین گیلانی قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۶ء/۱۳۱۴ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کرنے کے بعد چیفس کالج لاہور میں داخل ہوئے اور تھوڑے عرصے میں کالج میں نمایاں مقام حاصل کرلیا۔ دوران تعلیم اس جرم کی پاداش میں کہ آپ مسجد میں جا کر طلبہ کو ترکوں کی حمایت پر اکساتے ہیں۔ کالج سے فارغ کر دیا گیا۔ لیکن جب سر اڈوائر کو علم ہوا تو اس نے آپ کو دوبارہ داخل کرادیا۔

خدمات:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مسلمانان ہند کی آزادی کی کوششیں تیز کر دیں۔ ۱۹۲۱ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۳۴ء میں پہلی بار سرکاری امیدوار کا مقابلہ کیا اور مسٹر ای۔ پی۔ مون، ڈپٹی کمشنر ملتان کو شکست فاش دیکر چیئر مین کا اعزاز حاصل کیا۔ اس طرح پورے ہندوستان میں پہلے غیر سرکاری چیئر مین منتخب ہوئے اور تا زیست اس منصب پر فائز رہے۔(۵)

اس دوران آپ دینی تعلیم پر خصوصی زور دیتے رہے، اکثر مساجد میں مکاتب قائم کئے۔ ضلع بھر کے رفاہی کام کرائے، سڑکیں بنوائیں، اسکول بنوائے، اپنے آرام کو عوام کے مفاد پر خیر باد کہہ دیا کرتے تھے۔

کے دل میں یہی تمنا تھی کہ خلق خدا کی بڑھ چڑھ کر خدمت کریں۔

آپ ملتان میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے ہیں۔آپ نے اپنے اثر ورسوخ کے باعث مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنادیا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے مسلم لیگ سے جو تعاون کیا وہ مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ پنجاب اسمبلی میں صرف ایک رکن ملک برکت علی مسلم لیگی تھے اور بقیہ دور آپ اور آپ کے بھتیجے مخدوم زادہ سید محمد ولایت حسین گیلانی تھے۔ خضر وزارت میں آپ کو وزارت کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرادیا۔ آپ کے پائے ثبار میں کبھی لغزش نہ آئی۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن ہونے کے علاوہ پنجاب لیگ کی مجلس عاملہ کے ممبر رہے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ تمام عمر غالب رہا۔ ''تحریک شہید گنج'' میں آپ نے فعال کردارادا کیا اور حکومت وقت کی مخالفت کی بالکل پرواہ نہ کی۔

۱۹۳۸ء میں ملتان کے مسلم عوام کے بے تاج بادشاہ حضرت سید زین العابدین گیلانی (صدر انجمن فدایان اسلام وڈسٹرکٹ مسلم لیگ) کو مہا سبھایوں کے گٹھ جوڑ کے نتیجے میں گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا گیا تو شہر کے تمام مسلمانوں نے ہڑتال کی۔ اس وقت آپ نے گورنر کو متنبہ کیا کہ اگر پیر زین العابدین کو ۲۴ گھنٹوں کے اندر رہا نہ کیا گیا تو وہ تحریک کی قیادت کے لئے میدان میں نکل آئیں گے اور اگر حالات زیادہ بگڑ گئے تو اس کی تمام تر ذمہ داری گورنمنٹ پر عائد ہوگی۔ اس پر انگریز حکام کی اکڑی ہوئی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں اور دوسرے روز شاہ صاحب کو باعزت طور پر رہا کیا۔ تحریک پاکستان میں آپ نے بے مثال کردارادا کیا۔ آپ نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ کے بے لوث ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔

وفات:۔ ۶ جمادی الاول ۱۳۶۸ھ/ ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو آپ نے طویل علالت کے بعد سفر آخرت اختیار فرمایا۔ ہر سال درگاہ پیران پیر میں آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔''(۶)

۵۔ <u>مخدوم سید غلام مصطفیٰ شاہ:۔</u>

۱۸۷۸ھ/ ۱۲۹۵ھ میں ملتان میں ہوئی''۔(۷)

تعلیم وتربیت:۔ آپ کے والد سید صدر الدین شاہ نے بچپن سے آپ کی تربیت کی اور وہ آپ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''میں نے ان کے بچپن سے لے کر اپنی عمر کے آخر تک ان کا کوئی گناہ نہیں دیکھا''۔

خدمات:۔ والد ماجد کی وفات کے بعد ۱۳محرم الحرام ۱۳۲۹ھ میں آپ کو جانشین نامزد کیا گیا۔آپ نے اپنے خرچ سے ۱۹۴۲ء میں از سر نو روضہ مبارک حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مسجد تعمیر کرائی۔(۸)

آپ نے تمام عمر اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔

وفات:۔ آپ ۷اپریل ۱۹۴۹ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔آپ کے سات فرزند تھے۔آپ کا مزار حضرت موسیٰ پاک شہید کے دربار کے اندر واقع ہے۔(۹)

۲۔ <u>پیر افضل شاہ گیلانی:۔</u>

پیدائش:۔ ''پیر سید الحاج محمد افضل شاہ گیلانی ابن سید محمد فضل شاہ گیلانی علیہ الرحمہ ۱۹۰۵ء میں پیر کوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ اپنے والد کے اکلوتے بیٹے تھے۔آپ کے والد آپ کے بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے۔ اس لئے آپ کے چچا سید محمد گیلانی نے آپ کو مروجہ علوم کی تعلیم دلوائی۔آپ اپنے چچا سید محمد گیلانی علیہ الرحمہ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور انہی سے خلافت بھی پائی۔

خدمات:۔ چچا کی وفات کے بعد آپ ان کے جانشین ہوئے اور مخلوق خدا کو وعظ ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا ۔آپ نے اکابر علمائے اہلسنت کے ساتھ مل کر سندھ کے راشدی خاندان کے پیر صبغتہ اللہ راشدی (شہید ۱۹۴۳ء) کے صاحبزادگان سید نادر علی شاہ اور سید مردان علی شاہ کو علی گڑھ سے لا کر پیر جو گوٹھ میں انکی گدی

وفات:۔ آپ نے اگست ۱۹۴۹ء میں وفات پائی اور اپنے اجداد کے جوار میں پیر کوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں سپرد خاک ہوئے۔

آپ کے تین صاحبزادے سید محمد ابراہیم شہید، سید آفتاب احمد شاہ گیلانی (م ۱۴ ستمبر ۱۹۶۹ء) اور سید مہتاب شاہ گیلانی ہوئے۔

صاحبزادگان کے علاوہ غلام قادر خان عرف مجنوں بہاولپوری اور پتھر جو اپنی عرفیت سے مشہور تھے (م ۱۹۷۰ء) بھی آپ کے خلفاء میں تھے۔(۱۰)

۷۔ حضرت میاں خدا بخش:۔

ولادت:۔ میاں صاحب کی ولادت بمقام جالندھر ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ ابتدائی تعلیم کے بعد نوجوانی کے عالم ہی میں بغداد شریف چلے گئے اور وہاں چالیس سال تک حضرت غوث الاعظم قدس سرہ کے روضہ مبارک پر قیام پذیر رہے۔ وہاں آپ نے حضرت احمد شرف الدین کلید برادر سے بیعت کی۔

خدمات:۔ پیر و مرشد کے حکم سے آپ جالندھر واپس تشریف لائے اور جالندھر کی نواحی بستی ''سید کبیر'' میں مقیم ہوئے۔ وہاں سے آپ لاہور تشریف لاتے رہے اور خلق خدا کو اپنے چشمہ فیض سے سیراب کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ یہاں آئے مگر مستقل اقامت ساہیوال میں اختیار کی اور تبلیغ و اشاعت اسلام میں مصروف رہے۔ آپ نے تقریباً سو سال رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیا۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۴۵ سال کی عمر میں ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ ۱۹ جولائی ۱۹۵۰ء میں ہوئی۔ آپ کا مزار ساہیوال شہر کے ''پیر بخاری قبرستان'' میں ہے۔(۱۱)

پیدائش:۔ آپ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں ۱۸۶۱ء/ ۱۲۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ علوم دینیہ کی تکمیل اپنے والد مولانا عبدالرحمٰن سے کی۔ آپ مولانا احمد رضا خان بریلوی سے سلسلہ عالیہ قادریہ میں خلافت یافتہ تھے۔ آپ کو ''فقیہ اعظم'' کہا جاتا ہے۔ (۱۲)

خدمات:۔ حضرت فقیہ اعظم نے فقہ حنفی کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں۔ حضرت فقیہ اعظم نے پنجاب کے اطراف واکناف کے علاوہ کلکتہ اور بمبئی وغیرہ جیسے مقامات تک سنیت وحنفیت کا پیغام پہنچایا۔ ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' بنارس کے تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی اور تحریک پاکستان کی حمایت میں جگہ جگہ تقریریں کیں اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت ومعاونت پر تیار کیا۔ (۱۳)

تصانیف:۔ حضرت فقیہ اعظم کی کوششوں سے امرتسر ہی سے ''الفقیہ'' کے نام سے ہفت روزہ جاری ہوا۔ اس جریدے کے علاوہ دیگر موقر جرائد میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

۱۔ تائید الامام باحادیث خیر الانام (حافظ ابوبکر ابن ابی شیبہ کی تالیف الرد علیٰ ابی حنفیہ کا محققانہ رد)

۲۔ نماز حنفی مدلل ، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور

۳۔ صداقت الاحناف، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور

۴۔ کتاب التراویح

۵۔ ضرورت فقہ

۶۔ کشف الغطأ عن مسئلہ الندا

۷۔ اربعین حنفیہ، مطبوعہ کتب خانہ ماہ طیبہ سیالکوٹ (س ن)

۸۔ اربعین نبویہ، مطبوعہ مرکزی انجمن اشاعت اسلام پاکستان

۹۔ اخلاق الصالحین، مطبوعہ ناظم کتب خانہ سیالکوٹ

۱۰۔ فرقہ شیعہ کی ابتداء

۱۲۔ تصور شیخ

۱۳۔ کتب الوتر

۱۴۔ مستورات کی نماز

۱۵۔ دعا کے بعد جنازہ

آپ کے پندرہ رسائل کا مجموعہ ''دلائل المسائل'' کے نام سے مکتبہ نبویہ لاہور سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ'' فقہ الفقیہ'' بلا سن طباعت، فرید بک اسٹال، لاہور سے شائع ہوئی۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۹۰ برس کی عمر میں ۱۵ جنوری ۱۹۵۱ء/ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ میں ہوئی دربے والی مسجد کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار پر انور ہے۔ آپ کے صاحبزادے مولانا ابوالنور محمد بشیر قادری آپ کے جانشین اور علمی ورثہ کے امین ہیں۔

۹۔ <u>حضرت حاجی احمد درویش:۔</u>

پیدائش:۔ آپ کی ولادت ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء میں ہوئی۔ آپ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے بلوچ قبیلہ کے چشم و چراغ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں حاصل کی، شرعی علوم اپنے والد سے اخذ کئے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ علما و صوفیاء کی صحبتوں میں بیٹھے۔ جھنگ آنے سے قبل بغداد شریف گئے اور وہاں سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

خدمات:۔ آپ نے تمام عمر شریعت مطہرہ کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سرانجام دیا۔ آپ کی کوششوں سے بہت سے گمراہ راہ راست پر آئے۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۱ء میں ہوئی۔ آپ کا مزار اقدس شہید روڈ جامعہ مسجد نور کے احاطہ

۱۰۔ حضرت مولانا غلام بھیک نیرنگ:

پیدائش:۔ حضرت مولانا غلام بھیک نیرنگ انبالوی ۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ میں موضع دورانہ ضلع انبالہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے ۱۸۹۰ء میں انبالہ میں میٹرک کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔اے کا امتحان اعلیٰ پوزیشن میں پاس کرنے کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا۔(۱۵)

نیرنگ شاعر بھی تھے اور نواب مرزا داغ دہلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ آپ علامہ اقبال کے ساتھ مل کر مشق سخن کیا کرتے تھے۔(۱۶)

آپ شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین شاہ اشرفی کچھوچھوی سے بیعت تھے۔ حضرت اشرفی علیہ الرحمہ نے اپنے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا۔(۱۷)

آپ نے شاہ علی حسین کا فارسی اردو اور ہندی کلام ''تحائف اشرفی'' کے نام سے مرتب کر کے ۱۹۱۵ء میں شائع کیا۔ اس کے آغاز میں اپنے مرشد کے مختصر حالات لکھے۔ اور ان کے کلام پر مختصر رائے دی۔

خدمات:۔ ''نیرنگ کو ادب سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں جب شیخ سر بعد القادر نے رسالہ ''مخزن'' جاری کیا تو اس میں نیرنگ لکھنے والوں میں سرفہرست تھے، ۱۹۰۴ء میں شیخ سر عبد القادر بیرسٹری کرنے کے لئے انگلستان گئے تو مخزن کی تمام تر ذمہ داری نیرنگ نے سنبھال لی۔

آپ کی کوششوں سے انبالہ میں ایک اسلامیہ اسکول قائم ہوا۔ اس اسکول کا انتظام انجمن اسلامیہ انبالہ کے ذمہ تھا۔ میر نیرنگ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۳ء تک اس کے صدر رہے۔ آپ ادبی تحریکوں اور جلسوں میں بھی برابر حصہ لیتے رہتے تھے۔

۱۹۰۳ء میں ''آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس'' کا اجلاس ہوا جو دہلی میں سر آغا خان کی زیر صدارت ہوا۔

جوہر حکیم اجمل خان، مولوی نزیر احمد دہلوی، خواجہ غلام ثقلین، مولانا ظفر علی خان، بابائے اردو مولوی عبدالحق، شبلی نعمانی وغیرہ کے ساتھ نیرنگ نے بھی نمایاں حصہ لیا۔ آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی مجلس منتظمہ اور کورٹ سے اور ندوۃ العلماء لکھنؤ سے بھی منسلک رہے اور دہلی یونیورسٹی کورٹ کے رکن بھی منتخب ہوئے۔

وکالت، شاعری اور ادبی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مذہبی، قومی اور سیاسی تحریکوں میں بھی نمایاں حصہ لیا آپ مذہب وملت کا بہت زیادہ درد رکھتے تھے۔

۲۴۔۱۹۲۳ء میں جب شدھی تحریک آگرہ، متھرا اور بھرت پور وغیرہ میں شروع ہوئی تو مولانا نیرنگ نے اس کی مخالفت میں نمایاں کردار ادا کیا، چناچہ یہ تحریک صفحۂ ہستی سے مٹ گئی، آپ نے انبالہ میں ''انجمن دعوت تبلیغ اسلام'' قائم کر کے مبلغین کی ایک بڑی جماعت تیار کی''(۱۹)

آپ نے ''خادمین حرمین'' کے نام سے ایک انجمن بھی قائم کی جس کا مقصد مسجد نبوی کی خستہ حالی کو دور کرنا تھا۔ اس کے علاوہ آپ مسلم دشمن قوتوں کے خلاف مسلمانوں کو منظم کرنے کی تحریک ''تنظیم'' کے بھی سرگرم رکن رہے۔

''جمعیت علمائے ہند'' کی بنیاد پڑی آپ اس سے وابستہ ہوگئے مگر ''نہرو رپورٹ'' کے مسئلہ پر جمعیت نے کانگریس کا ساتھ دیا تو آپ بھی مولانا محمد علی جوہر، شاہ محمد سلیمان پھلواری، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور دیگر اکابر کے ساتھ جمعیت سے مستعفی ہوگئے اور مسلم لیگ میں شامل ہوگئے، انبالہ میں مسلم لیگ کا قیام آپ کی ہی وجہ سے ہوا، مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے ہر طرح کی سعی کی، متحدہ ہندوستان کی Lajustilo اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔

۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی تو نیرنگ اسکے ڈپٹی لیڈر رہے جب کہ خود قائداعظم آپ کی کارگزاریوں سے بہت متاثر ہوئے۔ اس زمانے میں آپ نے ایک مسودہ قانون پیش کیا جسے عرف عام میں ''شریعت بل'' کہا جاتا ہے، اس بل کا مقصد تھا کہ مسلمانوں میں وراثت اسلامی

میں پیش کیا، جسے ''خلع بل'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تحریک پاکستان شروع ہونے پر جا بجا دورے کر کے عوام کو نظریہ پاکستان سے آگاہ کیا۔ آپ قیام پاکستان کے بعد پاکستان آ گئے اور مجلس دستور ساز کے قیام پر اس کے رکن بنے۔ اسمبلی کے اندر اور باہر ملی مفادات کے لئے کوشاں رہے'' پاکستان ریلوے بورڈ'' کے رکن اور'' انجمن مہاجرین'' کے صدر کی حیثیت سے بھی آپ نے مفید خدمات انجام دیں۔

کلام:۔ آپ کا مجموعہ کلام'' کلام نیرنگ'' مطبوعہ سوم مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۳ء اور'' غبارِ افق'' آپ کی یادگار ہے۔ یہ کتاب ''جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام'' نے دو بار شائع کی۔ ان کے علاوہ'' جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام'' کی ۱۷ سالہ خدمات کا خلاصہ ''جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام کے مختصر حالات''۔ ''مجلس خادمین حرمین'' اور'' ریاست الور اور اسکی مسلم رعایا'' (اردو انگریزی) بھی ان سے یادگار ہیں۔

وفات:۔ آپ نے ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء صفر ۱۳۷۲ھ کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ آپ کو میانی صاحب کے قبرستان لاہور میں سپرد خاک کیا گیا''۔ (۲۰)

۱۱۔ <u>حکیم سید مبارک علی ہمدانی:</u>

''حکیم سید مبارک علی بن سید عبدالحق (قادری چشتی متوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) کوٹ مراد خان (قصور) کے ہمدانی سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔

پیدائش:۔ ۷ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ، ۲۳ مارچ ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سید عبدالحق محدث اور سید امانت علی (آپ کے بہنوئی) سے حاصل کی۔ حاجی عبدالرحمٰن (خلیفہ مجاز میاں شیر محمد شر قپوری رحمۃ اللہ علیہ) مولانا روشن دین (سابق صدر مدرس مدرسہ عالیہ مسجد فتح پوری دہلی) اور مولانا محمد دین خوشابی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے مولوی فاضل اور ادیب فاضل کی اسناد حاصل

لاہور کے فارغ التحصیل تھے۔ کافی عرصہ گورنمنٹ ہائی اسکول اور اسلامیہ ہائی اسکول ... میں السنہ شرقیہ کے استاد رہے۔ بعد میں ملازمت سے مستعفی ہوکر مطب کھولا۔ قصور کے با اثر افراد میں سے تھے۔ تیس سال میونسپل کمیٹی قصور کے رکن (بلا مقابلہ) رہے۔ ہر جمعہ وعظ و ارشاد کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ فتنہ قادیانیت کی تردید میں جری اور سراپا عمل تھے۔

۱۴ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ، ۳۰ جنوری ۱۹۵۳ء کو وفات پا گئے۔ ان کے صاحبزادے سید محمد طیب شاہ ہمدانی قصوری خاندانی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ حکیم صاحب سے حسب ذیل تالیفات یادگار ہیں:

۱۔ سید البشر (سیرت پر) ۲۔ ذکر خیر (سوانح حیات سید عبدالحق محدث قصوری)

۳۔ مرزائے قادیانی ۴۔ تفسیر نوادر (غیر مطبوعہ)

۵۔ حاشیہ نامہ حق (غ م) ۶۔ ترجمہ اردو منیۃ اللبیب (غ م)

۷۔ خطبات (۱۹۲۵ء تا ۱۹۵۳ء) (غ م) ۸۔ رسالہ وراثت (غیر مطبوعہ) (۲۱)

حکیم سید مبارک علی شاہ ہمدانی کی بوقت وفات سات لڑکے تھے۔ ''آپ کو سلسلہ قادریہ کبرویہ ہمدانیہ میں جد امجد حضرت شاہ چراغ ہمدانی علیہ الرحمہ سے بواسطہ والد ماجد شاہ عبدالحق بیعت تھی، سلسلہ چشتیہ میں بواسطہ والد ماجد حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے، سلاسل اربعہ اور سند حدیث بواسطہ والد ماجد از شاہ عبدالحق صاحب الدلائل الہ آبادی مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے حاصل تھی۔''

۱۲۔ حضرت سید ظہور شاہ:

پیدائش:۔ حضرت سید ظہور شاہ جلال پوری بن مولانا پیر سید محمد شاہ قادری جلالپور جٹاں ضلع گجرات میں ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ سن شعور کو پہنچے تو قرآن مجید ابتدائی درسیات حافظ نور الدین سے پڑھیں۔ برادر محترم سید

اپنے والد بزرگوار سے قادری سلسلہ میں مجاز بیعت تھے تاہم میاں شیر محمد شرقپوری سے ارادتمندانہ تعلقات رکھتے تھے۔(۲۳)

خدمات:۔ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی بیان کرتے ہیں کہ ''آپ کامیاب مناظر اسلام اور خوش بیان واعظ اسلام تھے۔آپ نے وہابی، شیعہ اور مرزائیوں کے خلاف بہت سی کتابیں لکھیں۔آپ کئی بار مناظرانہ میدانوں میں فتح یاب ہوئے۔آپ نے پراثر اور آسان زبان میں نعتیں لکھیں جو ہر مسلمان کے ورد زبان ہوئیں۔اس میں ذکر کلمہ شریف تو بہت مشہور ہوا۔ آپ ایک عامل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر طبیب بھی تھے۔(۲۴)

تصانیف:۔ ''تذکرہ اکابر اہلسنت'' میں مذکور ہے کہ ''پیر صاحب کامیاب مقرر ہی نہیں تھے بلکہ خوشگو شاعر اور اچھے قلمکار بھی تھے۔آپ نے مرزائیت اور روافض کے خلاف تصنیف وتالیف کی۔

چند تصانیف کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ظہور صداقت دردمرزائیت
۲۔ قہر یزدانی برسر دجال قادیانی
۳۔ نور ہدایت
۴۔ ظہور ہدایت
۵۔ شمشیر پیر برگردن شریر
۶۔ وظائف حضوری
۷۔ چرخہ ظہوری
۸۔ خطبات ظہوری
۹۔ صمصام حنیفہ
۱۰۔ سیف مفید برفرقہ یزید
۱۱۔ سیف الخادمین علی رؤس الفاسقین
۱۲۔ ظہور کرامت
۱۳۔ مرغوب الواعظین المعروف بہ محبوب العاشقین (۲۵)

وفات:۔ حضرت پیر سید ظہور احمد شاہ علیہ الرحمہ نے ۲۲ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ/ ۸ فروری ۱۹۵۳ء اتوار اور پیر کی درمیانی شب کو وصال فرمایا۔مزار انور منارہ ضلع جہلم میں ہے۔(۲۶) آپ کے چار صاحب زادے سید

۱۳۔ حضرت قاضی عبدالرحمٰن:۔

پیدائش:۔ ابوالفیض قاضی عبدالرحمٰن بن قاضی نوراحمد ضلع اٹک کے ایک معمولی گاؤں پنڈی سراں میں ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ انہوں نے ابتدائی درسیات اپنے ماموں قاضی رحیم بخش ساکن راجڑ ضلع راولپنڈی سے پڑھیں۔پنجاب کی مختلف درسگاہوں میں زیرِ تعلیم رہے۔۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔
قاضی سلطان محمود آوان شریف (گجرات) سے بیعت تھے اور سلسلہ قادریہ میں ان کے خلیفہ تھے۔

خدمات:۔ آپ بلند پایہ مدرس اور عالم تھے۔آپ سے خلقِ خدا نے خاصا فیض حاصل کیا۔آپ نے تمام عمر رشد وہدایت کا فریضہ سرانجام دیا مدرسہ نعمانیہ نظامیہ محلہ امام باڑہ راولپنڈی اور پنڈ دادن خان میں بھی پڑھایا۔

تصانیف:۔ آپ تاریخ گوئی میں یدطولیٰ رکھتے تھے اوا چھے خوشنویس تھے۔آپ کے مسودات خطاطی کے نادر نمونے ہیں۔

آپ کی حسب ذیل کتاب یادگار ہیں:

۱۔ التحقیق الانیق فیما یتعلق بالتصور وتصدیق (علم منطق میں منظوم عربی رسالہ)

۲۔ اعلام الغافلین ،مطبوعہ ۱۳۴۴ھ
۳۔ حاشیہ بخاری از افادات شیخ الہند
۴۔ حاشیہ میر زاہد (کلام)
۵۔ حاشیہ قاضی مبارک (منطق)
۶۔ حاشیہ الارشاد (علم النجوم)
۷۔ حاشیہ حمداللہ (منطق)
۸۔ حاشیہ میر ایساغوجی (منطق) وغیرہ

وفات:۔ آپ آخری عمر میں موتیا بند کی وجہ سے بینائی سے محروم ہوگئے تھے مگر ہر حال میں صابر وشاکر رہے۔

۲۲شوال ۱۳۷۲ھ/ ۳ جولائی ۱۹۵۳ء کو قبل مغرب وفات پائی۔ بیماری کے ایام میں اپنی تاریخ وفات کہی تھی۔

۱۴۔ مولانا مہر محمد :۔

مولانا حافظ مہر محمد خان ہمدم نقشبندی قادری توکلی مرتضائی پٹیالوی ابن عبداللہ ۱۳۱۴ھ/ ۹۷۔۱۸۹۶ء میں چوکھنڈی ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ موضع تھوہا محرم خان (اٹک) میں ابتدائی مکتبی تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا، بعد ازاں مولانا حافظ عطاء الرسول کی خدمت میں خوشاب چلے گئے اور قرآن مجید حفظ کرلیا۔ استاد کے بعد ان کی مسند پر بیٹھ کر قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ کچھ عرصہ فوج میں رہنے کے بعد دوبارہ اپنی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا سلطان محمود اور مولانا غلام محمد گھوٹو قابل ذکر ہیں۔ آپ فاضل دارالعلوم حزب الاحناف لاہور تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم جامعہ عربیہ حنفیہ تجوید القرآن چھانگا مانگا تحصیل چونیاں (حال جامعہ فتحیہ اچھرہ) ضلع لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ بحیثیت صدر مدرس شروع کیا اور یہیں جامعہ مسجد میں خطیب کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ و قادریہ کے شیخ الطریقت اور صاحب درس بھی تھے۔ مذہب حقہ اہلسنت کی تبلیغ آپ کا مشروب و مسلک تھا۔ شاعری میں آپ ضیاء القادری علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے۔

تصانیف :۔ آپ نے نثر و نظم میں کتب ذیل تصنیف فرمائی ہیں :۔

۱۔ شاہنامہ اسلام جدید۔ چہار جلد	۲۔ انوار المصابیح۔ دو جلد
۳۔ شان مصطفٰے	۴۔ شان نور مصطفٰے
۵۔ شان قرآن	۶۔ شان اسلام
۷۔ شان امت مصطفٰے	۸۔ معجزات مصطفٰے
۹۔ معجزات انبیاء	۱۰۔ شان صدیق

۱۳۔شان علی
۱۴۔شان فاطمہ

۱۵۔شان حسن (طبع اول ۱۹۳۶ء، دوم ۱۹۴۴ء، سوم ۱۹۴۶ء مکتبہ ہمدم منڈی چھانگا مانگا۔تحصیل چونیاں لاہور)

۱۶۔مظلوم کربلا
۱۷۔شہید کربلا

۱۸۔تفسیر نورانی
۱۹۔معراج جسمانی

۲۰۔مختار سلطنت ربانی
۲۱۔علم غیب رسول رحمانی

۲۲۔شاہد مملکت سبحانی
۲۳۔عصمت انبیاء ربانی

۲۴۔میلاد رسول رحمانی
۲۵۔وسیلہ اولیائے ربانی

۲۶۔تقلیف ائمہ
۲۷۔حیات انبیائے رحمانی

۲۸۔گیارھویں، عرس و فاتحہ خوانی
۲۹۔اسرار معرفت

۳۰۔شیخ کامل
۳۱۔تسہیل البیان

۳۱۔معراج نامۂ اسلام
۳۴مناظرہ ہوشیار پور۔

وفات: آپ نے ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ۔۲۹ نومبر ۱۹۵۴ء بروز پیر وفات پائے اور قبرستان اچھرہ لاہور میں مدفون ہوئے۔(۴۳) آپ کے جانشین صاحبزادہ مولانا افضل نورانی ہیں۔

۱۵۔ حضرت شیخ چنن دین:۔

آپ کا نام حضرت شیخ چنن دین قادری اور والد کا نام شیخ کرم بخش قادری تھا۔آباء و اجداد درگاہ حضرت شمس الدین قادری کے جانشین تھے۔آپ کی پیدائش ۱۸۴۵ء میں لاہور میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی۔ بعد ازاں حافظ عبدالمجید لاہوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔اوائل عمر ہی سے چہرہ مبارک سے آثار بزرگی نمایاں تھے۔

خلافت حاصل کی۔ سلسلہ نوشاہی قادری میں آپ کو حضرت شادی شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے دستار حاصل تھی۔ آپ ایک صاحب علم و عمل بزرگ تھے مخلوق کثیر آپ سے فیض یاب ہوئی۔

وصال:۔ آپ کا وصال ۳۱ رجولائی ۱۹۵۵ء میں ۹، ذی الحجہ (۱۳۷۴ھ) عصر کے وقت ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۰۱ برس تھی۔ مزار مبارک درگاہ حضرت شمس الدین قادری کے نزدیک ایک کمرہ میں ہے۔ آپ کے صاحبزادے میاں محمد رفیق قادری سجادہ نشین ہوئے (۲۸)۔ آپ نے لاہو میں اپنے نام سے ایک مکتبہ قائم فرمایا جس سے بے شمار کتب کی اشاعت بھی کی۔

۱۶۔ شاہ محمد عبدالشکور لکھنوی:۔

آپ لکھنو میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ سے ظاہری تعلیم پائی۔ اوائل عمر ہی سے طبعیت عبادت و ریاضت کی طرف مائل تھی۔ محمد عبدالحیٔ چاٹگامی کے خلیفہ حضرت شاہ نبی رضا کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور تھوڑی مدت بعد خرقہ خلافت پایا۔ اپنے پیر و مرشد کے ارشاد کے مطابق وطن مالوف کو ترک کیا اور نصیر آباد متصل اجمیر شریف میں سکونت اختیار فرمائی۔ یہاں آپ شب و روز دین کی تبلیغ میں مصروف رہے اور راجپوتانہ، یو پی اور سی پی کا گوشہ آپ کے انوا معرفت سے منور ہوا۔ یہاں سے پھر آپ پر کامل کا اشارہ پا کر سکندر آباد ضلع بلدن شہر (یو پی) میں اقامت پذیر ہوئے اور اس سر زمین میں آپ نے دور دراز تک دین حق کی خدمت کی۔

تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان آئے اور گارڈن ٹاؤن لاہور میں سلسلۂ رشد و ہدایت اور ترویج میں مصروف رہے۔ اس دوران کچھ عرصہ آپ نے ملتان میں بھی گزارا۔ بالاکر موضع جیون ہانہ گارڈن ٹاؤن کے مشرق میں اراضی خریدی۔ اسی جگہ بروز یکشنبہ دس ذی الحج ۱۳۷۴ھ بوقت غروب آفتاب بتاریخ ۳۱ رجولائی ۱۹۵۵ء آپ کا وصال ہوا۔

حضرت عبدالستار، مزار شریف بمبئی اور حضرت عبدالرؤف آپ کے پہلو میں مغرب کی جانب مدفون ہیں۔

آپ سلسلہ عالیہ قادریہ چشتیہ ابولعلائیہ جہانگیریہ کے ممتاز ترین بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کو ''تاج اولیاء'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ساٹھ سے اوپر ہے جنہوں نے مختلف مقامات پر دین حق کی خدمت میں اپنی زندگیوں کو صرف کر دیا (۲۹)۔

تبلیغ دین کے باعث اپ کو وتالیف کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت میر محمد قاتل اجمیری، کراچی میں آپ کے مشہور خلیفہ گزرے ہیں۔

۱۷۔ مولانا غلام محمد جلوآنوی:۔

مولانا غلام محمد بن میں محمد فاضل راجپوت سیدنا برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۹۳ء/۱۳۱۱ھ/۱۳۱۰ھ کے لگ بھگ چک نمبر ۱۹ ک ب مخدوماں ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے کہ سید شیر محمد گیلانی (متوطن فتح پور گوگیرہ۔ ضلع ساہیوال) کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور اٹھارہ برس تک ان کی خدمت میں رہے۔ علوم دینیہ کی تحصیل ان ہی سے کی۔

مولانا غلام محمد جلوآنوی، قصبہ جلوآنہ ضلع فیصل آباد میں مقیم رہے اور اصلاح معاشرہ وتبلیغ میں مصروف رہے۔

مولانا غلام محمد تریسٹھ سال کی عمر میں بروز منگل ۲۴ شوال ۱۳۷۵ھ/۵ مئی ۱۹۵۶ء کو جلوآنہ ضلع فیصل آباد میں فوت ہوئے اور وہیں (جڑانوالہ روڈ پر) دفنائے گئے۔ ان کی اولاد میں چار صاحبزادے محمد انوار حسین، محمد نیاز حسین، محمد افتخار حسین اور محمد اعجاز حسین ہیں۔

مولانا غلام محمد مرحوم کی حسب ذیل تصنیفات معلوم ہو سکی ہیں:

۱۔ اسرار المتطعات فی رموز المتابہات (فارسی منظوم) اور (عربی منظوم)

۲۔ تحقیق العارفین فی حقیقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

۴۔ نور ولایت (پنجابی دیوان)

۵۔ دیوان عشق

۶۔ پیام جلوی

۷۔ مدیحتہ النبی (نعت بزبان فارسی)

۸۔ وصال باکمال سید شیر محمد گیلانی

۹۔ کمال جلوی

۱۰۔ رمز الوحدت (پنجابی منظوم)

۱۱۔ وصال نامہ (سید قطب علی شاہ آپ کے پیر قادری)

مولانا غلام محمد کے ملفوظات ''اسرار التوحید المعروف بہ ملفوظات جلوی'' کے نام سے ترتیب دیے گئے ہیں (۳۰)۔

جناب اختر راہی نے ان کی کتب کی سن طباعت نہیں درج کی ہے اور نہ ان کے صاحبزادے محمد نیاز حسین شاہ نے اپنے مکتوب میں کسی کتاب کی سن طباعت دی ہے۔ حضرت مولانا محمد احسن چشتی صابری مارہروی نے وفیات الاخیار مطبوعہ سنی دارالاشاعت علوی رضویہ، فیصل آباد کے صفحہ ۱۸۹ پر لکھا ہے: ''مولوی سائیں غلام محمد قادری المعروف پیر جلوآنوی متوفی ۴ر شوال سوموار ۱۳۷۵ھ/ ۱۵/ مئی ۱۹۵۶ء بمقام جلوآنہ نزد تاندلیانوالہ، ضلع فیصل آباد میں مدفون ہیں۔ اس حوالہ سے آپ کا قادری ہونا واضح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے صاحبزادے محمد نیاز حسین شاہ نے اپنے مکتوب میں آپ کا سلسلہ قادری لکھا ہے۔ (مکتوب گدی نشین پیر محمد نیاز حسین شاہ صاحب، بنام راقم)۔ محررہ اگست ۱۹۹۶ء

''آپ کا صندوق مبارک ۱۹۷۰ء میں جلوآنہ شریف سے یہاں ڈھڈیوالہ میں منتقل کیا گیا۔ ۱۶ سال کے باوجود صحیح سلامت تھا''۔

مولانا محمد اعظم المعروف بحضرت باباجی مولانا محمد یار ۱۲۶۱ھ، ۱۸۴۵ء میں موضع وانئی ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ فقہ حدیث شریف اور علوم قرآنیہ کی زیادہ تر تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، علم طب اور ادب مولوی دوست محمد ہاشمی فتح گڑھی سے حاصل کیا (۳۱)۔

مولانا محمد اعظم کی بیعت قادریہ نوشاہیہ برقندازیہ سلسلہ میں پیر فقیر اللہ شاہ وملمی سے تھی، آپ نے کمالات ولایت حاصل کر کے خلافت پائی اور لوگوں کو فیض یاب کیا (۳۲)۔

خدمات:۔ ''ہدیہ المریدین'' میں مرقوم ہے کہ ''آپ شریعت و طریقت کے جامع، علوم دینیہ کے جید فاضل اور سلف صالحین کے اخلاق کا پیکر ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین خطاط، مایہ ناز طبیب، نغز گو شاعر اور کتب کثیرہ کے مصنف تھے۔ (۳۳)

آپ کے نام پر لاہور میں اعظمیہ اسٹریٹ، محلہ عثمان گنج، بیرون شیرانوالہ، دروازہ موجود ہے۔

تصانیف:۔ آپ کی چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ بے مثال (فضائل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر ۱۳۵۰ء میں میر دوال سے شائع ہوئی۔ اس کے بعد شرکت حنفیہ لمیٹڈ ۱۳۹۸ء میں چھپی۔

۲۔ یارھویں

۳۔ اسم اعظم

۴۔ غایۃ الغلیہ فی برالساعہ (حکیم زکریا رازی کے رسالہ برالساعہ کا ترجمہ)

۵۔ مصباح نورانی

۶۔ لوامع الاعلام

۷۔ تحفۃ الصالحین

۸۔ نذر مولیٰ (تحفۃ الفقراء) تصوف پر ہے۔

۹۔ العقیدہ الیوسفیہ شرح قصیدہ غوثیہ

۱۱۔ رحمۃ الرحمٰن شرح قصیدہ النعمان (۳۴) مطبوعہ مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ ۱۹۷۲ء

وفات:۔ حضرت مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی قدس سرہ کا وصال رشوال ۱۹۷۵ء ۲/۔ جون ۱۹۵۶ء کو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ۹ بجے ہوا۔ آپ کا مزار شریف قصبہ میروال، ضلع شیخوپورہ کی جامعہ مسجد کے احاطہ میں ہے۔(۳۵)

۱۹۔ مولانا خلیل آزاد صمدانی:۔

پیدائش:۔ مولانا محمد آزاد صمدانی صاحب کی پیدائش ۱۸۹۲ء/۱۳۱۰ھ میں ہوئی تو آپ کے والد گرامی تحصیلدار تھے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے بھوپال میں مولانا ذوالفقار احمد، مولانا محمد یوسف محدث اور کانپور میں مولانا مشتاق احمد حسن سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۱۹ء میں آپ نے مولانا محمد احمد ایمن گورکھپوری قادری سے خرقہ خلافت پایا۔

خدمات:۔ آپ نے دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم بھی حاصل کی اور بھرت پور کی پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے ہوئے سب انسپکٹر ہوئے مگر کسی قسم کی پابندی آپ کی افتادِ طبع کے خلاف تھی، آریہ سماج نے شدھی تحریک چلائی تو آپ ملازمت ترک کرکے میدان جہاد میں کود پڑے۔ تبلیغی سلسلہ میں عدن اور افریقہ بھی گئے تحریک خلافت چلی تو تن من دھن کی بازی لگا کر اپنی دینی حمیت کا ثبوت دیا اور گرفتار ہوکر جیل میں نظر بند بھی رہے۔(۳۶)

تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مسلم لیگ کے پرجوش مبلغ کی حیثیت سے ملک کے طول وعرض میں دورے کیے اور کانگریسیوں، احراریوں اور جمیعتوں کے منصوبوں میں ملایا۔

وفات: قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں آپ ہندوستان سے اپنے بچوں کو ساتھ لا کر ملتان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ۱۹۵۷ء/۱۳۷۷ھ میں ملتان ہی میں وفات پائی (۳۷)

پیدائش:۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا سید فتح علی شاہ ابن سید امیر شاہ ۱۱ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ/ ۵۔ مارچ ۱۸۷۹ء کو کھروٹہ سیداں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے پرائمری پاس کرنے کے بعد درس نظامی کی ابتدائی کتب اپنے جد امجد سے پڑھیں پھر حضرت مولانا عبدالرحمٰن کوٹلوی سے فقہ وحدیث کا درس لیا۔ بعدازاں جامعہ حنفیہ گجرات میں مولانا عبداللہ سے اکتساب فیض کیا۔ کچھ عرصہ جامع مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی میں رہے۔ پھر ''مدرسہ منظرالاسلام بریلی'' میں دورہ حدیث کیا اور ۱۹۱۴ء مین سند ھ حدیث حاصل کی ۱۹۱۷ء میں بریلی میں امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔(۴۰)

خدمات:۔ تکمیل علوم کے بعد اپنی زندگی تعلیم اسلام کے لیے وقف کردی سیالکوٹ اور اس کے اطراف جموں کشمیر اور اس کے گردونواح مسلسل دورے کیے اور عوام وخواص کو اسلامی تعلیمات اور مسلک اہلسنت سے روشناس کردیا، ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۰ء تک سیالکوٹ چھاؤنی کی جامع مسجد میں فرائض انجاد دیتے رہے اور فوجی جوانوں کے دلوں کو حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ اور جذبہ جہاد سے گرماتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کی قیادت میں شاہی مسجد لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۴/ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مرادآباد میں حجۃ السلام امام حامد رضا بریلوی قدس سرہ کی زیر صدارت موتمرالعلماء کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ نظریہ پاکستان کی ی کی، قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے لیے جدوجہد کی اور ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کو کامیابی سے چلایا۔

تصانیف:۔ تصانیف میں ۱۔ میعار صداقت ۲۔ چہل حدیث ۳۔ سچا ایمان ۴۔ مجموعہ وعظ (تین حصے) اور ۵۔ مجموعہ اشعار یادگار ہیں۔

وفات:۔ ۸/ رجب ۱۳۷۷ھ/ ۱۸۔ جنوری کو ۱۹۵۸ء کو حضرت مولنا سید فتح علی شاہ قدس سرہ کا وصال ہوا۔

۲۱۔ مولانا عبدالحفیظ حقانی:۔

پیدائش:۔ زبدۃ الاصفیا حضرت مولانا عبدالحفیظ حقانی ابن مولانا عبدالمجید، مداری، محلہ دروازہ بریلی میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام ''حفظ الرحمٰن'' (۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء) تجویز ہوا۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم مولانا حافظ محمد عیوض مرحوم سے حاصل کی، بعدازاں والد ماجد سے عربی و فارسی کی تعلیم شروع ہوئی۔ ۱۹۱۳ء میں والد ماجد اس قدر محنت سے پڑھاتے تھے کہ ریل کے سفر کے دوران بھی سبق جاری رہتا۔ ۱۷ سال کی عمر میں اکثر و بیشتر علوم وفنون کی تحصیل کر لی، کچھ عرصہ لکھنو میں حضرت مولانا عبدالباری قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر سراجی، شرح چغینی اور منطق وفلسفہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔

حضرت شاہ علی حسین اشرفی سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔

خدمات:۔ ۱۹۲۴ء میں حضرت مفتی صاحب مبارکپور، اعظم گڑھ کے مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں والد ماجد نے ''مدرسہ منظرحق'' ٹانڈہ میں اپنے پاس بطور مدرس بلایا۔ ۱۹۳۱ء میں ''مدرسہ حمیدیہ'' بنارس میں صدر مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۹۳۲ء میں بعض احباب کی درخواست پر قصور (پنجاب) چلے آئے۔ ۱۹۳۴ء میں انجمن تبلیغ الاحناف کی دعوت پر امرتسر تشریف لے گئے اور ''مسجد سکندر خان'' ہال بازار میں خلافت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس علاقے میں مرزائیوں کی سرگرمیاں عروج پر تھیں، مفتی صاحب نے ان کے رد میں ایک جامع کتاب ''السیوف الاکامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ'' لکھا۔

اسی زمانے میں مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد سے آپ کا مناظرہ ہوا جس میں آپ کو نمایاں کامیابی ہوئی، اسی دوران ملتان میں شیر ۔۔اہلسنت مولانا حشمت علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ مولوی ابوالوفا شاہجہاں پوری سے ہوا۔ اہلسنت کی طرف سے مولانا محمد حفیظ رحمۃ اللہ علیہ اور دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عطاء اللہ

درگارہ حضرت جمال الدین موسیٰ پارک شہید نے آپ کو ایک قیمتی تحفہ عطا فرمایا۔(۵۶)

۱۹۳۶ء میں حضرت مفتی عبدالحفیظ رحمۃ اللہ علیہ "مدرسہ نعمانیہ) فراش خانہ دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

اگست ۱۹۳۹ء میں آپ "جامع مسجد آگرہ" کے خطیب مقرر ہوئے اور ۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لائے،

ابتداء "جناح مسجد" میں مفتی وخطیب رہے پھر "دارالعلوم مظہریہ" کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

نومبر ۱۹۵۷ء میں مدرسہ انوار العلوم ملتان میں بحیثیت شیخ الحدیث تشریف لے گئے اور درس و تدریس میں مشغول ہو کر اسلام کی خدمت کرتے رہے۔

تصانیف: حضرت مفتی صاحب نے تدریس، خطابت اور مناظرہ کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصانیف کا قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے،

تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ تکمیل الایمان (مطبوعہ امرتسر ۱۹۳۱ء) ۲۔ السیوف الکلامیہ لقطع الدعاوی الغلامیہ (مطبوعہ امرتسر ۱۹۳۴ء) ۳۔ الحسنٰی والمزید لمحب التقلید (مطبوعہ امرتسر ۱۹۳۴ء) ۴۔ علم غیب (رد وھابیہ مطبوعہ امرتسر ۱۹۳۵ء) ۵۔ عبادت اسلام (مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۳ء) ۶۔ تہافتۃ الوھابیہ (مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۴ء) ۷۔ عقائد حقہ اہلسنت وجماعت (مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۳ء) ۸۔ کلمۂ اسلام (کلمہ طیبہ کی شرح مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۳ء) ۹۔ ریڈیو کے اعلان کا شرعی طریقہ (مطبوعہ جناح مسجد کراچی ۱۹۵۵ء) ۱۰۔ صیانۃ الصحابہ عن خرافات بابا (مطبوعہ آگرہ ۱۹۵۴ء) ۱۱۔ متروکہ جائداد پیر مساجد (جناح مسجد کراچی ۱۹۵۶ء) ۱۲۔ مجموعہ فتاویٰ (مطبوعہ کراچی ۱۹۶۵ء) ۱۳۔ ارغام ہاذر (رد وھابیہ بجواب نقش ماہر مطبوعہ کراچی ۱۹۵۶ء) ۱۴۔ مرزائیت پر تبصرہ (مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء) ان کے علاوہ آپ کی تصانیف میں ۱۵۔ شمع ہدایت (مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء) ۱۶۔ مودودی (مطبوعہ کراچی ۱۹۵۵ء) ۱۷۔ الرای السیدی فی نصب المجھار لصلوۃ الجمعۃ والعید (مطبوعہ کراچی

وفات: ۵/ذوالحجہ، ۲۳ جون (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کو مفتی آگرہ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالحفیظ قدس سرہ کا وصال ہوا، ملتان میں حسن پروانہ قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۵۷) آپ کے صاحبزادے مولانا محمد حسن حقانی صاحب دینی حلقوں میں ایک معروف شخصیت اور سابق رکن سندھ اسمبلی ہیں۔

۲۲۔ مولانا محمد حسین

پیدائش:۔ ''زبدۃ الاصفیاء حضرت الحاج میاں محمد حسین قادری ابن کریم الٰہی ۹ محرم الحرام ۲۰ نومبر بروز سہ شنبہ (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء) موضع جھگیاں ناگرہ لاہور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا اور قصبہ دھولن وال میں پرائمری تک تعلیم حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد پیر عبدالغفار شاہ قدس سرہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) حامئی اشاعت درود شریف'' امام مسجد تکیہ سادھواں کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور فارسی کی مروجہ کتب گلستان، بوستان وغیرہ پڑھیں، اس کے بعد مولانا حافظ فتح محمد بانی ''جامعہ فتحیہ اچھرہ'' لاہور کی خدمت میں حاضر ہو کر تین سال تک کسب فیض کیا اور مالا بدمنہ، مفتاح الصلوٰۃ، اخلاق جلالی اور زلیخا جامعہ وغیرہ پڑھیں، اس کے بعد مولانا حافظ فتح محمد بانی ''جامعہ فتحیہ اچھرہ'' لاہور کی خدمت میں حاضر ہو کر تین سال تک کسب فیض کیا اور مالا بدمنہ، مفتاح الصلوٰۃ، اخلاق جلالی اور زلیخا جامی وغیرہ کتابیں پڑھیں، ان کے زہد و اتقاء اور اتباع شریعت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کے دست اقدس پر بیعت ہوئے۔ طالب علم کے ساتھ ساتھ مجاہدات میں مصروف رہے اور سلوک و عرفان کی منزلیں طے کیں۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولان مفتی عبدالعزیز خطیب جنازہ گاہ مزنگ (لاہور) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدوری، منیۃ المصلی، کنزالدقائق، شرح وقایہ اور تفسیر حسینی وغیرہ کتب پر عبور حاصل کیا مولانا نورالدین ابن مولنا غلام قادر شائق، اونچی مسجد پاپڑ منڈی (اندرون شاہ عالم مارکیٹ) سے

خدمات:۔ حضرت میاں محمد حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ تقریباً بیس سال تک اچھرہ میں مختلف بھٹوں پر منشی گیری کرتے رہے پھر ملازمت کو چھوڑ کر علوم دینیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ مشغلہ آخری عمر تک جاری رہا آپ ہر کام میں سنت مبارکہ کی پیروی کو پیش نظر رکھتے، غیر مشروع اور قبیح رسوم سے سخت متنفر تھے اوران کو ختم کرنے کے لئے ہر طرح کوشش فرماتے علاج بالقرآن کرتے، روحانی وجسمانی امراض کے مریض آپ توجہ، اوردم سے بفضلہٖ تعالیٰ شفایاب ہو جاتے۔

وفات:۔ حضرت میاں محمد حسین رحمہ اللہ ۱۶ جمادی الاخریٰ ۲۸ دسمبر (۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء) رات کو ساڑھے بارہ بجے راہی دارِ آخرت ہوئے۔ موضع جھگیاں ناگرہ ڈاکخانہ ڈھولن وال ملتان روڈ، لاہور کی مسجد میں آپ کی آخری آرام گاہ بنی (۵۸)۔

۲۳۔ مولانا غلام حیدر:

پیدائش: آپ (۱۲۹۲ھ) موضع پھلیاں تحصیل پلندری (آزاد کشمیر) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: گجرات اور پشاور کے فضلاء سے علمی استفادہ کرنے کے بعد لاہور آئے اوراہلسنت کے مایہ ناز فاضل مولانا غلام قادر بھیروی قدس سرہ کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا اور علمی جواہر پاروں کو دامن مراد میں سمیٹا، کچھ عرصہ ''مدرسہ امداد الاسلام'' میرٹھ میں بھی پڑھتے رہے۔

خدمات: تکمیل علوم کے بعد ''جامع مسجد خراسیاں'' اندرون لوہاری دروازہ لاہور میں خطیب مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے ۲۸ سال قیام اور خطابت کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی تدریس کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ مولانا غلام حیدر قدس سرہ اپنے دور کے متبحر فاضل اور یگانہ روزگار مدرس تھے۔ ''علم میراث'' میں تخصص کا درجہ رکھتے تھے۔ ''جامعہ فتحیہ اچھرہ'' (لاہور میں استاذ الاساتذہ مولانا مہر محمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کرنے والے

دسترس کی وجہ سے آپ ''سراجی باب'' کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ سلسلہ قادریہ میں حضرت مولانا فقیر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ، بکوٹ شریف کے مرید تھے''۔(۵۹)

وفات: ۱۶ محرم الحرام، ۲۰ رجولائی (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) کو ۸۷ سال کی عمر میں مولانا غلام حیدر کا وصال ہو۔آپ کا مزار موضع راجکوٹ ضلع گوجرانوالہ میں ہے''۔(۶۰)

۲۴۔ مولانا غلام جان ہزاروی

پیدائش:۔ حضرت مولانا مفتی ابو المظفر غلام جان ابن مولانا محمد عالم ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں مقام اوگرہ تحصیل مانسہرہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ قرآن مجید اور فارسی نظم ونثر اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اس کے بدعد شوق علم میں دہلی اور سہارنپور کی درسگاہوں میں بھی گئے۔

''مدرسہ عالیہ جامعہ مسجد آگرہ'' کے اساتذہ سے بھی کسب علم کیا۔مولانا غلام رسول (انمی۔گجرات) سے حمد اللہ اور زواہد ثلاثہ کا درس لیا۔مینڈھو ضلع اعظم گڑھ اور کلاوئی ضلع بلند شہر میں معقول کی کتابیں پڑھیں۔ٹونک میں حضرت علامہ حکیم سید برکات احمد سے ریاضی اور معقولات میں استفادہ کیا۔۱۳۳۵ھ میں ''مدرسہ عالیہ'' رامپور سے درجہ تکمیل پاس کیا۔امام احمد رضا بریلوی کا شہرہ سن کر مرکز علم وعرفان بریلی شریف پہنچے اور شمس العلماء مولنا ظہور الحسن فاروقی رامپوری اور صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی (مصنف بہار شریعت) سے درس نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا دورہ کیا۔۱۳۳۷ھ میں امام اہلسنت احمد رضا خاں بریلوی نے دستار بندی فرمائی اور سند فضیلت عطا فرمائی۔آپ امام اہلسنت کے دست اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت سے نوازے گئے۔

ہوئے۔ حضرت مولانا خواجہ محمود تونسوی کی دعوت پر وہاں سے ''مدرسہ سلیمانیہ'' تونسہ شریف جا کر کچھ کام کیا۔(۶۱)

ایک دو سال مکھڈ شریف میں رہے۔ اس کے بعد خان محمد امیر خان رئیس شہیلیہ ضلع ہزارہ نے آپ کو بلا کر قضا پر مامور کیا لیکن کچھ دن بعد ہی آپ لاہور چلے گئے اور ''جامعہ نعمانیہ'' لاہور میں صدر مدرس اور مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۵ھ میں بریلی شریف اور اجمیر شریف حاضری دیتے ہوئے حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

شب بیداری، یتیموں، بیواؤں کی دستگیری اور اپنا کام خود کرنا آپ کے اوصاف تھے۔ دین متین کی تبلیغ و ترویج جاجذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔

آپ نے ''تحریک ختم نبوت'' میں بھرپور حصہ لیا اور قادیانیوں، وہابیوں اور بدمذہبوں کے خلاف بھرپور جہاد کیا۔

آپ نے تمام عمر دین اسلام کی بڑی خدمت کی اور دامے درمے قدمے سخنے مسلک حق کی ترویج و بدعات و گمراہی کی بیخ کنی کی کوششیں کیں اور تحریر و تقریر سے عوام الناس کو فیض پہنچایا۔

تصانیف: آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ فتاویٰ غلامیہ

۲۔ نور العینین فی سفر الحرمین

۳۔ دیوان غلامیہ

۴۔ سیف رحمانی علی راس القادیانی

۵۔ نغمہ شہادت

۷۔رسالہ اذان علیٰ القبر وتعدد جمعہ فی مساجد المصر

وفات:۔ ۲۵ محرم الحرام، یکم اگست (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) کو کلمہ شریف وصلوٰۃ وسلام کا ذکر کرتے ہوئے وفات پائی۔ غازی علم دین شہید کے مزار (لاہور) کے جنوبی جانب دفن کئے گئے۔(۶۲) آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔

۱۔مولانا مظفر اقبال قادری، جو مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی (م ۱۹۸۱ء) کے مرید وخلیفہ ہیں اور ''دارالعلوم نعمانیہ'' لاہور کے مدرس ہیں۔۲۔محمد اشرف مدرس ۳۔غلام صابر اور ۴۔غلام مصطفیٰ

۲۵۔ قاضی فضل حق

آپ ضلع لاہور کی تحصیل چونیاں محلہ قاضیان میں پیدا ہوئے۔ والد کا اسم گرامی قاضی عین دین تھا۔ کھوکھر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ محکمہ مال میں تحصیل دار تھے۔

۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۴ء وائس پریسیڈینٹ بلدیہ چونیاں رہے۔ اعزازی طور پر گورنمنٹ ہائی اسکول چونیاں کے ہیڈ ماسٹر بھی تھے۔ آپ قرآن اور چونیاں کے ہردلعزیز نیک سیرت بزرگ تھے۔

آپ نے بوساطت خلیفہ غلام علی لاہوری قادری، حضرت آغا سید سکندر شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ (م ۱۹۱۳ء) کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا اور بیعت ہوئے۔ حضرت آغا سکندر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے ہمراہ اکثر تبلیغی سفر گئے۔ جب آغا صاحب چونیاں تشریف لائے تو حویلی قاضیاں میں قیام کرتے۔

آپ نے بوقت نماز عصر ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۷۹ء کو وفات پائی اور قبرستان عیدگاہ چونیاں میں دفن ہوئے۔(۶۳)

پیدائش: آپ ۱۸۷۶ء/۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ممتاز روحانی پیشوا مخدوم صدر الدین گیلانی ملتانی کے چھوٹے اور مخدوم راجن شاہ گیلانی کے بڑے بھائی ہیں۔

تعلیم و تربیت: جب آپ ۵ برس کے تھے تو والد گرامی (سید محمد شاہ گیلانی) کا سایہ سر سے اٹھ گیا لیکن والدہ ماجدہ نے ان کی تعلیم و تربیت کا کام نہایت خوش اسلوبی اور تندہی سے کیا۔ مخدوم شیر شاہ نے ابتدائی تعلیم ملتان کے علماء کرام اور اسکول میں حاصل کی۔ آپ حضرت میر جان نقشبندی قادری کے حلقہ ارادت میں تھے۔

خدمات:۔ ایچیسن کالج لاہور سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ۱۸۹۸ء میں گورنمنٹ ملازمت میں بطور منصف بھرتی ہو گئے۔ آپ گیلانی خاندان کے ملتان میں پہلے فرد تھے جنہوں نے سرکاری ملازمت کی ۱۹۱۲ء میں آپ کو ایکسٹرا اسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی اور سیالکوٹ میں تعینات ہوئے۔ سات سال بطور مجسٹریٹ اور افسر مال مختلف اضلاع میں کام کرتے رہے ۱۹۱۹ء میں آپ سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۲۸ء میں پاکپتن سے اسی آسامی پر ریٹائر ہوئے اور ملتان آکر اپنی جائیداد سنبھالی اور بطور آنریری مجسٹریٹ درجہ اول بھی کام کرتے رہے مگر پھر خود ہ سبکدوش ہو گئے۔ جنوری ۱۹۳۲ء میں ریاست ٹونک علاقہ راجپوتانہ کی گورنمنٹ نے ڈسٹرکٹ وسیشن جج کا عہدہ پیش کیا جو آپ نے منظور کر لیا اور چند سال اسی عہدہ پر متمکن رہ کہ خدمات انجام دیتے رہے۔ (۶۴)

’’آپ کے خاندان نے ملتان میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور پورے پنجاب میں ملت کو بیدار کر کے متحد کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں مرکزی اجلاس کے عام انتخابات ہوئے۔ آپ نے دہلی، لاہور، اور پشاور وغیرہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے بڑے بڑے جلسوں میں شرکت کی۔ قائداعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ ۱۶/اگست ۱۹۴۶ء راست اقدام کیا تو آپ نے نے بھی ’’خان بہادر‘‘ کا خطاب اور دوسرے سرکاری اعزازات واپس کر دیئے۔

تو آپ نے پیرانہ سالی کے باوجود ملتان میں دفعہ ۱۴۴ کو توڑتے ہوئے احتجاجی جلوس کی قیادت کی جس پر آپ کو گرفتار کرلیا گیا۔آپ کی گرفتاری کی خبر نے عوام کے حوصلوں کو ابھارا۔مسلمانوں میں زبردست جوش وخروش پھیل گیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے لگے۔اس تحریک کو جب پولیس تشدد کے ذریعے دبایا نہ جاسکا تو ناچار خضر حکومت مستعفی ہوگئی اور میدان مسلم لیگ کے ہاتھ لگ گیا۔

مخدوم شیر شاہ نے تمام زندگی رشوت ستانی کی بیخ کنی کی پوری پوری کوشش کرتے رہے۔دوران ملازمت مردم آزاد بدکردار لوگوں کو سزائیں دیتے رہے۔ہر فریادی کی فریاد سنتے اور پورا پورا انصاف کرتے تھے۔تقسیم ملک سے قبل آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن رہے۔پاکستان کے استحکام اور بقاء کے لیے دل وجان سے خدمات انجان دیتے رہے۔

وفات: آپ نے تمام عمر ذکر وفکر اور خدمت خلق میں گزاری،فروری ۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ کو وفات پائی اور ملتان ہی میں سپرد خاک کیے گئے۔(۶۵)

۲۷۔ مخدوم سید زین العابدین گیلانی

پیدائش:۔ سید زین العابدین ابن سید شاہ گیلانی ۱۸۸۵ء/۱۳۰۳ھ میں ملتان میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے ملتان ہی میں تعلیم وتربیت حاصل کی اور میٹرک کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔

خدمات:۔ جب علماء نے انگریزی ملازمت کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا تو آپ اس وقت شجاع آباد میں تحصیلدار تھے۔ترکوں کی حمایت اور   کی بقاء کے لیے دوسرے دردمند مسلمانوں کی طرح آپ بھی ملازمت چھوڑ کر مردانہ وار میدان میں نکل آئے اور زندگی بھر کا اندوختہ ”تحریک خلافت“ پر نچھاور کردیا۔اس

ہندوؤں نے سیوادک، مہابیر دل، پرتاب سینا، سیوا جی سینا، راسٹریہ سیوک سنگ، گوروکل اور کانگریس والنٹیئر کور کی صورت میں خفیہ اور ظاہر بے شمار تنظیمیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی صرف ایک تنظیم ''انجمن فدایان اسلام'' تھی جسے سید زین العابدین نے مخصوص وردی میں ملبوس اور صرف ایک کلہاڑی سے مسلح کر رکھا تھا۔(٦٦)

نیز جس طرح گیلانی صاحب ہندوؤں کے پکے دشمن تھے اسی طرح انگریزوں کے بھی سخت مخالف تھے۔ آپ نے تحریک کشمیر، مجلس اتحاد ملت، تحریک شہید گنج اور تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جب ملتان کے ہندوؤں نے بہاولپور کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی سازش کی رو فدایان اسلام کی فوج کے دستوں نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ کئی بار آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، علاقہ بدر ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بارہا جاگیروں کا لالچ دے کر آپ کو خریدنا چاہا مگر اس مردِ حق شناس نے ہر بار انگریزی پیشکش کو ٹھوکروں میں رکھ کر آوازِ حق کو بلند رکھا۔ آپ کی انہی خدمات کے پیش نظر لوگ آپ کو ''ملتان کا بے تاج بادشاہ'' کہتے تھے اور ''عام خاص باغ'' میں باقاعدہ ایک پرشکوہ دربار منعقد کیا گیا جس میں اسلامیان ملتان کی طرف سے مخدوم سید محمد صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے اس محبوب رہنما کو طلائی تاج پہنایا۔

ملتان میں مسلم لیگ کی تنظیم قائم ہوئی تو آپ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ نے کانگریسیوں، احراریوں اور ہندوؤں کا ناطقہ بند کر دیا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ قرار داد پاکستان لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر جب قائداعظم کے سامنے آپ کی خدمات کا ذکر کیا گیا تو قائداعظم نے اٹھ کر آپ کو سینے سے لگایا اور آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن نامزد کیا۔

۱۹۴۷ء میں خضر وزارت کے خلاف سول نافرنی کی تحریک چلی تو آپ نے ملتان کے علاقے میں حکومت کو مفلوج کر کے رکھ دیا(٦٧)۔

اور بلدیہ ملتان کے دفتر ون سے برطانوی جھنڈا اتار کر پاکستانی نصب کر دیا حالانکہ ابھی پاکستان معرض وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔لیکن آپ نے چھ ماہ قبل ہی ملتان کو پاکستان بنا دیا تھا۔

پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا تو آپ نے پندرہ اگست ۱۹۴۷ءکو سرکاری تقریبات میں شمولیت کو نظر انداز کر دیا،نیشنل گارڈ کے چاق و چوبند دستے ہمراہ لیے اور سب سے پہلے بوہڑ گیٹ کی اندرونی جامع مسجد، جامع مسجد پاک گیٹ، جامع مسجد ولی محمد خان اور جامع مسجد علی گیٹ پہنچ کر سلامی دی۔ بعد ازاں آل سید زین العابدین گیلانی نے صبح سات بجے ڈسٹرکٹ بورڈ، پولیس لائن، تھانہ صدر پولیس، عدالت کمشنر، عدالت سیشن جج، رہائشگاہ ڈپٹی کمشنر، عدالت کمشنر، عدالت سیشن جج، رہائش گاہ کمشنر، ہیڈ پوسٹ آفس، بنگلہ کمانڈر انچارج ملتان چھاؤنی، ریلوے اسٹیشن، تھانہ پرانی کوتوالی، تھانہ حرم گیٹ، گورنمنٹ کالج، گورنمنٹ ہائی اسکول، عمارت صدر تحصیل ملتان، اسلامیہ ہائی اسکول، صدر دفتر محکمہ انہار اور صدر دفتر پی۔ڈبلیو۔ڈی پر پاکستانی جھنڈے نصب کیئے (۶۸)۔

وفات:۔ مسلمانوں کا ی بیتناک اورنڈر مجاہد (فدائے ملت) ۱۶/ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ/۸۔اکتوبر ۱۹۶۰ءکو فتح وکامرانی کی چادر تان کر قلب شہر (ملتان) میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔(۶۹)

۲۸۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد:۔

پیدائش:۔ واما الاعلامة الافخم السید ابو الحسنات محمد احمد القادری رحمة الله فولد ستة و تسعین بعد الالف و ثمانمائة من المیلاد بمحلة نواب پوره من بلدة الور (۷۰)

(مولانا سید محمد احمد قادری ابن سید دیدار علی الوری ۱۸۹۶ء/ ۱۳۱۴ھ میں محلہ نواب پورہ الور میں پیدا ہوئے۔)

ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ قاری قادر بخش سے تجوید کی مشق کی پھر والد سے علوم دینی کی تکمیل کی۔ اس اثناء میں مشین سازی، رنگائی، کارپینٹری، گھڑی سازی، خیاطی اور ٹیلیفون کا کام سیکھ لیا۔ مرآدآباد میں حکیم نواب محی الدین سے علم طب حاصل کیا۔(۷۱)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم مرادآبادی اور اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد بریلوی کے فیوض سے بھی مستفیض ہوئے، حضرت مولانا شاہ علی حسین کچھوچھوی قدس سرہ کی دست مبارک پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔(۷۲)

خدمات:۔ تحصیل علوم سے فارغ ہوتے ہی ایک حادثہ رونما ہوا، ہندوؤں نے الور کی مسجد تریوکیہ شہید کر دی، اس واقعہ نے مولانا کو شعلہ بنا دیا۔ آپ نے خداداد خطیبانہ صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جہاد کی روح پھونک دی۔ سٹی پولیس نے آپ کو گرفتار کر لیا مگر مسلمانوں کی منظم جدوجہد نے مہاراجہ کو مجبور کر دیا کہ مسجد کو واگذر کرنے کا حکم دے۔ اور اسے سرکاری خرچ پر ازسرنو تعمیر کرایا اور ابوالحسنات کو رہا کر دیا گیا۔(۷۳)

۱۹۲۰ء میں آپ الور کو چھوڑ کر آگرہ میں قیام پذیر ہوئے اور ایک مطب جاری کیا جو تھوڑے عرصے میں خدمت خلق کا ادارہ بن گیا۔ ۱۹۲۲ء میں آپ کے والد سید دیدار علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ آگرہ سے لاہور پہنچے اور مسجد وزیر خان کے خطیب مقرر ہوئے تو مولانا ابوالحسنات ان دنوں ایک نغز گو قاری، شعلہ بیاں خطیب، شاعر اور ماہر طبیب کی حیثیت سے شہرت حاصل کر چکے تھے۔ والد مکرم کے استعفاء کے بعد مرزا ظفر علی خان (ریٹائرڈ جج و متولی مسجد وزیر خان) کے اصرار پر آپ مسجد وزیر خان خطیب مقرر ہوئے۔(۷۴)

اسی زمانے میں دہلی دروازہ کے اندر چنگڑ محلہ میں ایک ویران مسجد کی تعمیر و توسیع کا منصوبہ بنایا گیا جس میں آپ کے والد محترم اور برادر محترم علامہ ابوالبرکات کے ساتھ مل کر آپ نے مسجد کی تعمیر اور دارالعلوم حزب الاحناف کی تشکیل میں حصہ لیا۔(۷۵)

شہید گنج کی تحریک، خاکسار مومنٹ، احرار کشمکش، مجلس اتحاد، شہادت علم الدین، مولانا ظفر علی خان کا ''دم مست قلندر دھڑ گڑا'' اور پھر تحریک آزادی ہند اور قیام پاکستان جیسی تحریکیں ابھرتی رہیں اور مولانا ہمیشہ حق کی آواز پر لبیک کہتے۔ پاکستان بننے کے بعد قرار داد مقاصد، تحریک آزادی کشمیر اور تحریک ختم نبوت میں مولانا مرکزی کردار کی حیثیت سے آگے بڑھے۔ نظریہ پاکستان کی تائید و حمایت میں مولانا وہ پہلے عالم دین ہیں جو بنارس سنی کانفرنس میں شریک ہوئے اور ایک تاریخی ریزولیشن پاس کروا کر قائداعظم کو یقین دلایا کہ برصغیر کی عظیم اکثریت مطالبہ پاکستان میں آپ کے ساتھ ہے۔(۷۶)

آپ نے تحریک قیام پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ علماء و مشائخ کے وفد مرتب کیے۔ پنجاب کے ہر شہر، ہر قصبے کی طرف نکل پڑے۔ خضر وزارت کی ساری سختیوں کے باوجود اپنی مہم میں مصروف رہے۔ آخرکار گرفتار بھی کیئے گئے لیکن یہ آپ کی جدوجہد آزادی کا نتیجہ تھا کہ شیوخ کے لاکھوں مرید اور علماء کے ہزاروں شاگرد مطالبہ پاکستان کے حامی بن گئے مسلم لیگ نوابزادوں کے محلات سے نکل کر عوام تک جا پہنچی۔ قائد اعظم نے مولانا کی کوششوں کو بڑا سراہا اور اپنے ایک خط میں مولانا کا شکریہ ادا کیا۔(۷۷)

''قیام پاکستان کے بعد ۲۶، ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۴۸ء کو ملتان میں پاکستان بھر کے سنّی علماء کی عظیم کانفرنس بلائی گئی۔ اس کانفرنس میں ملک بھر کے سنّی علماء نے ''جمیعت العلمائے پاکستان'' کی بنیاد رکھی اور مولانا ابوالحسنات کو پہلا صدر منتخب کیا''۔(۷۸)

''ان دنوں کشمیر کا مسلمان اپنی آزادی کے لئے تڑپ رہا تھا۔ مولانا ابوالحسنات نے صدر ''جمیعت العلمائے'' کی حیثیت سے ''جہاد کشمیر'' کا اعلان کیا اور غازیان کشمیر کی اعانت کے لئے ملک میں ایک زبردست تحریک چلائی۔

آپ اپنے ہم مشرب علمائے دین کی جمیعت میں کئی بار محاذ کشمیر پر گئے۔ مجاہدین کے حوصلے

دیگر ضروریات کی چیزیں جمع کر کے پہنچائیں''۔(۷۹)

تصانیف:۔ ''مولانا ابوالحسنات قلمی تبلیغ کو منظم پیمانے پر رواج دینے کو خواہش رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسامی موضوعات پر مختلف کتابیں لکھیں تا کہ ملک کے گوشے گوشے میں اہل استفادہ کر سکیں۔ آپ کی تصانیف جو آج تک شائع ہو چکی ہیں ان میں چند کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ تفسیر الحسنات (پہلے دو حصے۔ دس پارے) مطبوعہ لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز ۱۹۷۶ء چھ جلدیں

۲۔ اوراق غم (مطبوعہ مکتبہ نعمیہ، لاہور)

۳۔ صبح نور (مطبوعہ، لاہور)

۴۔ الناصح (مطبوعہ، لاہور)

۵۔ طیب الوردہ علی قصیدۃ البردہ (مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ سیالکوٹ ۱۳۹۳ھ)

۶۔ مسدس حافظ الوری

۷۔ مخمس حافظ

۸۔ دیوان حافظ اردو (مطبوعہ لاہور)

۹۔ ترجمہ کشف المحجوب وغیرہ (اسلامت بک فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۳ء)

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ آپ کے قلم سے کئی رسالے تصنیف ہوءِ جو ہنگامی اور سیاسی تحریکوں پر بڑے کام کے تھے۔ ان میں احکام الصیام، فلسفہ تکبیر و نماز، غیر اللہ، معراج المبارکہ، لیلۃ البرات استغفار، رمضان، عید الفطر، اکرام الحق کی کھلی چٹھی کا جواب، مرزائیت پر تبصرہ، قادیانی مرزا جی کی کہانی، فتنہ قادیانی، قادیانی کے احکام ہذیاتی، تنویر العینین براس کرشن، شمیم رسالت، علم غیب لسان، قادیانی مذہب کا فوٹو، مدنی تاجدار، گنجینہ ایمان، اسلامی زکوٰۃ، اسلام اور پردہ، علماء قدسی، میلاد مبارک، خاکساری مذہب اور اسلام،

آپ بیتی اور بستان شریعت وغیرہ شامل ہیں''۔(۸۰)

آپ اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے اور حافظ تخلص کرتے تھے۔

وفات:۔ ''آپ ختم نبوت کی تحریک کی قید سے مستقل بیمار بن کر آزاد ہوئے۔ رہائی کو ایک سال ہی گذرا تھا کہ پیک اجل نے آلیا اور سنیوں کا یہ عظیم زعیم ۲ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ/ جنوری ۱۹۶۱ء بروز جمعہ ساڑھے بارہ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ آپ کی آخری آرام گاہ حضرت خواجہ علی الجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ میں ہے''۔(۸۱)

آپ کے صاحبزادے مولانا سید خلیل احمد قادری (متوفی ذی الحج ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء) ممتاز علم دین اور آپکے جانشین تھے۔

''آپ کا اسم گرامی سید عبداللہ شاہ اور والد گرامی کا نام سید قادر بخش شاہ تھا۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ کی ولادت ۱۸۹۸ء/ ۱۳۱۵ھ چک قادر بخشش نزد کمالیہ (ٹوبہ ٹیک سنگھ) میں ہوئی''۔(۸۲)

''آپ کا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے حضرت امام علی رضا مشدی علیہ الرحمہ سے جاملتا ہے''۔(۸۳)

آپ کو بچپن سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسجد میں داخل کیا گیا جہاں آپ نے قرآن مجید ناظرہ پڑھا اور چھوٹی چھوٹی دینیات کی کتابیں اور گلستان بوستان پڑھیں۔ اس کے بعد مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کرتے رہے۔''(۸۴)

''آپ نے سید قطب علی شاہ سندھیلیانوالی پیر محل کے دست حق پرست پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی اور ریاضت ومجاہدہ کے بعد قلیل عرصے میں بعمر تیس ۳۰ سال خلافت واجازت حاصل کی۔''(۸۵)

حضرت سید عبداللہ شاہ، حضرت سید قطب علی شاہ، حضرت سید چراغ علی شاہ، حضرت سید علی شاہ، حضرت سید امان اللہ شاہ المعروف سلطان باتھیواں، حضرت سید غلام غوث، سید حیدر بخش، حضرت سید مجمی، حضرت سید محمود جیلانی، حضرت سید محمد مصطفیٰ، حضرت سید عبدالرزاق، حضرت زین العابدین، حضرت سید عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔"-(۸۶)

آپ گردونواح کے چکوک میں جا کر لوگوں کو تبلیغ فرماتے۔آپ پر تاثیر مقرر تھے اور بعض دفعہ غیر مذاہب کے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوتے۔آپ نماز پنجگانہ پر لوگوں کو تلقین فرماتے، جس پر وہ نمازی اور اکثر لوگ تہجد گذار بن گئے۔"(۸۷)

وفات:۔ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ/ ۲۹ جون ۱۹۶۱ء بوقت ۲ بجے دن بروز پنجشنبہ آپ کا انتقال ہوا، مرقد چک قادر بخش میں ہے۔"(۸۸)

۳۰۔ مولانا سید نذر محی الدین:۔

پیدائش:۔ حضرت مولانا سید محی الدین ابن حضرت حافظ سید ظہور الحسن قادری ۱۸۸۱ء/ ۱۲۹۹ھ میں بنالہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے عربی وفارسی علوم کی تحصیل اپنے والد کی وفات کے بعد "مدرسہ فاضلیہ" میں مکمل کی اور ۱۹۰۰ء میں "دربار قادریہ فاضلیہ" کے سجادہ نشین ہوئے۔

خدمات:۔ آپ کا عہد سجادہ نشینی تقریباً ساٹھ (۶۰) سال ہے۔آپ کے دست رشد وطریقت پر ہزاروں لوگوں نے بیعت کی اور ایک اچھی خاصی تعداد غیر مسلموں کی تھی جس نے آپ کے دست مبارکہ پر اسلام قبول کیا۔دربار کے لنگر کو آپ نے بہت ترقی دی اور لوگوں کو ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال کیا۔

گزیں ہوگئے اور ''دربار قادریہ فاضلیہ'' کا مرکز لاہور میں بھی قائم فرمادیا اور یہاں تبلیغ اسلام کا فریضہ سر انجام دیا۔

وفات:۔ آپ کی وفات ۱۸ستمبر ۱۹۶۱ء/ ۶ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ کو لاہور میں ہوئی اور یہیں حضرت شیخ طاہر بندگی کی درگاہ کے قریب تدفین ہوئی جس پر ایک مقبرہ تعمیر ہوگیا ہے۔''(۸۹)

۳۱۔ سید محمد امین اندرابی:۔

سید محمد امین اندرابی لاہور کے قدیمی باشندے تھے۔ اردو، فارسی اور عربی کے فاضل تھے۔ تصوف سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ/ ۲۳ستمبر ۱۹۶۱ء میں لاہور میں فوت ہوئے۔ ان کی تصانیف درج ذیل ہیں:

۱۔ انیس المشتاقین ۲۔ القول المقبول ۳۔ جذب الاصفیا فی حقوق المصطفیٰ (۹۰)

آپ اسلامیہ اسٹریٹ لاہور کے قبرستان سادات اندراب قادریہ میں مدفون ہیں۔

۳۲۔ مولانا امام الدین:۔

پیدائش:۔ ''مولانا امام الدین حضرت ابن حضرت مولانا عبدالرحمٰن، کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ جلیل القدر اساتذہ سے علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے دست مبارکہ پر بیعت ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے''۔(۹۱)

خدمات:۔ آپ نے تمام عمر فرق باطلہ کے خلاف تحریری و تقریری طور پر جہاد کیا۔ آپ پنجابی کے بہترین شاعر تھے۔

علمی مسائل، آیات قرآنی، احادیث مبارکہ اور عبادات فقہیہ بڑی عمدگی سے نظم کے قالب میں ڈھال دیتے تھے۔

۱۔ نصرۃ الحق المعروف بہ تیغ نعمانیہ برگردن وھابیہ

۲۔ احتیاط الظہر

۳۔ علم ہدایۃ المشیعہ (دو حصے)

۴۔ الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود (نظم پنجابی)''۔(۹۲)

ان کے علاوہ آپ کے دینی مضامین بھی مختلف دینی کتب و رسائل میں شائع ہوتے تھے۔

وفات:۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ/۱۳۸۱ھ/ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۱ء کو حضرت مولانا ابو الیاس امام الدین قدس سرہ کا وصال ہوا کوٹلی لوہاراں (سیالکوٹ) میں دفن ہوئے۔''(۹۳)

۳۳۔ مولانا محمد سعید:۔

پیدائش:۔ حضرت مولانا محمد سعید قادری ابن حضرت حافظ فتح محمد قادری، شعبان المعظم ۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں جلالپور والا (شجاع آباد، ملتان) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم مولانا غلام قادر جلالپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حاصل کی بعد ازاں اپنے برادر مکرم مولانا محمد عبدالغفار رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ظاہری علوم کا اکتساب کیا۔ والد ماجد کے حکم سے برادر بزرگوار سے بیعت کی خلافت سے مشرف ہوئے اور ستائیس سال تک مسند فقر پر فائز رہ کر تشنگان شریعت و معرفت کی پیاس بجھاتے رہے۔ آپ کو معقولات پر گہری دسترس حاصل تھی، کتب دینی اور مطالع کا اتنا شوق تھا کہ آپ کے کتب خانہ میں ایسی کوئی کتاب نہ تھی جس کا آپ نے مطالعہ نہ کیا ہوا۔

خدمات:۔ آپ کو تبلیغ دین سے خاص طور پر شغف تھا، سفر و حضر میں آپ کی ہر مجلس پند و نصائح، بزرگان دین کے ذکر خیر اور حب مصطفیٰ ﷺ کی تبلیغ سے معمور ہوتی تھی۔ حق گوئی آپ کا شعار تھا۔ حق بات کہنے میں

رکھتے تھے اور اسی میں تبلیغ دین بھی کرتے تھے۔

وفات:۔ ۵ جمادی الثانی، ۱۴ اکتوبر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء ہفتہ و اتوار کی درمیانی شب آپ کا وصال ہوا۔"(۹۴)

۳۴۔ مخدوم سید علی احمد شاہ:۔

پیدائش:۔ حضرت سید علی احمد شاہ گیلانی بن سید عبد العلی شاہ ۱۲ شعبان ۱۳۱۵ھ/۴ جنوری ۱۸۹۸ء کو کیتھل ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔ شاہ کمال کیتھلی کے اخلاف میں تھے۔

تعلیم و تربیت:۔ سید علی احمد شاہ تین سال کے تھے کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی تربیت ان کے چچا میاں غلام رسول شاہ نے کی۔ انہوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد دینی علوم میں کمال حاصل کیا۔ گھریلو ماحول اور تعلیم و تربیت کی وجہ سے اسلامی کردار کے مالک ہوئے۔"(۹۵)

آپ نرم گفتار، عابد و زاہد اور متقی تھے۔ شب و روز یاد الٰہی اور عوامی بھلائی میں بسر فرماتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ، عمل کے بغیر دین و دنیا میں کوئی فلاح و کامیابی نہیں۔ آپ اپنی تعلیمات میں اخلاق کی درستگی اور پاکیزگی پر سب زیادہ زور دیتے اور اصلاح احوال پر زیادہ توجہ رکھتے تھے۔"(۹۶)

تحریک پاکستان میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی۔ جب قائد اعظم نے جداگانہ حکومت کا نظریہ منوانے میں کامیابی حاصل کی تو آپ نے بذریعہ تار مبارکباد بھیجی اور عامۃ المسلمین سے اپیل کی کہ"وہ وطن کی آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں جب تک مسلمانوں میں رشتہ محبت مستحکم نہیں ہوگا اس وقت تک بقائے دوام کی صورت پیدا نہیں ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ قائد اعظم کی رہنمائی میں قوم کو بے پناہ توانائی حاصل ہوگی جس کی اشد ضرورت ہے۔ قومی اتحاد کی آرزو کا

پاکستان بننے کے بعد آپ ہجرت کر کے پاکستان میں آئے تو ابتداء میں قبولہ شریف میں مقیم ہوئے پھر ملتان چلے گئے۔ یہاں کچھ دن قیام کے بعد ڈیرہ غازی خان گئے اور آخر وقت تک وہیں مقیم رہے۔ آپ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سے مجاز تھے۔لہٰذا رشد و ہدایت فریضہ انجام دیتے رہے۔

تصانیف:۔ پیر سید علی احمد شاہ گیلانی سے ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ رسالہ نور ایمان

۲۔ رسالہ حفظ الایمان

۳۔ قندنیات یعنی کلیات سید

وفات:۔ آپ ۲۲ رجب ۱۳۸۲ھ/ ۲۱ دسمبر ۱۹۶۲ء کو ڈیرہ غازی خان میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔"(۹۸)

۳۵۔ مولانا سردار احمد

پیدائش:۔ مولانا ابوالفضل سردار احمد بن میراں بخش ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء میں ضلع گورداسپور کے قصبے دیال گڑھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم دیال گڑھ میں حاصل کی۔ ۱۳۴۳ھ/ ۲۵۔۱۹۲۴ء میں دیال گڑھ سے بٹالہ منتقل ہو گئے اور اسلامیہ ہائی اسکول بٹالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔"(۹۹)

اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے لاہور آ گئے۔ انہی دنوں میں مولانا حامد رضا خان بریلوی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور کے اجلاس (۱۳۵۲ھ) میں تشریف لائے۔ مولانا سردار احمد صاحب ان کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انگریزی تعلیم کی بساط لپیٹ کر ان کے ساتھ بریلی چلے گئے۔ بریلی میں ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ مولانا حامد رضا خان اور مولنا مصطفیٰ رضا خان سے استفادہ کیا بعد میں آٹھ سال

حاصل کی۔

خدمات:۔ سند فراغت حاصل کر کے آپ بریلی آ گئے اور ''جامعہ رضویہ منظر اسلام'' میں معلم دوم مقرر ہوئے۔ مولانا حامد رضا خان کی نگرانی میں کام کا موقع ملا۔ باہر سے آنے والے استفتا ان کے حوالے کیے جاتے تھے اور وہی جواب لکھتے تھے۔ مولانا حامد رضا خان نے انہیں جواب پر اپنی مہر لگانے کی اجازت دے دی تھے۔''-(۱۰۰)

''۱۹۴۸ء میں آپ فیصل آباد آ گئے اور'' جامعہ رضویہ مظہر اسلام'' کی بنیاد رکھی اور ۱۴ سال کے عرصے میں لائلپور (فیصل آباد) کی ایسی کایا پلٹ دی کہ ہر طرف عشق رسول ﷺ کی شمع روشن ہوگئی، ہزاروں افراد حلقہ ارادت میں داخل ہوئے (آپ کو مولانا حامد رضا خان بریلوی سے سلسلہ قادریہ میں خلافت و اجازت حاصل تھی)۔ سینکڑوں علماء آپ سے درس حدیث لیکر پاکستان کے گوشے گوشے بلکہ دیگر ممالک میں بھی دین متین کی تبلیغ میں مصروف ہیں۔(۱۰۱)

ہفت روزہ ''رضائے مصطفیٰ'' گوجرانوالہ سے اپریل ۱۹۵۷ء سے اور ماہانامہ ''آواز جبرائیل'' مئی ۱۹۵۹ء سے آپ کی سرپرستی میں جاری ہوئے۔

تصانیف:۔ آپ کی چند یادگار تصانیف یہ ہیں:

۱۔ اسلامی قانون وراثت (مطبوعہ الیکٹرک پریس، لاہور ۱۹۵۶ء)

۲۔ تبصرہ مذہبی بر تذکرہ مشرقی (مطبوعہ بریلی الیکٹرک پریس)

۳۔ مرزا مرد ہے یا عورت (مطبوعہ فیصل آباد)

۴۔ موت کا پیغام دیوبند مولویوں کے نام (مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد ۱۹۶۸ء) وغیرہ۔''(۱۰۲)

مولانا محمد جلال الدین قادری نے ''محدث اعظم پاکستان'' میں آپ کی ۶۹ تصانیف پر تبصرہ لکھا ہے۔

میں وصال فرمایا۔"(۱۰۳) جسد کو لانسپور لے جا کر سنی رضوی جامع مسجد میں دفن کیا گیا۔

۳۶۔ پیر سید مسکین شاہ:۔

پیدائش:۔ آپ کی ولادت ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں بکہ شریف ہری پور ہزارہ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد پیر سید خواجہ بزرگ شاہ صاحب علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۲۰ء) سے حاصل کی۔ اس کے بعد علاقے کے بزرگوں سے کچھ عرصے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دہلی چلے گئے۔ وہاں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کے خاندان کے ایک بزرگ عالم دین سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی۔ آپ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد سے بیعت وخلافت یافتہ تھے۔

اپنے چھوٹے بھائی پیر سید یوسف شاہ غازی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۵۴ء) کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ تمام عمر مخلوق خدا کی خدمت اور مریدین کی تعلیم و تربیت میں گزاری جس کے باعث تصنیف و تالیف کا موقع نہ مل سکا۔

وفات:۔ آپ نے ۱۷ اپریل ۱۹۶۳ء ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ کو مرزا ضلع اٹک میں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔

آپ کے سجادہ نشین شہسوار شاہ صاحب ہیں۔"(۱۰۴)

۳۷۔ حافظ برکت علی:۔

پیدائش:۔ آپ کی پیدائش ۱۹۰۰ء/ ۱۳۱۸ھ میں لکھوڈیرار مضافات لاہور میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت:۔ سات سال کی عمر میں اپنے ماموں شیخ ولایت علی اور رمضان علی کے ہمراہ بغداد شریف

خدمات:۔ جب لاہور واپس آئے تو آپ نے قادری سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں کام کرنا شروع کر دیا اور اس میں بہت کامیابی حاصل کی۔

لاہور میں آپ غوثیہ کتب خانہ کا اجراء کیا۔ ''مسجد غوثیہ حنفیہ'' کھجور کھوئی نیا بازار اور ''مسجد ۳۲ سبہ کلر روڈ'' ستیلا مندر آپ ہی کے زیرِ اہتمام تعمیر ہوئیں۔

آپ کو سید عالم گیلانی کلیدار آستانہ عالیہ حضور غوث پاک سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی جیسا کہ آپ کی شائع کردہ کتاب ''صحفیہ الانام'' (مجموعہ درود شریف) کی ابتداء میں تحریر ہے۔

تصانیف:۔ آپ ایک صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ داستانِ غم (حصہ اول و دوم منظوم) مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ لاہور

۲۔ قصیدۃ النعمان (مشرح) مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ لاہور

۳۔ ترجمہ سر الاسرار فیما یحتاج الیہ الابرار

۴۔ یازدھم شریف (مطبوعہ غوثیہ خانہ لاہور)

۵۔ ممسک العقائد (مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۲ء)

۶۔ سی حرفی مقبول در ماں دل ملول۔ (مطبوعہ ایضاً)

۷۔ زاہد خشک اور سماع (مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ لاہور)

۸۔ استمداد از عباد الرحمٰن (مطبوعہ ایضاً)

۹۔ ترکیب ختمات شریف (مطبوعہ لاہور، ۳۴ صفحات ۱۳۸۰ھ)

۱۰۔ فتاوی جواز (مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ لاہور)

۱۱۔ قصیدہ غوثیہ (مترجم) مطبوعہ ایضاً

۱۳۔ کلام الاولیاء فی شان سلطان الاولیاء۔''(۱۰۵)

۱۴۔ زندہ اور نادر کرامات، مطبوعہ غوثیہ کتب خانہ لاہور، کراؤن سائز، وغیرہ

وفات:۔ آپ نے لاہور میں ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ/ ۸ نومبر ۱۹۶۳ء بروز جمعہ وصال فرمایا اور وہیں مدفون ہیں۔(۱۰۶)

۳۸۔ مولانا عبدالقادر شہید

پیدائش:۔ مولانا الحاج ابوالشاہ محمد عبدالقادر ابن مولانا علامہ حکیم غلام محی الدین ابن حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالرحیم (تلمیذ ارشد امام احمد رضا بریلوی) ۲۷ رجب ۱۳۴۰ھ/ ۲۷ مارچ ۱۹۲۲ء کو مدینۃ الاولیاء احمد آباد شریف میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی اس کے بعد انجمن اسلامی ہائی اسکول احمد آباد میں داخل ہوئے اور میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۶ء میں گجرات کالج احمد آباد سے ایف اے کا امتحان نمایاں نمبر لے کر پاس کیا۔ ان ہی دنوں محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد چشتی قادری، بریلی شریف سے مولوی سلطان حسن سنبھلی سے مناظرہ کرنے کے لئے احمد آباد تشریف لائے، مناظرہ میں کامیابی کے بعد وعظ وتقریر کا سلسلہ شروع ہوا۔ چوں کہ حضرت شیخ الحدیث کا قیام مولانا عبدالقادر کے جدّ امجد کے ہاں تھا اس لئے انہیں حاضری کے اور بھی زیادہ مواقع مہیا ہوئے۔

نگاہ شیخ الحدیث کا اثر یہ ہوا کہ مولانا عبدالقادر دنیاوی تعلیم کو خیر باد کہہ کر سرچشمہ علم وحکمت بریلی شریف چلے گئے۔ حضرت شیخ الحدیث نے ان کی تعلیم کا معقول انتظام کر دیا۔ رمضان المبارک کی تعطیلات میں اپنے استاد مولانا عبدالرشید جھنگوی دام ظلہ کے ساتھ جھنگ چلے آئے اور جب مولانا عبدالرشید جھنگوی

عبدالقادر پھر بریلی تشریف لے گئے اور مولانا وقار الدین علیہ الرحمہ (م ۱۹ استمبر ۱۹۹۲ء) اور حضرت محدث اعظم علیہ الرحمہ سے معقول کی کتابوں کا درس لیا۔

خدمات:۔ قیام پاکستان کے بعد حضرت محدث اعظم کے ہمراہ پاکستان چلے آئے اور تحصیل علم کے لئے کچھ عرصہ سرگودھا اور شرقپور میں رہے۔ جب محدث اعظم پاکستان نے محلہ سنت پورہ لائل پور (فیصل آباد) میں دورہ حدیث کا اجراء فرمایا تو مولانا عبدالقادر بھی درس میں شریک ہوئے اور شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت محدث اعظم نے جامعہ رضویہ کی بنیاد رکھی تو آپ کے مخلص احباب کی جماعت میں مولانا عبدالقادر بھی تھے۔ شاہی مسجد کی امامت اور جامعہ رضویہ کی نظامت کو اس خوبی سے نبھایا کہ باید وشاید۔ سنی رضوی جامع مسجد کا لینٹر ڈالا گیا تو دوسرے علماء کے ساتھ مولانا عبدالقادر بھی سیمنٹ سر پر اٹھا کر شریک کار رہے۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں جبل پور کے معزز خاندان کے صوفی محمد حسین خان کی دختر نیک اختر سے آپ کا نکاح ہوا۔ یہ رشتہ خود حضرت محدث اعظم نے کروایا تھا۔ ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء میں آپ نے بغداد شریف کی حاضری دی اور وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء میں سیلون کے احباب کی فرمائش اور حضرت محدث اعظم کے ارشاد کی بنا پر سیلون تشریف لے گئے اور وہاں کمال خوبی سے تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ ایک سال بعد حضرت محدث اعظم کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے واپس لائل پور آ گئے۔ مولانا عبدالقادر کے خلوص (دینی خدمت) کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ دو سال تک پتوکی منڈی ضلع لاہور جمعہ پڑھانے کے لئے جاتے رہے لیکن کبھی اپنی ذات کے لئے کرائے تک کا مطالبہ نہ کیا۔

بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مولانا عبدالقادر سیلون اور مولانا معین الدین لائل پور سے کراچی جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ بعض احباب کے اصرار پر دونوں حضرات نے لائل پور میں قیام کیا اور عارضی طور پر کار

گیا۔ بعد ازاں مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ لائل پور میں ۷۷ مرلے زمین لے کر جامعہ قادریہ اور جامعہ مسجد طیبہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

وفات:۔ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ/ ۳۰ جنوری ۱۹۶۴ء کو آپ کارخانہ بازار جامعہ قادریہ میں نماز ظہر پڑھانے تشریف لائے کہ ایک شقی القلب نے پیچھے سے آکر چاقو کے پے درپے وار کر کے شدید زخمی کر دی۔ ڈاکٹروں نے بہت کوشش کی مگر آپ جانبر نہ ہو سکے اور جام شہادت نوش کر گئے۔

دھوبی گھاٹ میں قریباً ایک لاکھ مسلمانوں نے نماز جنازہ ادا کی اور آپ کو جامع مسجد طیبہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ مزار پر گنبع تعمیر ہو چکا ہے۔ آپ نے اپنے پیچھے ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے عطاالمصطفٰی، ضیاالمصطفٰی اور رضاالمصطفٰی چھوڑے۔(۱۰۷)

۳۹۔ قاضی انوارالحق

پیدائش:۔ آپ ضلع لاہور تحصیل چونیاں محلّہ قاضیاں میں پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی۔

والد کا اسم گرامی قاضی عین دین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ کھوکھر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ محکمہ مال سے قانون گو کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ آپ اپنی شرف بیعت سے مشرف ہونے کی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ ''میرے برادر بزرگ قاضی فضل حق اور خلیفہ غلام علی لاہوری صاب اکثر اوقات آغا سید سکندر شاہ صاحب (قادری) کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ میں بیٹھا سنتا رہتا تھا جس سے میرے دل میں آپ کی محبت اور عقیدت کا ولوہ پیدا ہوتا چونکہ میں ان دنوں مڈل میں تعلیم حاصل کرتا تھا، خاموش رہا۔ جب امتحان کا وقت آیا تو امتحان کے لئے فیروز پور جانا پڑا۔ جب امتحان سے فارغ ہوا تو سیدھا لاہور پہنچا اور لاہور اسٹیشن سے پشاور کا ٹکٹ لیا اور حضرت قبلہ عالم آغا سید سکندر شاہ کے کمرہ میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا۔ دو تین دن بعد

تاکید فرمائی کہ لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث صاحب بیرون دہلی دروازہ حاضر ہو کر سلام عرض کرنا اور ساتھ ہی فرمایا کہ دیوان نیاز، مثنوی تحفۃ العاشقین خرید لینا۔

آپ سادہ لباس درویش تھے۔ آغا صاحب اکثر فرماتے تھے کہ ''چونیاں میں قاضی انوار الحق کی خاطر ہمیں بہت کچھ منظور ہے۔''

آپ نے ۹/۱۰ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۹۶۲ء بروز جمعۃ المبارک وفات پائی۔ آپ قبرستان عیدگاہ چونیاں میں سپرد خاک ہوئے۔'' (۱۰۸)

۴۰۔ پیر سید غلام مصطفیٰ نوشاہی

پیدائش:۔ پیر سید غلام مصطفیٰ نوشاہی (نوشاہ ثالث ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۷ھ فروری ۱۸۹۰ء کو بمقام ساہنپال شریف ضلع گجرات میں متولد ہوئے۔ آپ شیخ الاسلام حضرت حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری (متوفی ۱۰۲۴ھ) کی اولاد امجاد میں سے تھے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپن والد گرامی حضرت مولانا سید محمد شاہی (متوفی ۱۳۳۷ھ) سے حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر میں پنڈی کالو پرائمری اسکول ضلع گجرات میں داخل ہوئے اور تین سال میں پانچ جماعتیں پڑھیں۔ پھر مولانا شیخ احمد حنفی (متوفی ۱۳۲۸ھ) ساکن دھریکاں کلاں ضلع گجرات خلیفہ خصرت مولانا غلام نبی مجددی للہی سے صرف نحو، منطق، فقہ اور حدیث کی کتابیں پڑھی۔'' (۱۰۹)

خدمات:۔ آپ سلسلہ قادریہ نوشاہیہ میں اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور والد ماجد کی وفات کے بعد انکے سجادہ ہدایت پر رونق افروز ہو کر مخلوق خدا کو راہ ہدایت دکھانے میں مصروف رہے۔ آپ عبادت و ریاضت اور علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ فارسی، اردو

تصانیف:۔ آپ نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ رسالۃ الخواص (اپنے مشائخ کے مختصر حالات) اور شجرہ طریقت

۲۔ رسالہ رفع سبابہ

۳۔ رسالہ طاعون

۴۔ تفسیر نوشاہی (تفسیر سورۃ فاتحہ ومزمل)

۵۔ عیون التواریخ (چار جلدوں میں)

ان کے علاوہ پند نامۂ عطار، کریما سعدی، نام حق، گلستان سعدی، بوستان سعدی اور محمود نامہ کے پنجابی ترجمہ کیے۔''دیوان نوشاہی''(پنجابی)''غزلیات نوشاہی''(پنجابی) آپ کے منظوم کلام کے مجموعے ہیں۔علاوہ ازیں''فیض محمد شاہی''آپ کی''بیاض''ہے جو دس ضخیم جلدوں میں ہے۔''خطبات نوشاہی''اور''نوشاہی نامہ''(منظوم پنجابی)''مکتوبات نوشاہی''، ''رقعات نوشاہی''، ''مجالس نوشاہی''(ضیاء العارفین) مطبوعہ ۱۳۶۶ھ،''نصائح ضروری''(منظوم) مطبوعہ ۱۳۷۵ھ،''معمولات نوشاہی''(ہدایۃ السالکین) مطبوعہ ۱۳۶۵ھ وغیرہ بھی آپ کی یادگار ہیں۔''(۱۱۰) آپ کے ملفوظات شریف احمد شرافت نوشاہی نے''کنز المعرفت (۱۳۴۹ھ/۱۳۸۴ء) کے نام سے چار جلدوں میں اور بشارت نوشاہی نے''کنز الفوائد'' کے نام سے جمع کیے ہیں۔

وفات:۔ آپ نے تمام عمر دینی اور علمی خدمات میں گذاری اور ۱۸ شوال ۱۳۸۴ھ/ ۲۱ فروری ۱۹۶۵ء کو واصل بحق ہو کر ساہنپال کے گورستان نوشاہیہ میں سپرد خاک ہوئے۔''(۱۱۱) آپ کے دو صاحبزادے سید شریف احمد شرافت سجادہ نشین (م ۱۹۸۳ء) اور سید بشیر احمد بشارت (م ۱۹۶۲ء) ہوئے۔

پیدائش :۔ حضرت میاں شہاب الدین ابن حضرت میاں رحمت اللہ ابن حضرت قاضی محمد عمر بخش کی ولادت موضع دلیل پور ضلع گورداسپور (بھارت) میں ۱۸۶۹ء/ ۱۲۸۶ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت :۔ آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے والد نے کی۔سلسلہ قادریہ کا فیضان بھی آپ کو والد مکرم ہی سے تھا۔'' (۱۱۲)

خدمات :۔ آپ کلانور مسلم لیگ کی شاخ کے صف اول کے مجاہد تھے اور گلی گلی، کوچے کوچے مسلم لیگ کا ہلالی پرچم لہرا کر مسلمانوں کو تحریک پاکستان کا حامی وہم نوا بناتے تھے۔'' (۱۱۳)

شروع ہی سے آپ درگاہوں، خانقاہوں اور مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے اور ان کی تعمیر ومرمت میں حصہ لیتے تھے۔قیام پاکستان کے بعد آپ سرزمین بھارت سے پاکستان چلے آئے اور مستقل طور پر لاہور میں مقیم رہے۔

وفات :۔ آپ کی وفات ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں گڑھی شاہو (لاہور) میں ہوئی اور وہاں ہی قبرستان محلّہ فیروز گنج میں مدفون ہوئے۔'' (۱۱۴) آپ کے چھ صاحبزادے ہوئے، محمد طفیل مرحوم، محمد عبداللہ مرحوم، محمد علی مرحوم، محمد دین کلیم مورخ لاہور (م ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء)، محمد اسحٰق مرحوم، محمد ابراہیم نسیم (م ۱۹۳۹ء)۔

۴۲۔ <u>پیر سید غلام نبی شاہ :۔</u>

پیدائش :۔ آپ کی ولادت ۱۳۶۵ھ/ ۱۸۴۸ء میں کلا ماہ نو (محلّہ) جلال آباد افغانستان میں ہوئی۔آپ کی مادری زبان فارسی تھی۔ پیر غلام نبی شاہ ابن میر افغان شاہ کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔آپ کے آباواجداد سادات کنبرہ کہلاتے تھے۔

تعلیم وتربیت :۔ ابتدائی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی اور مروجہ علوم کی تکمیل کے بعد اپنے والد

آپ نے پاک افغان سرحد پر تقریباً ۵ سال مجاہدے بھی کئے اور ۱۸۹۰ء میں تقریباً ۴۲ سال کی عمر میں حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ حج و زیارت کے بعد آپ کو سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے موہڑہ شریف جا کر حضرت خواجہ قاسم علیہ الرحمہ سے بیعت ہونے کا حکم ملا۔

آپ جیسے ہی خواجہ محمد قاسم موہڑوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے انھوں نے آپ کو بیعت فرما کر فوراً ہی سلسلہ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ میں اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا اور ''حاجی ملنگ بابا'' کا خطاب دیا۔(۱۱۵) بعد میں آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ خواجہ محمد قاسم موہڑوی علیہ الرحمہ نے کچھ عرصے بعد آپ کو بمبئی میں تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے تفویض کیا۔ وہاں سے آپ کلیان اور مینواڑی بھی تشریف لے گئے۔ اس کے بعد سید عبدالرحمٰن (تابعی) المعروف بہ حاجی ملنگ دولھا کے مزار پر ۱۸ برس گزارے اور وہاں کی مسجد میں امامت و خطابت کے ساتھ درس بھی دیتے رہے، جس کے باعث وہاں آپ قاری و حافظ اور بخاری بابا کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ نے بمبئی سے متھرا، کلکتہ اور پاک و ہند کے کئی شہروں میں تبلیغی دورے کئے اور لوگوں کو راہ حق کی تلقین کی۔

وفات:۔ آپ نے ۱۹ صفر ۱۳۸۶ھ/ ۹ جون ۱۹۶۶ء کو وفات پائی اور سول لائنز چک شاہانہ روڈ خانیوال میں کراچی دربار میں مدفون ہوئے۔ آپ کے تقریباً ۷۰ خلفاء تھے جن میں مندرجہ ذیل حضرات زیادہ مشہور ہیں۔

۱۔ صوفی محبوب علی مرحوم بمبئی والے

۲۔ صوفی نذیر احمد قریشی مرحوم کرلا والے

۳۔ صوفی سید محمد مرحوم چوما والے مدراسی

۵۔ صوفی تاج محمد نسبیلوی مرحوم درگاہ سندھ

۶۔ صوفی عبدالغنی نانندیڑ مرحوم حیدر آباد دکن والے

۷۔ صوفی محمد علی خان شاہ پور نزد متھرا مرحوم

۸۔ صوفی حاجی سکندر علی خان مرحوم کلے شام گڑھ (دھول پور)

۹۔ صوفی محمد عاقل خان مرحوم

۱۰۔ صوفی بقراط الحسن رامپوری مرحوم

۱۱۔ صوفی مشتاق حسین امروہوی مرحوم

۱۲۔ صوفی عبدالحکیم دوتانہ مرحوم

۱۳۔ صوفی عبدالوحید خان متھراوی

۱۴۔ صوفی محمد ابراہیم خان متھراوی

۱۵۔ حاجی نظام الدین قریشی متھراوی

۱۶۔ صوفی حبیب اللہ خان

۱۷۔ حاجی محمد نواب علی قریشی

آپ کے صاحبزادگان بھی تھے جن میں سے ۴ صغیر سنی میں انتقال کر گئے۔ آپ کے سجادہ نشین اول پیر سید کبیر علی شاہ بخاری تھے جو ۱۹۶۶ء ہی میں انتقال کر گئے۔ آپ کے بڑے بھائی سجادہ نشین دوم پیر سید نواب علی شاہ بخاری تھے جو ایم اے اردو کرنے کے بعد مدرس ہو گئے تھے اور ۱۹۷۰ء میں انتقال کر گئے۔ آپ کے ایک اور بھائی پیر سید محب علی شاہ ٹنڈو آدم کے ایک کاروباری آدمی ہیں جب کہ آپ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے پیر سید اکبر علی شاہ بخاری ڈبل ایم اے، فارغ درس نظامی ساکن نارتھ کراچی، کراچی،

۴۳۔ سلطان بشیر احمد:۔

پیدائش:۔ سلطان بشیر احمد ابن حضرت سلطان احم بخش ابن حضرت حافظ باہو بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت موضع حضرت سلطان باہو قدس سرہ (ضلع جھنگ) ۱۹۰۱ء میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم خاندانی بزرگوں سے حاصل کی۔ آپ اعلیٰ درجہ کے خطاط اور خوش نویس ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب طرز بھی تھے۔

اپنے والد محترم کی اجازت سے شاہ پور ضلع پور سرگودھا میں عاقل شاہ کے قریب اپنے دادا حضرت حافظ باہو بخش کے مرید اور فیض یافتہ خلیفہ بابا میاں اللہ جوایا (متوفی ۱۲۹۸ھ) کی خانقاہ پر سکنہ گزین ہو گئے اور اس خانقاہ پر متولی کے فرائض ادا کرنے لگے۔

خدمات:۔ یہیں آپ لوگوں کو نماز روزہ کی تلقین فرماتے اور برائیوں سے توبہ کرنے کا درس بھی دیتے۔ آپ کی بیعت غازی کشمیر لیفٹیننٹ کرنل سید یوسف الگیلانی قادری پیر آف وانا رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔

وفات:۔ آپ کا انتقال ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۶۶ء کو ہوا اور خانقاہ بابا اللہ جوایا کے احاطہ میں سپرد خاک ہوئے۔

آپ کے فرزند صاحبزادہ سلیم المعروف بہ محبوب سلطان اپنے کنبہ کے ساتھ خانقاہ بابا میاں اللہ جوایا پر متولی ہیں۔(۱۱۶)

۴۴۔ حضرت ذاکر حسین شاہ گیلانی:۔

پیدائش:۔ آپ ۱۳۵۵ھ/ ۱۱ اپریل ۱۸۷۸ء میں اپنے ننھیال میں تولد ہوئے۔ ۳۵ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن تک اور ۲۱ واسطوں سے حضرت غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔

خدمات:۔ تعلیم سے فراغت کے بعد محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کر لی اور یہی سلسلہ ملازمت آپ کو شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں اپنے خواہرزادے محمد حسین شاہ گیلانی کے پاس لے آئی۔

کچھ عرصے بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور موضع چھایا نوالی میں شاہ محمد مقصود حسن قادری سے بیعت کر لی۔ مرشد کی خدمت میں آپ نے بارہ سال سے زائد کا عرصہ گزارا اور مخلوق خدا کی خدمت بھی کرتے رہے۔

وفات:۔ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹ اگست ۱۹۶۶ء میں آپ دو ماہ بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۷ برس تھی، مزار مقدس شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں ہے۔'' (۱۱۷)

۴۵۔ مولانا سلطان اعظم:۔

پیدائش:۔ مولانا سلطان اعظم ابن میاں غلام نبی موضع چھپڑ شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ فارسی، صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں موضع بھتہ میں پڑھیں بعد ازاں اہلسنت کے مقتدر فاضل مولانا غلام محمود قدس سرہ (پپلاں، ضلع میانوالی) کی خدمت میں پانچ سال تک حاضر رہے اور تمام کتب کی تکمیل کی۔ پھر مولانا غلام رسول (انہی، گجرات) کے پاس تین سال تک رہ کر تمام کتب کا سماع مکمل کیا دورہ حدیث دیوبند میں مولانا انور شاہ کاشمیری سے پڑھا۔ (۱۱۸)

خدمات:۔ آپ سلطان نور احمد قدس سرہ (از اولاد حضرت سلطان باہو قدس سرہ) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ نماز اشراق کے بعد علوم دینیہ کا درس دیتے۔ نماز ظہر کے بعد بھی سلسلہ تدریس جاری رہتا۔ آپ نے کم و بیش ۶۰ سال تک دینیہ کی تدریس فرمائی۔ (۱۱۹)

آپ بڑے اچھے مناظر بھی تھے اور فرق باطلہ کا بھرپور رد فرماتے تھے۔ آپ ایک صاحب

والا مضافات پیلاں ضلع میانوالی میں مقیم ہو گئے تھے۔

وفات:۔ ماہ صفر ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں آپ کا وصال ہوا۔ موسیٰ والا (ضلع میانوالی) میں محو استراحت ابدی ہوئے۔ (۱۲۰) آپ کے صاحبزادے مولانا محمد انور جانشین ہوئے۔

۴۶۔ صوفی ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برق:۔

پیدائش:۔ ''تذکرہ اکابر اہلسنت'' میں مرقوم ہے کہ ''صوفی ڈاکٹر حبیب الرحمٰن برق ابن حاجی محمد رمضان لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ اپنے وقت کے ممتاز افاضل سے علم حاصل کیا۔ فرنگی محل (لکھنؤ)، دیو بند اور جامعہ از ہر مصر کے فاضل تھے۔ کچھ عرصہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں بھی رہے۔ عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں ایم اے کیا، پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی اور ان چاروں زبانوں میں بلا تکلف گفتگو فرماتے تھے۔

آپ سلاسل ہشتہ (قادریہ، چشتیہ، صابریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قلندریہ اور اویسیہ) میں حضرت صوفی محمد حسین مراد آبادی سے مجاز تھے۔ اس قدر باکمال ہونے کے باوجود تمام عمر چٹائی پر بیٹھ کر گذاری۔ (۱۲۱)

خدمات:۔ آپ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے اور ایک ماہر طبیب بھی۔ آپ کے مریدوں کا حلقہ کافی وسیع ہے آپ انہیں اعمال واذکار کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

وفات:۔ ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۸۷ء/ ۲۰ مارچ ۱۹۶۸ء کو بروز بدھ آپ کا وصال ہوا۔ بہاولپور روڈ میانی صاحب (قبرستان لاہور) میں سپرد خاک ہوئے۔ (۱۲۲) آپ کے صاحبزادے محمد اکرام الحق جانشین ہوئے۔

آپ قادری قلندر تھے۔آپ کے پیرومرشد افریقہ میں تھے۔ جب آپ وہاں سے واپس ہندوستان آئے تو گجرات میں چھ سال قیام فرمایا۔

دورہ لاہور ۱۹۸۷ء میں اس جگہ بھی جانا ہوا۔ یہاں کے لوگوں کے بیان کے مطابق آپ نہایت بزرگ شخصیت تھے پیری مریدی کرتے تھے اور اپنے متعلقین کو راہ حق کی تلقین کیا کرتے تھے۔

آپ کی کسی تصنیف کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں اور نہ ہی کسی سے آپ کے ورثا کے بارے میں معلومات ہوسکیں۔ وہاں سے بایمائے ربانی لاہور تشریف لائے اور یہاں چالیس سال تک قیام فرما کر ستمبر ۱۹۶۸ء میں وصال فرما گئے۔

آپ کا مزار شیخ شہر یار روڈ پر بالمقابل دربار حضرت مادھولال حسین رحمۃ اللہ علیہ باہر کھیتوں میں ایک وسیع وعریض احاطہ میں واقع ہے۔ایک میناری مسجد حمد،فیضی اسٹریٹ نمبر ۱۴۰ اس مقبرہ کی جانب شرق واقع ہے۔(۱۲۳)

۴۸۔ حضرت سلطان حبیب:۔

پیدائش:۔ حضرت سلطان حبیب ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔آپ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو کے آٹھویں گدی نشین اور سجادہ تھے۔(۱۲۴)

تعلیم وتربیت:۔ آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت والد کی زیرنگرانی ضلع جھنگ ہی میں ''دربار سلطان باہو'' میں ہوئی۔

خدمات:۔ آپ کئی بار لاہور تشریف لائے۔نہایت بااخلاق اور بامروت انسان تھے، طریقت کے علاوہ شریعت کے بھی جامع تھے اور ارشاد وتلقین فرماتے تھے۔

وفات:۔ ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء میں وصال فرمایا اور اپنے آبائی قبرستان درگاہ حضرت سلطان باہو قادری میں

۴۹۔ حضرت پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی:۔

پیدائش:۔ حضرت پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی ابن سید فضل شاہ گیلانی کی ولادت ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں چک سادہ ضلع گجرات میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم وتربیت بمبانوالی ضلع سیالکوٹ میں مفتی امام الدین سے حاصل کی حضرت فضل نور نوری قادری نوشاہی (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء) آپ کے چچا اور پیر ومرشد تھے۔ جو حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے مرقد منور پر رہتے تھے۔(۱۲۶)

خدمات:۔ آپ نے مرشد کی خدمت میں رہ کر سلوک کی تمام منازل طے کیں، جلد ہی مرشد نے دستار خلافت سے نوازا اور ''کشف المحجوب'' کی ایک جلد بھی مرحمت فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت کو کتاب ہذا کا درس دینے کی تلقین بھی فرمائی۔ مرشد کے حکم کے مطابق حضرت ہفتہ میں دو بار دربار حضرت گنج بخش میں انتہائی سادہ پیرایہ میں ''کشف المحجوب'' کا درس دیتے جس سے سینکڑوں عقیدت مندوں کے دل روحانیت سے لبریز ہو گئے۔ سجادہ نشین دربار عالیہ (داتا گنج بخش) تو آپ کی روحانیت کے اس قدر قائل ہو گئے کہ اپنا حجرہ تک حضرت کے لاہور میں قیام کے لئے وقف کر دیا۔(۱۲۷)

''دیگر اولیا کرام کی طرح حضرت کو بھی دینی تبلیغ کا بڑا شوق تھا، چنانچہ اسی شوق کی تکمیل کے لئے حضرت نے پنڈی بھٹیاں، گجرات اور لاہور میں ۲۵ (پچیس) مساجد اور ۳ (تین) عیدگاہیں تعمیر کرائیں۔ ان میں ''نوری مسجد'' نزد لاہور ریلوے اسٹیشن خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس مسجد میں بچوں کو کلام اللہ کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں مریضوں کے علاج کے لئے ایک طبی مرکز بھی قائم کیا گیا ہے، جہاں تمام طبی سہولتیں بلا امتیاز مفت فراہم کی جاتی ہیں تبلیغ دین کے علاوہ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ امام احمد رضا بریلوی،

۱۹۴۵ء میں ''نوری کتب خانہ'' کے نام سے اپنا مکتبہ قائم کیا۔

تصانیف:۔ حضرت جہاں ایک بلند پایہ عالم دین، ولی اللہ، سچے عاشق رسول اور روحانیت کا سرچشمہ تھے وہاں ایک زبردست مصنف بھی تھے۔ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مواعظ القرآن والحدیث (تین جلدوں میں)

۲۔ گلدستہ ہدایت

۳۔ ارشادات حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور۔

۴۔ سجری روٹی (منظوم پنجابی)

۵۔ گلدستہ شریعت (منظوم پنجابی)

۶۔ ہدایت نامہ بے نمازاں

۷۔ معصوم ہدایت

۸۔ خطبہ سوری بیان (۱۲۹)

وفات:۔ یہ متشرع درویش ۲۹ شوال ۱۳۸۸ھ/ ۱۸ جنوری ۱۹۶۹ء کو ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب پونے سات بجے نوری مسجد اسلام گنج عقب داتا دربار واصل الی اللہ ہوئے۔ نماز جنازہ کے بعد وصیت کے مطابق گجرات لے جایا گیا۔ دوسری نماز جنازہ مفتی احمد یار خان نے پڑھائی۔ تیسری نماز جنازہ حضرت کے آبائی گاؤں چک سادہ شریف میں حضرت کے استاد کے فرزند میاں رحمت اللہ نے پڑھائی اور جسد مبارک کو مرشد (شیخ فضل نور نوی) کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

حضرت کے خلفاء میں سید حسین شاہ گیلانی (فرزند اکبر)، سید محمد حسن شاہ گیلانی (فرزند اصغر)، سید نواب علی شاہ صاحب اور صاحبزادہ رؤف احمد نوشاہی شامل ہیں۔ (۱۳۰)

پیدائش:۔ حکیم صاحب لاہور کے ایک ممتاز علمی اور مذہبی گھرانے کے فرد تھے۔حکیم صاحب ولد شیخ حبیب اللہ حویلی میاں اندرون موچی دروازہ لاہور میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر میں ہوئی۔گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کے بعد دینی تعلیم کی تکمیل کے لئے دہلی میں مقیم رہے۔

ایک قلیل عرصے تک اپنے والد کا پیشہ طباعت میں ہاتھ بٹاتے رہے۔آپ نے اپنے والد کی اجازت سے مشہور انگریزی روزنامہ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' میں ملازمت اختیار کرلی۔حکیم محمد روح اللہ صاحب نے اخبار کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر پہلے محکمہ جنگلات اور پھر نارتھ ویسٹرن ریلوے میں ملازمت اختیار کرلی۔ ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد آپ نے اپنا آبائی پیشہ طباعت اپنایا اور۱۹۶۴ءتک حکمت کرتے رہے۔ حکیم محمد روح اللہ صاحب حضرت آغا سکندر شاہ پشاوری (م۱۴رمضان ۱۳۳۱ھ) رحمۃ اللہ علیہ سے تیس برس کی عمر میں بیعت ہوئے اور جملہ روحانی منازل ومراتب اپنے پیر روشن ضمیر کی زیرنگرانی ہوئے۔۴۱ برس کی عمر میں حکیم محمد روح اللہ صاحب حضرت درویش عبدالعزیز صاحب نقشبند لاہوری المتوفی ۱۹۱۷ء مدفون روضہ سرہند شریف سے نقشبندی سلسلے میں بھی بیعت ہوئے۔قادری اشغال کے سلسلے میں حکیم صاحب،حضرت قاضی سلطان محمود صاحب قادری آوان شریف والوں سے بھی کسب فیض کرتے تھے۔

حکیم محمد روح اللہ صاحب تفسیر کلام پاک،احادیث،علم الکلام اور تصوف میں ایک مقام رکھتے تے اور انہیں عربی،فارسی،اردو، انگریزی زبانوں میں بڑی دستگاہ تھی۔کشف القبور اور کشف ارواح کا بھی علم رکھتے تھے۔

حکیم محمد روح اللہ صاحب نے حضور بنی کریمﷺ کی حیات طیبہ پر انگریزی اور اردو میں تصانیف لکھیں جواب ناپید ہیں۔اس کے علاوہ''تذکرہ بزرگان قادریہ'' بھی لکھی۔حکیم صاحب کی وفات ۲۸ اگست

قبرستان) آسودہ خاک ہوئے۔ آپ کی نرینہ اولاد آپ کو صغرسنی ہی میں داغ مفارقت دے گئی تھی۔ (۱۳۷)

۵۱۔ پیر سید آفتاب احمد گیلانی:۔

پیدائش:۔ پیر سید آفتاب احمد گیلانی ابن سید محمد افضل گیلانی الرحمہ ۱۹۲۴ء میں پیر کوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے علوم مروجہ کی تکمیل اپنے والد ماجد کی سرپرستی میں کی۔ آپ کے اساتذہ میں قابل ذکر مفتی عباس تھے۔

آپ اپنے والد کی وفات (اگست ۱۹۴۹ء) کے بعد درگاہ کی سجادہ نشین ہوئے۔ سلسلہ قادریہ میں آپ اپنے والد ہی سے بیعت وخلافت یافتہ تھے۔

آپ نے بقیہ زندگی مریدین کی اصلاح وتربیت میں رشد وہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے گذاری۔

وفات:۔ آپ نے ۱۴ ستمبر ۱۹۶۹ء کو بعمر ۴۵ سال وفات پائی اور اپن یاجداد کے جوار میں پیر کوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں سپرد خاک ہوے۔

آپ کے اکلوتے بیٹے صاحبزادہ سید محمد سراج احمد گیلانی قادری خلیفہ اور سجادہ نشین ہیں۔ اس کے علاوہ شیر شاہ قادری صاحب (ساکن پیر کوٹ سدھانہ) اور جناب عبدالغنی بہاولپوری صاحب بھی آپ کے خلفاء میں شامل ہیں۔ (۱۳۲)

۵۲۔ سائیں قمر الدین:۔

آپ یکی دروازہ کے رہنے والے تھے۔ سید نو بہار شاہ ولد سید سردار شاہ بخاری فاضل نوشاہی

میں بہت تھا۔ اکثر لوگ مستفیض ہوئے تھے۔

سائیں قمرالدین کی وفات بروز اتوار ۱۹ رمضان ۱۳۸۹ھ/ ۳۰ نومبر ۱۹۶۹ء کو ہوئی۔ مزار عامر روڈ شاد باغ نزدیک بندر روڈ لاہور میں واقع ہے۔(۱۳۳)

۵۳۔ مولانا سید مغفور القادری:۔

پیدائش:۔ حضرت مجاہد ملت، شیخ طریقت مولانا سید مغفور القادری ابن سید سردار احمد ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت لعل شہباز قلندر سے ملتا ہے۔

تعلیم و تربیت:۔ آپ نے ۹ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ابتدائی کتابیں مولانا مفتی حیات گڑھی والے اور جامع معقول ومنقول مولانا عبدالکریم ہزاروی ثم بھر چونڈی سے پڑھیں۔ اس کے بعد ''مدرسہ شمس العلوم''، بستی مولویان ضلع رحیم یار خان میں تکمیل فرمائی۔ مولانا سراج احمد مکھن بیلوی سے بھی مستفید ہوئے۔ تقریباً بائیس سال کی عمر میں تمام علوم سے فراغت حاصل کر لی اور حافظ محمد عبداللہ بھر چونڈی سے بیعت ہو گئے۔

خدمات:۔ تعلیم سے فارغ ہو کر بھر چونڈی شیف کے قدیمی دارالعلوم میں مسند درس وافتاء پر فائز ہوئے جہاں سے سندھ اور بیرون سندھ کے سینکڑوں طلبہ مستفید ہوئے۔ آپ نے بھی دیگر علماء ومشائخ قادریہ کی طرح تحریک پاکستان میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت پیر عبدالرحمٰن بھر چونڈی قدس سرہ کی معیت میں سندھ کے چپے چپے کے دورے کیے، تقریریں کی اور مناظرے کیے۔ حضرت مغفور القادری تحریک پاکستان سے قیام پاکستان تک اور پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی مملکت بنانے میں ہر طرح سے پیش پیش رہے۔ حضرت پیر عبدالرحمٰن بھر چونڈی کی معیت میں ''جماعت احیاء الاسلام'' قائم کی۔ ''دو قومی نظریہ'' کی تائید کی اور

عامہ کو مسلم لیگ کے حق میں ہموار کیا۔ ۱۹۴۶ء میں سندھ کے نمائندے کی سے ایک سو افراد کے ہمراہ ''آل انڈیا کانفرنس'' بنارس میں شرکت کی اور کانفرنس میں خصوصی میٹنگوں میں شریک ہو کر اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔

آپ کی زندگی بہت فعال اور مجاہدانہ تھی اور آپ علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تصویر تھے کہ

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

جب مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی طرف سے کراچی میں (۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء) کو ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح، قائد ملت لیاقت علی خان اور نواب اسمٰعیل خان مرحوم کے علاوہ بہت سے اکابرین شریک ہوئے تو ''احیاء الاسلام'' کے نائب صدر کی حیثیت سے آپ نے اعلان فرمایا کہ:

''جماعت احیاء الاسلام'' کو مسلم لیگ میں ضم کرتے ہیں اور احیاء الاسلام '' کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے پانچ ممبران اسمبلی بھی مسلم لیگ میں شامل ہوتے ہیں۔

مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد آپ عملی طور پر مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دامے درمے، قدمے، سخنے اور قلمے میدان میں نکل آئے۔ آپ نے حیدرآباد کو اپنا اور مسکن ''تنظیم المشائخ'' کے نام سے مشائخ کی ایک جماعت بنائی تاکہ سندھ کے مشائخ کو اکھٹا کر کے مسلم لیگ کے جھنڈے تلے لایا جاسکے۔ آخر ایک کنونشن میں سندھ کے تمام سجادہ نشین حضرات کو بلایا اور مسلم لیگ کا منشور پیش کیا، چنانچہ آپ کی کوششوں سے اکثر جانشین مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

جب قیام پاکستان سے قبل سکھر میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ''مسجد منزل گاہ'' پر ہندوؤں اور

اورانگریزوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر یہ مسجد مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔

۔ آپ ایک سحر بیان خطیب اور ، سرائکی کے بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب طرز مصنف بھی تھے۔ ''جامعہ محمدیہ رضویہ'' رحیم یار خان میں ایک سال تدریس بھی کی (تذکرہ علمائے پنجاب ج ۲ ص ۷۵۰)۔

آپ نے نہ صرف سندھ و پنجاب بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ آپ اپنی مجالس میں عوام الناس کو اخلاق حسنہ اپنانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

تصانیف:۔ آپ کی چند یادگار تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عبادالرحمٰن (مشائخ بھرچونڈی شریف کا تذکرہ) مطبوعہ کنول آرٹ پریس لاہور ۱۹۶۹ء۔

۲۔ تنویرالعینین فی تقبیل الابہامیں (انگوٹھے چومنے پر سندھی میں کتاب)

۳۔ الرسول مطبوعہ

۴۔ کلام مغفور (عربی، فارسی، سرائیکی اور اردو کلام)

وفات:۔ آپ نے پانچ صفر ۱۳۹۰ھ/۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو بروز اتوار وفات پائی اور اپن وال گرامی سردار احمد قادری علیہ الرحمہ کے پہلو میں (گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خان) میں مدفون ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے سید محمد فاروق القادری آپ کے خلیفہ وسجادہ ہیں۔ (۱۳۴)

۵۴۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی

پیدائش:۔ حضرت عبدالغفور ہزاروی ابن مولانا عبدالحمید ابن مولانا محمد عالم ۹ ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ/ دسمبر ۱۹۱۰ء بروز جمعہ ہری پور کے قریب کالا پند میں پیدا ہوئے۔

مولانا احمد دین (بھوئی، کیمبلپور) سے پڑھیں۔ استاد العلماء مولانا محبّ النبی، بحر العلوم مولانا یار محمد بند یالوری، استاد شیر مشتاق احمد کانپوری سے بھی درس لیا دورہ حدیث کے لئے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دار العلوم منظر الاسلام سے سند فراغت حاصل کی۔

فارغ ہونے کے بعد کچھ عرصہ حجار ضلع لائل پور (فیصل آباد) اور تین سال تک مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۳۵ء میں وزیر آباد ریلوے اسٹیشن کے قریب ایک جامع مسجد میں تشریف لائے اور ''جامعہ نظامیہ'' کی بنیاد رکھی۔ یہیں آپ نے دورہ قرآن پڑھانے کی ابتداء کی جسے تاحیات بڑی دھوم دھام سے جاری رکھا۔

زمانہ تعلیم میں آپ حضرت شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی (قادری چشتی) قدس سرہ کے دست حق پرست بیعت ہوئے۔ (۱۳۵)

آپ کو حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی، اس کے علاوہ سائیں گوہر دین (ساکن جنید بھڑ گجرات) اور مولانا حامد رضا خان قادری بریلوی سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ (۱۳۶)

آپ نے ہر دینی اور ملی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کے تاریخی اجلاس لاہور میں شریک ہوئے، ۱۹۴۶ء میں سنی کانفرنس بنارس میں شریک ہوئے اور پاکستان ایسی نظریاتی اسلامی مملکت کے حق میں پرزور تقریر کی۔ ۱۹۴۶ء ہی میں تحریک سول نافرمانی میں گرفتار ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں جمعیۃ العلماء پاکستان کے نائب صدر مقرر ہوئے، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور گرفتار ہوئے۔ ۱۹۶۸ء میں صوبائی جمعیۃ العلماء پاکستان کے صدر منتخب ہوئے اور جنوری ۱۹۶۹ء میں مرکزی صدر منتخب ہوئے۔

تحریک آزادی میں دینی خدمت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنے جوش خطابت سے عامۃ المسلمین کو

اور اتحاد ملت پارٹی کو اس میں ضم کر دیا۔ تحریک شہید گنج میں مولانا ظفر علی خان کے ساتھی تھے ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں ان کی تقریر سن کر مولانا ظفر علی خان نے کہا تھا کہ:

چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا　　　میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا

بند اسکے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ　　یا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا

زمانہ طالب علمی میں آپ کی خصوصیت کو دیکھتے ہوئے آپ کے استاد مولانا حامد رضا خان قادری بریلوی نے آپ کو ''بوالحقائق'' کے لقب سے سرفراز فرمایا۔ تاحیات درس قرآن دینے کی وجہ سے آپ ''شیخ القرآن'' کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ شعر کی صورت میں اپنے جذبات کا اظہار فرماتے تھے۔ کلام میں بلا کا سوز تھا، چشتی تخلص کرتے تھے۔

آپ نے ۸ شعبان ۱۳۹۰ھ/ ۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو وزیر آباد جی ٹی روڈ (ضلع گوجرانوالہ) پر ٹرک کے حادثے میں جام شہادت نوش کیا۔

آپ کو یہیں اپنی اراضی میں سپرد خاک کیا گیا۔ خواجہ غلام محی الدین گولڑوی علی الرحمہ نے آپ کے بڑے صاحبزادے مفتی عبدالشکو ہزاروی کی دستار بندی فرمائی۔ (۱۳۷) کسی بھی تذکرہ نگار نے آپ کی تصنیفات کا ذکر کیا جس سے اندازہ ہے کہ درس و تدریس اور تقریر کے باعث آپ کو اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

۵۵۔ مولانا غلام الدین:۔

پیدائش:۔ مجاہد تحریک ختم نبوت، خطیب پاکستان حضرت مولانا غلام دین ابن مولانا میاں سید احمد ابن میاں فضل دین ابن میاں کرم دین موقع چکوڑی ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ (گجرات سے ۹ میل دور

تعلیم وتربیت:۔ قرآن مجید والد ماجد سے پڑھا، گاؤں سے ڈیڑھ میل دور قصبہ کنجاہ کے اسکول میں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد عبداللہ کنجاہی سے سکندر نامہ تک فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں موقع ٹھیکریاں میں مولوی فضل حق سے پڑھیں، پھر لاہور تشریف لائے اور دارالعلوم حزب الاحناف میں داخلہ لیا، استاذ العلماء مولانا محمد مہر الدین (مولف تسہیل المبانی شرح مختصر المعانی)، مولانا ابوالبرکات سید احمد، مفتی اعظم پاکستان اور امام المحد ثین مولانا سید دیدار علی شاہ الوری قدس سرہ سے درس نظامی اور حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۳۵۶ھ/۳۴-۱۹۳۳ء میں سند فراغت حاصل کی۔

حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی (قادری چشتی) کے دست اقدس پر بیعت تھے۔ خود کہتے ہیں:

اشرفی ہوں بندہ مسکین ہوں　　　خادم قوم وغلام دین ہوں

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ابتداء مسجد لال کھوہ اندرون موچی دروازہ میں خطیب مقرر ہوئے پھر گڑھی شاہو یں ریلوے کے اونچے پل کے نیچے انجمن شیذ کی مسجد جامعہ صدیقیہ میں خطابت وامامت شروع کی۔

مولانا قادرالکلام، خوش بیان اور مجمع پر چھا جانے والے مقرر تھے جمیعت العلمائے پاکستان کے قیام اورتحریک پاکستان میں قابل قدر خدمات انجام دیں، تحریک ختم نبوت میں شریک ہوئے اور قید بند کی مصیبتیں برداشت کیں۔ تحریک آزادی کشمیر میں نمایاں حصہ لیا۔

مولانا غلام دین علیہ الرحمہ نے حسب ذیل کتابیں تالیف کیں:

۱۔ فضائل امام اعظم

۲۔ فضائل درود شریف

۳۔ رفیق الواعظین

وفات:۔ ۱۰ شعبان ۱۳۹۰ھ/۱۲ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو بروز پیر بوقت نماز ظہر ہوئی اور مسجد کی جانب جنوب

آپ کے صاحبزادے مولانا محمد رفیق اشرفی جید عالم دین اور شعلہ بیان خطیب ہیں۔(۱۳۸)

۵۶۔ مولانا سید ایوب علی رضوی:۔

پیدائش:۔ مولانا سید ایوب علی رضوی ابن سید شجاعت علی، بریلی شریف (بھارت) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ مڈل اسکول میں پڑھنے کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کی، کچھ عرصے اسلامیہ اسکول بریلی میں پڑھاتے رہے پھر جب اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے خود کو بارگاہ رضویت کے لئے وقت کر دیا۔

خدمات:۔ لکھائی کا جو کام آپ کے سپرد کیا جاتا اسے حسن اہتمام سرانجام دیتے۔ رمضان شریف میں سحری اور افطار کے نقشے مرتب فرماتے۔ دیگر علوم کے علاوہ حساب میں اعلیٰ حضرت سے خوب خوب استفادہ کیا۔(۱۳۹)

آپ نے اعلیٰ حضرت کے وصال (۱۹۲۱ء) کے دو سال بعد ۱۹۲۳ء میں بریلی شریف میں ''رضوی کتب خانہ'' قائم کیا اور اعلیٰ حضرت کے متعدد رسائل شائع کئے۔

آپ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء میں پاکستان آ کر لاہور میں قیام پذیر ہو گئے۔ یہاں بھی ''رضوی کتب خانہ'' قائم کر کے متعدد رسائل شائع کئے۔

تصانیف:۔ آپ ایک اچھے نعت گو شاعر اور صاحب طرز ادیب بھی تھے آپ کا مجموعہ کلام ۱۔ باغ فردوس کے نام سے دو حصوں میں طبع ہو چکا ہے ایک حصے کا مزید مواد تھا جو شائع نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ ۲۔ شقاوۃ النجدیہ علی دیار القدسیۃ العربیۃ (۱۳۸۶ھ) منظوم اور ۳۔ رفیق زائرین (حجاج اور زائرین کے لئے ہدایات کا مجموعہ) وغیرہ رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ موخر الذکر رسالہ میں آپ نے اپنی ایک تصنیف

وفات:۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ ۶ نومبر ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ الوداع آپ کا وصال ہوا، اور میانی صاحب (لاہور) کے قبرستان میں دفن ہوئے۔(۱۴۱)

آپ کے صاحبزادے سید یعقوب علی شاہ گورنمنٹ کالج مردان میں وائس پرنسپل تھے۔آپ کے جانشین شاہد علی نورانی (مالک مکتبہ رعۃ لاہور) تھے۔

۵۷۔ <u>شیخ وحید حسین:۔</u>

آپ لاہور کے ایک قابل احترام بزرگ تھے اور سلسلہ عالیہ قادریہ کے خادم۔آپ کا مقبرہ قبرستان بدھو کا آوا جی ٹی روڈ بالمقابل سابقہ سکھ نیشنل کالج واقع ہے۔

لوح مزار پر تحریر ہے۔شیخ المشائخ حضرت وحید حسین قادری۔تاریخ وصال ۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۷۱ء۔(۱۴۲)

دورا قیام لاہور آپ کے بارے میں مستند حالات کسی سے معلوم نہ ہو سکے۔آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہے۔

۵۸۔ <u>مولانا سید غلام معین الدین نعیمی</u>

پیدائش:۔ مولانا سید غلام معین الدین نعیمی ابن صوفی سید صابر اللہ شاہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ/۲۳ دسمبر ۱۹۲۳ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:۔ ''جامعہ نعیمیہ'' مراد آباد میں مولانا محمد عمر نعیمی اور مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی سے علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل کی اور ۱۹۴۳ء میں ''دھاجیہ طبیہ کالج''، لکھنؤ سے ''الحکیم الفاضل'' کی سند حاصل کی۔

کام کیا اور ایک عرصے تک ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے منصف رہے۔ شاہ علی حسین اشرفی قادری سے بیعت ہوئے اور مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی سے خلافت پاکر رشد وہدایت میں مشغول ہو گئے۔

۱۹۵۰ء میں پاکستان چلے آئے۔ غازی کشمیر مولانا ابوالحسنات قادری نے آپ کو ''جمعیت علمائے پاکستان'' کا ناظم مقرر کیا۔ ایک مدت تک آپ جمعیت کا ترجمان اخبار ہفت روزہ ''الجمیعۃ'' نکالتے رہے بعدازاں صدر الافاضل کی یاد میں ہفت روزہ ''سوادِ اعظم'' نکالا۔

آپ نے بہت سی عربی و فارسی کتب کے تراجم کیے، جن میں ''شفا شریف (مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ا،۲)'' مدارج النبوۃ (مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۰ء ا،۲) اور ''کشف المحجوب'' (مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) کے تراجم قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بے سروسامانی کے عالم میں مسلک اہلسنت کی بہت سی کتابوں کی اشاعت کی۔ (۱۴۳) تراجم کے علاوہ آپ نے چند کتب بھی لکھیں جن میں قابل ذکر ''حیات صدر الافاضل'' (مطبوعہ) اور ''موعظہ حسنہ'' (مطبوعہ نعیمیہ رضویہ ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء لاہور) ہیں۔

آپ نے تمام زندگی مذہبی خدمات انجام دینے اور خدمت خلق میں گذاری اور غربا کا مفت علاج کیا۔

وفات:۔ آپ نے ۲۱ جمادی الآخر ۱۳۹۱ھ/۱۴ اگست ۱۹۷۱ء کو ہادر میں وفات پائی اور میانی صاحب کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ (۱۴۴)

۵۹۔ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی:۔

پیدائش:۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی ابن مولانا محمد یار خان بدایونی شوال

''منظور حسین'' ہے۔

تعلیم وتربیت:۔ آپ نے والد بزرگوار کی زیرنگرانی قرآن مجید حفظ کیا اور ابتدائی فارسی کتب پڑھیں پھر ''مدرسہ شمس العلوم'' بدایوں میں داخل ہوکر تین سال تک (۱۹۱۶ء تا ۱۹۱۹ء) مولانا قدیر بخش بدایونی اور دیگر اساتذہ سے اکتساب فیض کیا، اس کے بعد ''مدرسہ اسلامیہ'' مینڈھو (علی گڑھ) میں داخل ہوکر کچھ عرصہ پڑھا۔اس کے بعد ''جامعہ نعیمیہ'' مرادآباد چلے گئے۔(۱۴۵)

یہاں مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی سے سند حدیث لی اور پھر علامہ مشتاق احمد کانپوری کے ساتھ میرٹھ گئے اور ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی، شاہ علی حسین اشرفی سے بیعت کی۔

خدمات:۔فراغت کے بعد ''جامعہ نعیمیہ'' مرادآباد سے تدریس شروع کی اور فتویٰ نویسی کا کام بھی کرتے رہے۔ بعدازاں ''مدرسہ مسکینیہ'' دھوراجی، کاٹھیاواڑ میں ۹ سال تک تدریس اور خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔اس کے بعد ایک سال ''جامعہ نعیمہ'' مرادآباد میں اور تقریباً تین سال کچھوچھہ شریف میں رہے۔ پھر مفتی سید ابوالبرکات کے بلانے پر پاکستان آ گئے اور بارہ تیرہ برس ''دارالعلوم خدام الصوفیہ'' گجرات میں اور دس برس ''انجمن خدام الرسول'' میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔(۱۴۶)

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں جب ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' ۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہوئی تو آپ نے بھی پنجاب کے علماء ومشائخ کے ساتھ اس میں شرکت کی۔صوبائی الیکشن میں اوجھیانی (بدایوں) جاکر تقاریر کیں اور مسلم لیگ کو کامیاب کرایا۔(۱۴۷)

تصانیف:۔ آپ نے تقریباً ۴۶ سال کا عرصہ خدمت دین میں صرف کیا سینکڑوں علماء کو فیضیاب فرمانے کے

تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر نعیمی (گیارہویں پارے کے ربع آخر تک) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات جلد اول تا یازدھم۔ محررہ ۱۳۶۲ھ تا ۱۳۹۱ھ۔

۲۔ نعیم الباری فی انشراح البخاری (حاشیہ بخاری) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات

۳۔ مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ اردو (آٹھ جلدوں میں) مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات محررہ ۱۳۷۸ھ تا ۱۳۸۸ھ۔

۴۔ نور العرفان فی حاشیۃ القرآن (محررہ ۱۳۷۷ھ مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ پاکستان)

۵۔ جاء الحق (اردو دیوبند وغیرہ مقلدہ جلد) مطبوعہ ایضاً محرم ۱۳۶۱ھ، ۱۳۷۶ھ

۶۔ علم المیراث (مطبوعہ نوری بکڈپو لاہور، محررہ ۱۳۵۲ھ، صفحات ۶۴)

۷۔ شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن، (مطبوعہ کراچی محررہ ۱۳۶۱ھ صفحات ۲۵۶)

۸۔ اسلامی زندگی (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

۹۔ سلطنت مصطفیٰ (مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور صفحات ۸۰)

۱۰۔ دیوان سالک (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

۱۱۔ علم القرآن (مطبوعہ نوری بک ڈپو لاہور محررہ ۱۳۷۱ھ)

۱۲۔ رسالہ نور (مطبوعہ نوری بک ڈپو لاہور محررہ ۱۳۷۵ھ)

۱۳۔ رحمت خدا بوسیلہ اولیاء (مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

۱۵۔ نئی تقریریں (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گجرات) وغیرہ وغیرہ (۱۴۸)

وفات:۔ حکیم الامت حضرت مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ کا وصال ۳ رمضان المبارک، ۲۴ اکتوبر (۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو ہوا۔ آخری آرامگاہ گجرات (پنجاب) میں ہے۔ (۱۴۹)

۶۰۔ حاجی کریم بخش:۔

پیدائش:۔ آپ کی ولادت تقریباً ۱۸۴۱ء میں موضع امرتسر میں ہوئی۔ ابھی بچے ہی تھے کہ والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور چند سال بعد لاہور تشریف لے آئے اور پھر مروجہ علوم کی تکمیل کی۔ بیعت آپ کی قادری سلسلہ سے تھی۔ آپ کی وفات بعمر ۱۳۰ سال ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء بمقام داروغہ والا (مضافات لاہور) میں ہوئی اور مزار احاطہ خانقاہ گاندھی شاہ داروغہ والا میں اپنے پیر و مرشد حضرت کالے شاہ قادری کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کے فرزند حاجی محمد اسحاق قادری بھی اسی قصبہ میں رہائش پذیر ہیں۔ انکی بیعت قادری سلسلہ میں حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قادری بصیر پوری سے ہے۔ (۱۵۰)

۶۱۔ مولانا محمد شریف نوری:۔

پیدائش:۔ خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری ابن مولانا محمد دین ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں بمقام چکوڑی (گجرات) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ کنجاہ (گجرات) میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ''دارالعلوم حنفیہ فریدیہ'' بصیر پور (اوکاڑہ) میں تمام کتب متداولہ کی تحصیل کر کے مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی قادری سے درس حدیث لیا اور بیعت ہوئے

خدمات:۔ اسی سال قصور میں خطیب مقررہ ہوئے اور ۱۳۸۱ھ تک فرائض انجام دیئے۔ قصور ہی میں قیام کی وجہ سے نوری قصوری کے نام سے متعارف ہوئے۔

۱۹۵۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ''مولوی فاضل'' اور ۱۹۵۵ء میں ادیب فاضل کا امتحان نمایاں کامیابی سے پاس کیا اور قصور ہی میں مشہور نعت خواں محمد علی ظہوری کے ساتھ مل کر ماہنامہ ''نور وظہور'' نکالا جو بڑا مقبول ہوا مگر زیادہ عرصے جاری نہ رہ سکا۔(۱۵۱)

آپ کے سحر خطابت کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے کہ یکم مئی ۱۹۵۹ء کو کلارک آباد (مضافات رائے ونڈ) کے تقریباً دو ہزار عیسائی آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔(۱۵۲)

آپ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں لاہور آ گئے۔ ایک عرصے تک جامع مسجد سبیل والی ''شاہ عالم مارکیٹ میں پھر کچھ عرصہ ''سرائے رتن چند'' میں خطیب رہے، بعد ازاں ''جامع مسجد محمدیہ'' راوی روڈ میں تشریف لائے اور یہاں ''جامعہ محمدیہ'' کی بنیاد رکھی۔(۱۵۳)

آپ ''جمیعۃ العمائے پاکستان''، ''پاک سنی تنظیم'' اور ''انجمن اصلاح المسلمین'' کے سرگرم رکن تھے اور ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۳۹۰ھ میں جابجا دورے کئے اور آئین اسلامی کے نفاذ کے حق میں تقاریر کیں، عقائد باطلہ کی پوری قوت سے تردید کی۔(۱۵۴)

۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء میں لاہور سے ماہنامہ ''الحبیب'' کا اجراء کیا، نیز گنج بخش روڈ'' مکتبہ اسلامیہ'' جاری کیا۔(۱۵۵)

۱۔ آفتاب سنت رد چراغ سنت (مطبوعہ لاہور صفحات ۲۴۰)

۲۔ بارہ تقریریں (مطبوعہ فرید بک اسٹائل لاہور ۱۹۸۳ء محررہ ۱۹۶۵ء صفحات ۳۰۴)

۳۔ مسئلہ گیارہویں

۴۔ نشری تقریریں (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور صفحات ۱۵۶)

۵۔ حرمت تعزیہ داری

۶۔ عرب کا مسافر

۷۔ افکار و سیاست علماء یو بند (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، چکوڑہ، صفحات ۲۲۰)

وفات:۔ ۲۸/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ/۱۳ امئی ۱۹۷۲ء کو جمعہ و ہفتہ کی درمیانی شب کو میو اسپتال میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار ''جامع مسجد محمدیہ'' (راوی روڈ) کے صحن میں ہے۔(۱۵۶)

۱۔ تذکرہ علمائے پنجاب، اختر راہی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ ۱۹۸۰ء، ص ۷۹۴، جلد دوم

۲۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، لاہور، شبیر برادرز پبلشرز ۱۹۸۳ء، ص۔ ۵۵۸

۳۔ ایضاً ص۔ ۵۵۸

۴۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محولہ بالا ص۔ ۲۳۸

۵۔ اکابر تحریک پاکستان، محمد صادق قصوری، لاہور، نوری بکڈ پو، ۱۹۷۹ء، ص ۲۳۷، ۲۳۶، جلد اول

۶۔ ایضاً ص۔ ۲۳۹/۲۳۸، وفیات مشاہیر پاکستان، ص ۲۳۷

۷۔ اولیائے ملتان، محولہ بالا ص۔ ۲۵۶/۲۵۵

۸۔ ایضاً ص۔ ۲۵۶

۹۔ ایضاً ص ۲۵۶

۱۰۔ بروایت خلیفہ عبدالغنی بہاولپوری ساکن بستو حاجی عبدالغنی چانڈیو موضع غازی پور، چوک ظاہر پیر، تحصیل کانپور، ضلع رحیم یار خان

۱۱۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محولہ بالا ص ۲۶۰/۲۵۹ اولیائے جھنگ، ص ۱۰۰، وفیات مشہیر پاکستان، ص ۸۳

۱۲۔ ایضاً ص۔ ۲۶۳

۱۳۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محولہ بالا ص۔ ۴۸۴

۱۴۔ ایضاً ص۔ ۴۸۵، سفیات مشاہیر پاکستان، ص ۲۴۵

۱۵۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، ص۔ ۲۶۲

۱۶۔ اکابر تحریک پاکستان، محولہ بالا ص۔ ۱۶۷۔ جلد اول مدینۃ الاولیاء، ص ۳۱۱، کلام نیرنگ، ص ۹، ۱۲

۱۷۔ ایضاً ص۔ ۱۲۸، مدینۃ الاولیاء، ص ۳۱۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۷۰۔۷۱، ایضاً ص ۱۹، ۳۰۔۳۳، ۳۵ ملخصا

۲۰۔ ایضاً، ص۔۷۱۔ ایضاً، ص ۳۱۲، ایضاً ص ۱۹، ۳۰، ۳۵ ملخصا

۲۱۔ تذکرہ علمائے پنجاب، اختر راہی ص۔۵۸۶۔۵۸۷ (حوالہ ہم اور ہمارے اسلاف، عبدالرحمٰن ہمدانی، سید کلاسک لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۳۹۱، ۳۹۵، وفیات مشاہیر پاکستان، ص ۲۰۶

۲۲۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محولہ بالا، ص۔۱۹۸

۲۳۔ تذکرہ علمائے پنجاب، محولہ بالا، ص۔۲۴۲، جلد اول

۲۴۔ تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور، اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ مکتبہ نبویہ، ۱۹۸۷ء، ص۔۳۴۴

۲۵۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محولہ بالا، ص۔۲۰۰

۲۶۔ ایضاً، س۔۲۰۰، فیات مشاہیر پاکستان، ص۔۱۲۶

۲۷۔ تذکرہ علمائے پنجاب، محولہ بالا، ص۔۲۷۹/۲۸۰ جلد اول، ایضاً، ص ۱۴۲، مشاہیر علمائے، ج س ا، ص ۲۷۵۔۲۷۶

۲۸۔ شان حسن، مولانا، مہر محمد، مکتبہ ہمدم، منڈی چھانا مانگا تحصیل چونیاں لاہور ۱۹۶۲ء، ص۔۲۔۴۔ الیواقیت المھریہ، ص۔۹۸۔۹۹ تذکرہ اکابر اہلسنت، ص۔۵۴۳۔۵۴۴، تذکرہ علمائے پنجاب، جلد ا، ص۔۲۶۴۔۲۶۵

۲۹۔ تذکرہ مشائخ ارائیاں، احمد بدر اخلاق، میاں محمد احسن اخلاق، لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۱

۳۰۔ مدینۃ الاولیاء، ص ۳۱۳ بروایت سید محمد اکرم شاہ اکرم، استاد یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور، شجرہ طیبہ مبارکہ قادریہ العلائیہ جہانگیریہ، ص ا، وفیات مشاہیر پاکستان، ص ۲۵۱۔۲۵۲، گلزار صوفیاء، ص ۴۸۹۔۴۹۳

۳۱۔ تذکرہ علمائے پنجاب، ج ۲، اختر راہی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور ۱۹۸۰ء، ۴۸۹۔۴۹۰

۳۲۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محولہ بالا، ص۔۴۳۳

۳۴۔ ہدایۃ المریدین، محمد لطیف قادری نوشاہی، لاہور، کنول آرٹ پریس ۱۳۹۰ھ، ص۔۵

۳۵۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محولہ بالا، ص۔۲۶۵

۳۶۔ ہدایۃ المریدین، محولہ بالا، ص۔۴

۳۷۔ اکابر تحریک پاکستان، محولہ بالا، ص۔۹۰، جلد اول

۳۸۔ ایضاً، ص۔۹۱، وفیات مشاہیر پاکستان، ص ۴۷

۳۹۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محولہ بالا، ص۔۳۶۷

۴۰۔ ایضاً، ص ۳۶۷/۳۶۸، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۱۸۸

۴۱۔ ایضاً، ص۔۲۱۰، ۲۱۱ الیوقیت المھریہ، ص ۱۵۰

۴۲۔ ایضاً، ص۔۲۱۱ تا ۲۱۳ الیواقیت المھریہ، ص ۱۵۱، وفیات مشاہیر پاکستان ص۔۱۳۱

۴۳۔ ایضاً، ص۔۴۶۳

۴۴۔ ایضاً، ص۔۳۰۶

۴۵۔ ایضاً، ص۔۳۰۶/ ۳۰۷، وفیات الاخبار، ص ۱۸۹

۴۶۔ ایضاً، ص۔۲۹۹

۴۷۔ ایضاً، ۲۹۹/۳۰۰، وفیات مشاہیر پاکستان، ص ۱۷۳، ۲۶۰

۴۸۔ انوار الشیخ قلمی، حکیم حسن محمد جونپوری قادری (م نومبر ۱۹۷۴ء) ص ۵۱ تغیر قلیل

۴۹۔ اکابر تحریک پاکستان، محولہ بالا، ص۔۱۳۵، جلد دوم، تذکرہ حضرت سید میر جان کابلی، ص ۸۶

۵۰۔ ایضاً، ص۔۹۲، جلد اول

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۳۷، ۱۳۸، وفیات مشاہیر پاکستان، ص ۱۱۴

۵۳۔ ایضاً ص۔۹۵/۹۶

۵۴۔ ایضاً ص۔۹۷، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۹۰

۵۵۔ الیواقیت المھریہ، غلام مہر علی، مولانا، چشتیاں (بہاولنگر)، مکتبہ مہریہ، ۱۹۶۴ء ص۷۷

۵۶۔ روئداد مرکزی جمعیت علمائے پاکستان، محمد احمد قادری، مولانا سید، ۶ ۲/ مارچ ۱۹۴۸ء تا مئی ۱۹۴۹ء، ص۔۳/۲

۵۷۔ الیواقیت المھریہ محولہ بالا ص۔۷۷

۵۸۔ تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور محولہ بالا ص۔۳۱۷

۵۹۔ ایضاً ص۔۳۱۷، تذکرہ علمائے پنجاب ج۲، ص۶۰۶

۶۰۔ ایضاً ص۔۳۱۹/۳۲۰ الیواقیت المھریہ، ص۷۸

۶۱۔ ایضاً ص۔۳۲۳، الیواقیت المھریہ، ص۔۷۸

۶۲۔ ایضاً ص۔۳۲۴

۶۳۔ ایضاً ص۔۳۲۶

۶۴۔ ایضاً ص۔۳۲۹، تذکرہ علمائے پنجاب ج۲، ص۶۰۷

۶۵۔ ایضاً ص۔۳۱۸، ایضاً، ۶۰۸ الیوقیت المھریہ، ص۸۹

۶۶۔ ایضاً ص۔۳۳۵، تذکرہ علمائے اہلسنت، ص۵۹۔۶۰ ملخصاً، ماہنامہ ترجمان اہلسنت اکتوبر ۱۹۷۱ء ص ۵۱۔۵۴، وفیات مشاہیر پاکستان ص۸، ۲۱۳ ارباب طریقت، حاجی محمد ادریس بھوجیانی، مکتبہ رحمانیہ ٹوبہ ٹیک سنگھ ۱۹۸۶ء ص۳۵۳

۶۷۔ ایضاً ص۔۳۵۴

۶۸۔ ایضاً ص۔۳۵۴

۷۰۔ ایضاً ص۔۳۵۴

۷۱۔ ایضاً ص۔۳۵۵

۷۲۔ ایضاً ص۔۳۵۶/ ۳۵۷

۷۳۔ ایضاً ص۔۳۵۸، وفیات مشاہیر پاکستان ص ۲۵۴

۷۴۔ مدینۃ الاولیاء، محولہ بالا ص۔۲۵۸/ ۲۵۹، وفیات مشاہیر پاکستان ص ۲۹۵

۷۵۔ تذکرہ علمائے پنجاب، ج ۲، ص ۸۴۱

۷۶۔ تذکرہ اکابر اہلسنت محولہ بالا، ص۔۸۳

۷۷۔ ایضاً ص۔۸۴/۸۳ تذکرہ علمائے پنجاب، محولہ بالا، ج۔۱، ص۔۱۲۵

۷۸۔ ایضاً ص۔۸۴ تذکرہ علمائے پنجاب، محولہ بالا، جلد اول، ص۔۱۲۵

۷۹۔ تذکرہ اکابر اہلسنت۔ محولہ بالا، ص۔۴۶۹

۸۰۔ تذکرہ علمائے پنجاب، محولہ بالا ص۔۳۹۲، ج ۱

۸۱۔ تذکرہ مشائخ قادریہ، محولہ بالا ص۔۲۷۴

۸۲۔ اکابر تحریک پاکستان، محولہ بالا، ص۔۱۵۷، جلد اول

۸۳۔ نائب اعلیٰ حضرت، محمد افضل کوٹلوی، لائلپور (فیصل آباد) جامعہ قادریہ، بلاسن طباعت، ص۔۹

۸۴۔ ایضاً ص۔۱۲، الیواقیت المھریہ، ص۔۸۳

۸۵۔ ایضاً ص۔۱۹، ایضاً ص۔۸۴، محدث اعظم پاکستان، ج۔۱، ۲، ص۔۵۸۸، ۵۸۹، ۷۸۸

۸۶۔ ایضاً ص۔۷۰، نائب اعلیٰ حضرت، ص۔۶۹، ۷۰، ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی

مئی، جون ۱۹۸۱ء ص۔۴۵۔۴۷ اگست ستمبر ۱۹۷۴ء ص ۳۸، ۳۹، ۱۲۸

۸۸۔ بروایت پیر سید نور نبی شاہ مرید و خلیفہ حضرت پیر سید مسکین شاہ صاحب صاحب ساکن کراچی، دربار غوثیہ یوسفیہ گذری ویلیج، تذکرہ صوفیائے بلوچستان، ص۔۳۱۰

۸۹۔ مدینۃ الاولیاء، محولہ بالا، ص۔۵۷۰/۵۷۱، گلزار صوفیاء ص۔۴۴۰۔۴۴۱

۹۰۔ ایضاً ص۔۵۷۲، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۴۲، ایضاً ص۔۴۴۲۔۴۴۳

۹۱۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، ص۔۲۵۵۔۲۵۷، بحولہ شہید اہلسنت، مولانا محمد افضل کوٹلوی، مطبوعہ جامعہ قادریہ مصطفیٰ آباد، لائکپور (۱۳۸۳ھ) ص۔۱۔۳۲ملخصاً

۹۲۔ انوار الشیخ (قلمی)، حکیم حسن محمد جونپوری قادری، ص۔۴۶، ۴۷ملخصاً

۹۳۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، محولہ بالا، ص۔۳۵۹، تذکرہ نوشہ گنج بخش، ص۔۱۷۷

۹۴۔ تذکرہ علمائے پنجاب ج۔۲ص۔۵۲۴۔۵۲۵، تذکرہ نوشہ گنج بخش نوشاہی شریف احمد سید، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۶ء ص۔۱۷۸، ۱۷۹

۹۵۔ ایضاً ص۔۹۷، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۱۸۳

۹۶۔ مدینۃ الاولیاء محولا بالا ص۔۲۶۰ اکابر تحریک پاکستان ج ۲ ص۔۱۳۲

۹۷۔ اکابر تحریک پاکستان، محولہ بالا، ص۔۱۳۳ جلد دوم

۹۸۔ مدینۃ الاولیاء محولا بالا ص۔۲۶۲، ایضاً ص۔ ۱۳۲، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۱۱۲

۹۹۔ الشجرۃ العالیۃ المبارکۃ النقشبندیۃ المجددیۃ القادریۃ الچشتیۃ السبر وردیۃ، ص

۱۰۰۔ مکتوب ڈاکٹر سلطان الطاف علی، ساکن آستانہ دستگیر حق باہو، کیچی بیگ، سریاب روڈ کوئٹہ، بنام معلق محررہ ۱۹۹۶، ۱۲۔۴

۱۰۱۔ تذکرہ مشائخ قادریہ محولہ بالا ص۔۲۷۸، ایضاً ص۔۸۰

۱۰۳۔ ایضاً،ص۔۱۸۹

۱۰۴۔ ایضاً،ص۔۱۲۰، وفیات مشاہیر پاکستان، ص،۹۹

۱۰۵۔ ایضاً،ص۔۱۳۰، مدینۃ الاولیاء، ص۔۳۱۶

۱۰۶۔ ایضاً،ص۔۱۳۱، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۶۰

۱۰۷۔ مدینۃ الاولیاء، ص۔۵۶۶

۱۰۸۔ تذکرہ مشائخ قادریہ،محولہ بالا،ص۔۲۷۹

۱۰۹۔ ایضاً،ص۔۲۷۹،وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۹۹

۱۱۰۔ مدینۃ الاولیاء، محولہ بالا، ص۔۲۶۵

۱۱۱۔ بزرگان لاہور،نامی، غلام دستگیر،پیر،لاہور، نوری بکڈپو،۱۹۸۱ء ص۔۱۲۴

۱۱۲۔ ایضاً، ص۔۱۲۴

۱۱۳۔ ایضاً، ص۔۱۲۵

۱۱۴۔ ایضاً، ص۔۱۲۶، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۲۶۴

۱۱۵۔ ہفت روزہ استقلال،لاہور،۱۶ تا ۲۳ جنوری۱۹۸۳ءص۔۲۲،وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۲۳۹

۱۱۶۔ بروایت جناب عبدالغنی بہاولپوری،ساکن بستی حاجی عبدالغنی چانڈیو موضع غازی پور چک ظاہر پیر، تحصیل خانپور،ضلع رحیم یار خان ۹۶۔۴۔۱۳

۱۱۷۔ تذکرہ مشائخ آرئیاں: احمد بدر اخلاق، میاں محمد احسن اخلاق، لاہور، ۱۹۹۰ءص۱۱۔۱۱۲۔۱۱۷

احیات مغفور، ص۔۱۷۔۲۸، ۱۰۳، ۱۰۷ وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۲۸۴، تذکرہ علمائے پنجاب ج ۲، ص۔۷۵۰

۱۱۹۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، ص۔۲۴۹، الیواقیت المھریہ، ص۔۱۱۴، سیرت مالک،ص۔۳۱،تاریخ رفتگان، ص۔۱۱۲،تذکرہ علمائے، پنجاب، ج،ا ص۔۳۲، ۳۲۱، بحوالہ حضرات شیخ القرآن، ص۔۳۰

۱۲۰۔ ایضاً، ص۔۱۱۲،تذکرہ مشائخ قادریہ، ص۔۲۵۴، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، ص۔۴۹۶، تذکرہ علمائے اہلسنت، ص۔۱۷۰۔۱۷۱، اکابر تحریک پاکستان، ج،ا، ص۔۱۴۶۔۱۴۷

۱۲۱۔ تذکرہ اکابر اہلسنت، ص۔۲۵۰، تذکرہ علمائے اہلسنت، ص۔۱۷۰۔۱۷۱

۱۲۲۔ تذکرہ علمائے پنجاب، ج،اص۔۳۲۱، اکابر تحریک پاکستان، ج ا، ص۔۱۴۸۔۱۵۳،بحوالہ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۳ نومبر۱۹۷۲ء ص۔۴، حضرت شیخ، القرآن، ص۔۳۶۔۳۸،ماہنامہ ترجمان اہلسنت ،کراچی،اکتوبر، ۱۹۷۳ءخطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، ص۳۵، وفیات الاخیار، ص۔۱۸۹، تاریخ فتگان، ص۔۱۱۲، تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت،لاہور، ص۔۳۶۲۔۳۶۴

۱۲۳۔ تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت،لاہور، لاہورص۔۳۶۵، مدینۃ الاولیاء، ص۔۵۶۶۔۵۶۷،تذکرہ اکابر اہلسنت، ص۔۲۹۴۔۲۹۵، تذکرہ علمائے پنجاب،ج۔۲،ص۔۴۴۳۔۴۴۴، پیرزادہ اقبال احمد فاروقی اور میاں محمد دین کلیم نے آپ کی تصانیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔وفیات الاخیار،ص۔۱۰۸

۱۲۴۔ تذکرہ اکابر اہلسنت محولہ بالا ص۔۱۰۸

۱۲۵۔ ایضاً، ص۔۱۰۹

۱۲۶۔ ایضاً، ص۔۱۱۰،وفیات مشاہیر پاکستان،ص۴۰

۱۲۷۔ مدینۃ الاولیاءص۔۲۵۵

۱۲۹۔ ایضاً، ص۔۳۶۲، ایضاً، ص۔۱۸۳۔۱۸۴

۱۳۰۔ تذکرہ اکابر اہلسنت ،ص۔۵۴، الیوقیت المھریہ، ص۔۳۹

۱۳۱۔ ایضاً، ص۔۵۵ ایضاً، ص۔۴۰

۱۳۲۔ ایضاً، ص۔۵۶، ایضاً، ص۔۴۰

۱۳۳۔ ایضاً، ص۔۵۷

۱۳۴۔ ایضاً، ص۔۵۸، وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۱۷

۱۳۵۔ ایضاً، ص۔۵۵۷۔۵۵۸

۱۳۶۔ ایضاً، ص۔۴۸۶

۱۳۷۔ ایضاً، ص۔۴۸۶

۱۳۸۔ ایضاً،ص۔۴۸۷، الیواقیت المھریہ،ص۔۱۲۹

۱۳۹۔ ایضاً،ص۔۴۸۷،ایضاً،ص۱۲۹

۱۴۰۔ مدینۃ الاولیاء،محولہ بالا،ص۔۵۷۴

۱۴۱۔ تذکرہ اکابر اہلسنت محولہ بالا،ص۔۴۸۸،الیواقیت المھریہ،ص۔۱۲۹ ماہنامہ ترجمان اہلسنت ،کراچی،مارچ ۱۹۷۶ء، ص۶۳۔۶۴،وفیات مشاہیر پاکستان، ص۔۲۴۵

مقالے کی تیاری میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں اہم درج ذیل ہیں۔

1- ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر۔ اقبال اور مسلک تصوف، لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

2- ابن عربی، شیخ، اکبر محی الدین۔ فتوحات مکیہ /ترجمہ: علامہ صائم چشتی، فیصل آباد، علی برادران تاجران کتب، ۱۴۱۲ھ، جلد سوم

3- ابن عطاء اللہ اسکندری، شیخ۔ اکمال الشیم /ترجمہ: مولانا خلیل احمد سہارن پوری، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۲ء

4- ابن قیم، حافظ۔ الوابل الصیب من الکلم الطیب /ترجمہ: لاہور، بستان ادب

5- ابوالحسین، شاہ، احمد نوری۔ سراج العوارف فی الواصایا والمعارف /ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن

6- ابوبکر بن ابواسحاق۔ التعرف لمذھب اھل التصوف /ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن

7- ابوالحسن علی ندوی، مولانا، سید۔ تاریخ دعوت وعزیمت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، حصہ اول

8- ابونصر سراج، شیخ۔ کتاب اللمع فی التصوف /ترجمہ: سید اسرار بخاری، لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۴ء

9- احمد علی پنجگوری۔ حجۃ القاطعہ یعنی دلائل السلوک، کراچی، مطبوعہ المکتبہ الحبیب

10- احمد اختر۔ تذکرہ الفقراء، لاہور، اللہ والے کی قومی دکان

11- اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ لاہور، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۸ء، جلد ۱۔ ۱۶، ۴، ۷، ۲۲

12- اشرف علی تھانوی، مولانا۔ التکشف عن مہمات التصوف، لاہور، علی کامران پبلشرز ۱۹۸۶ء

13- اشرف علی تھانوی، مولانا۔ امداد المشتاق، کراچی، مکتبہ تھانوی

15- اشرف علی تھانوی، مولانا۔ شریعت اور طریقت، کراچی، مکتبہ تھانوی

16- اکرام، شیخ محمد۔ رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ

17- امیر محمد شاہ گیلانی، سید۔ معارف غوث اعظم، لاہور، قادریہ بکس، ۱۹۸۵ء

18- امداد اللہ مہاجر مکی۔ کلیات امدادیہ، کراچی، دارالاشاعت

19- اکرام، محمد قدوسی، شیخ۔ اقتباس الانوار ترجمہ: واحد بخش سیال، بزم اتحاد المسلمین

20- اکرام، شیخ محمد۔ آب کوثر، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ

21- بریلوی، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان۔ ملفوظات، لاہور، فرید بک اسٹال، جلد دوم

22- بریلوی، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان۔ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، کراچی، المجدد احمد رضا اکیڈمی

23- بشیر، صاحبزادہ، محقی القادری علمی۔ اقبال کا نظریہ تصوف، لاہور، شیخ غلام اینڈ سنز، ۱۹۳۸ء

24- بشیر، صاحبزادہ، محقی القادری علمی۔ ارمغان اہل دل، کراچی، کامل پریس، ۱۹۴۹ء

25- بشیر، صاحبزادہ، محقی القادری علمی۔ فیضان غوث الاعظم، کراچی، باب الاسلام پریس

26- بشیر، صاحبزادہ، محقی القادری علمی۔ نوائے عارفانہ، ادارہ تصنیف وتالیف جامع قادریہ، باب الاسلام پریس، ۱۹۵۶ء

27- پیر محمد کرم شاہ الازہری۔ مقالات، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۹۰ء جلد اول

28- تبسم چوہدری۔ تذکرہ پیران پگارہ، حیدرآباد، انڈس پرنٹرز

29- خان، اللہ یار، مولانا۔ دلائل السلوک، جہلم، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان، ۱۹۸۲ء

30- خالد، کریم بخش۔ آثار وافکار، کراچی، ۱۹۸۹ء

31- خواجہ محمد امین نقشبندی۔ سرچشمہ رحمت، لاہور، مطبع محمدی، ۱۳۱۴ھ

33- خان محمد فیاض۔ پیران پیر، لاہور، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ، ۱۹۸۰ء

34- خیر الدین شاہ ابوالمعالی۔ تحفہ قادریہ/ترجمہ: ملک فضل الدین نقشبندی، لاہور، اللہ والے کی قومی دکان

35- خواجہ بندہ نواز گیسودراز۔ جوامع الکلم، ملفوظات/ترجمہ: پروفیسر معین الدین دردائی، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۰ء

36- خواجہ محمد ہاشم کشمی۔ نسمات القدس/ترجمہ: محبوب حسن واسطی، سیالکوٹ، مکتبہ نعمانیہ

37- خواجہ نظام الدین اولیاء۔ فوائد الفواد/ترجمہ: خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی، دہلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء

38- دارا شکوہ، شہزادہ محمد۔ سفینۃ الاولیاء/ترجمہ: مولانا محمد وارث کامل، لاہور، مدنی کتب خانہ

39- دارا شکوہ، شہزادہ محمد۔ سکینۃ الاولیاء/ترجمہ: محمد اکرم رہبر، لاہور، مکتبہ عالیہ ایبک روڈ

40- راج شاہ، قادر، حضرت۔ ملت راج شاہی (ملفوظات)، مرتبہ: معین قادری، دہلی، مہتاب پریس

41- روبینہ ترین، ڈاکٹر۔ ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، لاہور، شرکت پرنٹنگ پریس

42- رحمانی، محمد ظہیر الحسن، صوفی، سید۔ ربیع المجالس، تذکرہ محبوب رحمانی، کراچی، اسکائی لائن پریس، ۱۹۹۵ء

43- رفاعی، سید احمد کبیر۔ البرھان المؤید/ترجمہ: مولانا ظفر احمد عثمانی، کراچی، مکتبہ تھانوی

44- رمضان علی قادری، حکیم۔ عرفان منزل، (مصلح الدین نمبر)، کراچی، دارالکتب حنفیہ کھارادر، ۱۴۰۵ھ

45- رئیس احمد جعفری، انوار الاولیاء، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء، حصہ دوم طبع دوم

46- سید محمد فاروق القادری۔ جام عرفان، لاہور، فرید بک اسٹال

47- سعید احمد بلگرامی۔ بستان معرفت، لکھنو، مفید عام پریس، ۱۹۱۷ء

49- سلطان حامد۔مناقب سلطان،ترجمہ:لاہور،حسن اسٹیم پریس

50- شاہ ولی اللہ،دہلوی۔ ہمعات رترجمہ:مولانا عبداللہ شاہ،لاہور،ادارہ اسلامیات،۱۹۸۸ء

51- شاہ محمد حسن صابری۔تواریخ آئینہ تصوف،مکتبہ صابریہ،۱۹۷۱ء

52- جلال الدین سیوطی۔تاریخ الخلفاء رترجمہ:شمس بریلوی،کراچی،مدینہ پبلشنگ کمپنی

53- شہاب الدین عمر سہروردی۔عوارف المعارف رترجمہ:رشید احمد ارشد،شیخ غلام علی اینڈ سنز

54- شاہ سید محمد ذوقی۔شامتہ العنبر ،کراچی،محفل ذوقیہ نارتھ کراچی،۱۹۹۰ء

55- شاہ ولی اللہ۔القول الجمیل رترجمہ:پروفیسر محمد سرور،لاہور،سندھ ساگر اکیڈمی

56- شاہ ولی اللہ دہلوی۔انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ،رترجمہ:کراچی،عباسی کتب خانہ

57- شاہ ڈاکٹر سید دلاور علی۔القصیدۃ الغوثیہ،لاہور،آرمی پریس،۱۹۵۳ء

58- عبدالرشید،ڈاکٹر۔ اولیائے مانکی شریف اور تحریک پاکستان،کراچی،اولیاء اکیڈمی پاکستان

59- عبدالحق،ڈاکٹر،مولوی۔اردو کی ابتدائی نشونما میں صوفیائے کرام کا کام،کراچی،انجمن ترقی اردو پاکستان

60- عبداللہ یافعی یمنی۔روض الریاحین رترجمہ:مولانا جعفر نگینوی،کراچی،ایچ ایم سعید کمپنی،۱۹۶۷ء

61- عبدالمالک،علامہ،محمد۔شرح قصیدہ غوثیہ،لاہور،نوری بک ڈپو،۱۳۹۵ھ،باردوم

62- عرشی،مولانا محمد نذیر۔مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم،لاہور،شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۹۳ء،جلد اول

63- عبدالمجتبیٰ رضوی۔تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ،لاہور،کشمیر انٹرنیشنل پبلشرز

64- عبدالغنی،صوفی سائیں القادری۔ذخیرہ ہدایت وخزینہ فراست،کراچی،قادری مسجد سولجر بازار

-66 عبدالغنی،صوفی سائیں القادری۔ ہدایت خودشناسی،کراچی،عباسی لیتھوآرٹ پریس،۱۳۵۴ھ

-67 عبدالغنی،پروفیسر۔قرآنی تصوف اوراقبال،لاہور،فیروزسنز،۱۹۶۱ء

-68 علی ہجویری۔کشف المحجوب رترجمہ: میاں طفیل محمد،لاہور،اسلامک پبلی کیشنز

-69 علاؤالدین،پیرسیدطاہرالگیلانی۔تذکرہ قادریہ،لاہور،مطبوعہ استقلال پریس

-70 عبدالقادر جیلانی،حضرت شیخ۔الفتح الربانی رترجمہ: مولانا عاشق الٰہی میرٹھی،کراچی،مدینہ پبلشنگ کمپنی، ۱۹۶۵ء

-71 عبدالحق محدث دہلوی۔زبدۃ الآثار رترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی،لاہور،مکتبہ نبویہ،۱۹۸۸ء

-72 عبدالقادرعیسیٰ شیخ۔تصوف کے حقائق رترجمہ: محمد یوسف بندیالوی،مکتبہ رضویہ،۱۹۹۳ء

-73 عبدالحق محدث دہلوی،شیخ۔اخبارالاخیار فی اسرارالابرار،دہلی،مطبع مجتبائی،۱۳۳۲ھ

-74 عبدالقادرگیلانی،شیخ۔غنیۃ الطالبین رترجمہ: شمس بریلوی،کراچی،مدینہ پبلشنگ کمپنی

-75 عبدالماجددریاآبادی۔تصوف اسلام،لاہور،اسلامک بک فاؤنڈیشن،۱۹۸۰ء

-76 عبدالحکیم شرف قادری۔تذکرہ اکابراہلسنت،لاہور،مکتبہ قادریہ

-77 عبدالرسول شاہ بخاری وقادری سید۔جواہرعرفانی،کراچی،کامل پریس

-78 علمی،صاحبزادہ محمد علم الدین القادری۔تذکرہ علمیہ قادریہ،کراچی،قادری مسجد سولجر بازار،۱۹۷۸ء

-79 علمی،صاحبزادہ محمد علم الدین القادری۔تذکرہ بزرگان ذیشان،کراچی،قادری مسجد سولجر بازار، ۱۳۷۰ھ

-80 غلام سرورلاہوری۔خزینۃ الاصفیاء رترجمہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی،لاہور

-81 غلام مصطفیٰ بخاری عقیل،سید۔شاہ جیلان بے مثال مبلغ اسلام،لاہور،ادارہ تعلیمات مجددیہ

۱۹۵۹ء

83- غلام احمد پرویز۔تصوف کی حقیقت، لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، ۱۹۸۱ء

84- غلام فرید حافظ۔احوال العارفین، نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۷۹ء

85- فیض احمد فیض۔مہر منیر، گولڑہ شریف، جامعہ غوثیہ

86- فرحت ملتانی۔اولیائے ملتان، ملتان، مکتبہ تنویر ادب

87- قشیری عبدالکریم، بن ہوازن۔الرسالہ القشیریہ فی علم التصوف، مصر، دار التالیف، ۱۳۶۴ھ

88- قشیری عبدالکریم، بن ہوازن۔رسالہ قشیریہ/ترجمہ: ڈاکٹر پیر محمد حسن، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۴ء

89- مجید احمد قادری، ڈاکٹر۔یادگار سلف، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، ۱۹۹۱ء

90- مرزا محمد اختر دہلوی۔تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان، لاہور، ملک سراج الدین اینڈ سنز، جلد سوم

91- محمد بن یحییٰ التادفی۔قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر گیلانی/ترجمہ: مولوی عبدالستار، لاہور، اللہ والے کی قومی دکان

92- محی الدین کاکوروی لکھنوی۔اسرار المعرفت، دہلی، سید المطبع، ۱۲۸۳ھ

93- معین الدین دردائی، محمد، پروفیسر۔مجلس صوفیہ، کراچی، نفیس اکیڈمی

94- محمد حسین للہی۔حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی اور ان کے خلفاء، لاہور، مطبوعہ اسلامک بک فاؤنڈیشن

95- محمد دین کلیم قادری۔تذکرہ مشائخ قادریہ، لاہور، مکتبہ نبویہ

96- معین عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر۔پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء

98- میر ولی الدین، ڈاکٹر۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف اور سلوک، دہلی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین

99- میر ولی الدین، ڈاکٹر۔ مدارج السلوک، کراچی، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس

100- مودودی ابوالاعلیٰ، مولانا۔ تصوف اور تعمیر سیرت، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ

101- نثار احمد خان۔ آئینہ سلوک، کراچی، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۱۹۹۴ء

102- نظامی، خلیق احمد۔ تاریخ مشائخ چشت، کراچی، مکتبہ عارفین

103- نعیمی، محمد اقبال، مولانا۔ تذکرہ اولیائے سندھ، کراچی، شارق پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء

104- واحد بخش سیال، مولانا۔ روحانیت اسلام، لاہور، بزم اتحاد المسلمین

105- واحد بخش سیال، مولانا۔ مشاہدہ حق، لاہور، بزم اتحاد المسلمین، ۱۴۱۲ھ

106- واحد بخش سیال، مولانا۔ تربیت العشاق، ملفوظات شاہ محمد ذوقی، کراچی، محفل ذوقیہ، ۱۹۸۵ء

107- یوسف نبہانی۔ جامع کرامات اولیاء، ترجمہ: پروفیسر سید محمد ذاکر شاہ چشتی، لاہور، مکتبہ حامدیہ، ۱۹۸۲ء

108- الاشرف ماہنامہ، شجاعت علی قادری نمبر، مدیر عارف دہلوی، کراچی، اپریل مئی ۱۹۹۳ء

109- جنگ، روزنامہ جمعہ ایڈیشن مورخہ یکم ستمبر ۱۹۹۵ء، مضمون حضرت طاہر علاؤ الدین الگیلانی تحریر یاشم علی القادری

110- سیارہ ڈائجسٹ، جلد اول ماہنامہ، اولیائے کرام نمبر، لاہور، ریواز گارڈن، اپریل ۱۹۸۶ء

111- قومی ڈائجسٹ، ماہنامہ، پیران پیر نمبر، لاہور، ۵۰ لوئر مال روڈ، ۱۹۹۴ء

112- محراب و منبر، سہ ماہی، نقیب الاولیاء نمبر، جنوری تا مارچ ۱۹۸۶ء، مدیر صاحبزادہ فرید الدین قادری، کراچی، قادری مسجد سولجر بازار

113- ڈاکٹر شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۶۶ء

115- نبی بخش۔آفتاب ولایت، برقی پریس۔بدایوں بار اول، ۱۹۴۱ء

116- شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی، دہلی، ۱۳۳۲ھ

117- جمیل احمد شرقپوری۔ارشادات مجدد، مکتبہ شیر ربانی و مکتبہ نور اسلام شرقپور شریف، ۱۹۶۵ء

118- سید خورشید حسین بخاری۔الکمال، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ۱۹۶۷ء

119- حبیب اللہ خان دہلوی۔اللہ والوں کی زندگی، مطبع مجتبائی دہلی، ربیع الاول، ۱۳۳۲ھ

120- شاہ ولی اللہ دہلوی۔القول الجمیل، مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی، ۱۹۷۳ء

121- شاہ ولی اللہ دہلوی۔انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ اور ادفتحیہ، (بار سوم) کتب خانہ علویہ لائل پور۔س۔ن

122- وکیل احمد سکندر پوری۔انوار احمدیہ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۰۹ھ

123- انوارِ اصفیاء۔ادارہ تصنیف۔تالیف و شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور، ۱۹۶۷ء

124- سید رئیس احمد جعفری۔انوار الاولیاء، تالیف و شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور، ۱۹۶۷ء

125- شاہ ولی اللہ دہلوی۔انفاس العارفین، طبع دہلی، ۱۸۹۹ء

126- حافظ محمد حسین مراد آبادی۔انوار العارفین، نور کشور لکھنو، مارچ ۱۸۷۶ء

127- محمد لطیف۔اولیائے لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۶۲ء

128- رئیس احمد جعفری۔تاریخ تصوف اسلام (اردو ترجمہ)، شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

129- پانی پتی۔تذکرہ غوثیہ سید غوث علی شاہ، مرتبہ مولوی شاہ گل حسن قادری غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور

130- عزیز الدین قادری۔تذکرہ اولیائے کرام، موچی دروازہ کوچہ چشتیاں، لاہور

131- مرزا محمد اختر دہلوی۔تذکرہ اولیائے ہند، کتب خانہ میور پریس دہلی، ۱۹۲۹ء

133- برکت علی لودھیانوی۔تقویم دارالاحسان، دارالاحسان، سالا روالہ شریف ضلع لائل پور ۱۳۹۱ھ

134- محمد حسن صابری۔تواریخ آئینۂ تصوف، مکتبہ صابریہ قصور اکتوبر ۱۹۷۱ء

135- محمد حسن نقشبندی۔حالات مشائخ نقش بندیہ مجددیہ، مطبع احسن المطابع، مراد آباد، ۱۳۲۳ء

136- سید زوار حسین شاہ۔حضرت مجدد الف ثانی، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۷۲ء

137- ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں۔حضرت مجدد الف ثانی (ایک تحقیقی جائزہ)، صدر شعبہ اردو یونیورسٹی حیدر آباد

138- محمد ہاشم کشمی۔زبدۃ المقامات، نول کشور کانپور، جنوری ۱۸۹۰ء

139- سید امین الدین احمد۔صوفیائے نقش بند، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۳ء

140- مجیب الحسن۔صوفیائے وجودی، کتاب خانہ جدید، دہلی طبع اول محرم الحرام ۱۳۶۶ء

141- مولانا سید محمد میاں دیوبندی۔علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد اول، جمعیۃ العلماء ہند دہلی ۱۳۶۵ھ

142- حاجی فضل اللہ، مولانا محمد ہاشم مجددی۔عمدۃ المقامات، ۱۳۵۵ھ

143- مولوی احمد علی۔قصر عارفان، شائع شدہ دراورنٹیل کالج میگزین، لاہور، مئی ۱۹۶۵ء

144- اظہار الحسن۔قصص الاولیاء، ناشر مولوی محمد اعظم، محمد معظم تاجران کتب، لاہور، ۱۹۳۳ء

145- برکت علی لدھیانوی۔کتاب العمل بالسنۃ المعروف بہ ترتیب شریف، سالا روالہ ضلع لائل پور

146- پروفیسر خورشید حسین بخاری۔مضمون بعنوان حضرت مجدد کا نظریہ، وحدت الشہود

147- میاں محمد دین کلیم۔مضمون بعنوان مدینۃ الاولیاء اور حضرت مجدد الف ثانی، ماہنامہ عرفات لاہور

148- شیخ عطاء محمد نظامی، شیخ حبیب اللہ مظہر نظامی۔مفتاح الغیب، جیٹھی کے ضلع سیالکوٹ، اکتوبر ۱۹۳۳ء

149- عبد الصمد۔مقامات اصفیاء، مفید عام پریس آگرہ طبع دوم ۱۳۴۴ھ

150- حضرت مجدد الف ثانی۔مکاشفات عینیہ، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۳۸۴ھ

152- نورالدین۔منھاج الصوفیاء، انوار المطابع، دہلی، ۱۳۲۲ھ

153- مکتوبات حجۃ اللہ محمد نقشبندی، وسیلۃ القبول الی اللہ والرسول، مطبوعہ ۱۹۶۳ء

156- شاہ فقیر اللہ علوی شکار پوری۔قطب الارشاد، کوئٹہ ۱۳۹۷ھ (۱۹۷۷ء) عربی

157- عبدالحیٔ حسنی۔نزہۃ الخواطر ۸ جلد حیدر آباد دکن، دائرہ المعارف عثمانیہ ۱۹۶۲۔۱۹۷۰ء (عربی)

158- مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی تین جلد، مصحح، نور احمد امرتسری، کراچی، ۱۳۹۲ھ (۱۹۷۳ء)

159- مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی۔تلخیص و اردو ترجمہ، مولانا نسیم احمد فریدی امروہی مکتبہ سراجیہ، خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ضلع دیرہ اسمٰعیل خان، ۱۹۶۰ء

160- رسائل مشاہیر نقشبندیہ، مرتبہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان، حیدر آباد سندھ (فارسی)

161- مکتوبات جامع حضرت حاجی دوست محمد قندھاری۔مرتبہ، غلام مصطفیٰ خان، کراچی، ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۴ء)

162- قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ارشاد الطالبین، دہلی، مجتبائی پریس، ۱۹۱۵ء (فارسی)

163- غلام محی الدین قصوری۔ملفوظات شریفہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی، مرتبہ محمد اقبال مجددی، ترجمہ اقبال احمد فاروقی، لاہور، ۱۹۷۸ء

164- فضل اللہ مجددی قندھاری۔عمدۃ المقامات (حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ) ٹنڈو سائنداد (حیدر آباد سندھ) ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) فارسی

165- میر علی شیر قانع ٹھٹوی۔تحفۃ الکرام، اردو ترجمہ، اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۹ء

166- محمد حسن جان سرھندی۔انساب الانجاب (انساب اولاد حضرت مجدد)، ٹنڈو سائنداد (حیدر آباد سندھ)

167- شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔اخبار الاخیار، اردو ترجمہ، محمد لطیف ملک، شعاع ادب، لاہور، ۱۹۹۲ء

۱۹۷۶ء

169- مفتی غلام سرور لاہوری۔ حدیقۃ الاولیاء، تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور

170- محمد ابراہیم قصوری۔ خزینہ معرفت، لاہور، ۱۹۸۳ء، اردو

171- مولانا عبدالعزیز۔ سفینۃ العارفین، کراچی، ۱۹۸۳ء، اردو

172- ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ حضرت مجدد کا نظریہ توحید، لاہور ۱۹۶۷ء، اردو

173- نور بخش توکلی۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ، لاہور، ۱۹۷۶ء، اردو

174- سید زوار حسین شاہ۔ حضرت مجدد الف ثانی، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۷۵ء، اردو

175- شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ہمعات، اردو ترجمہ، لاہور، ۱۹۵۷ء

176- سید زوار حسین شاہ۔ عمدۃ السلوک، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۷۳ء، اردو

177- سید زوار حسین شاہ۔ انوار معصومیہ (سوانح حیات حضرت خواجہ محمد معصوم)، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۸۶ء، اردو

178- محمد اعلیٰ قریشی۔ مقامات زواریہ (سوانح حیات سید زوار حسین شاہ)، ادارہ مجددیہ، کراچی، ۱۹۸۶ء، اردو

179- اعجاز الحق قدوسی۔ تذکرہ صوفیائے سندھ، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۵۹ء اردو

180- مولانا ابوالحسن علی ندوی۔ تاریخ دعوت وعزیمت، جلد چہارم، کراچی، ۱۹۸۰ء اردو

181- قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ السیف المسلول اردو ترجمہ محمد رفیق اثری، ملتان ۱۹۷۹ء

182- ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان۔ حضرت مجدد الف ثانی، ایک تحقیقی جائزہ، حیدر آباد سندھ، ۱۹۶۵ء، اردو

184- علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی۔ الرحیم تیرھویں صدی ہجری کے مشاہیر سندھ نمبر، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد

185- سید محمد میاں۔ علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد اول، لاہور، ۱۹۷۷ء، اردو

186- شیخ محمد اعظم ٹھٹوی۔ تحفۃ الطاہرین تحشیہ، بدر عالم درانی، سندھی بورڈ کراچی، ۱۹۵۶ء

187- سید عبد القادر۔ حدیقۃ الاولیاء تحشیہ، پیر حسام الدین راشدی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۶۷ء

188- شیخ محمد اکرام۔ آب کوثر، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۲ء

189- ابو النجیب عبد القادر سہروردی۔ آداب المریدین، حیدر آباد دکن، ۱۹۶۵ء

190- اکبر شاہ خاں نجیب آبادی۔ آئینہ حقیقت نما، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۵۸ء

191- شیخ عبد الحق دہلوی۔ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۳۲ھ

192- محمد تقی حیدر۔ اذکار الابرار، آستانہ عالیہ کاظمیہ کاکوری، ۱۳۵۷ھ

193- بدر الدین اسحاق۔ اسرار الاولیاء (ملفوظات منسوب بہ بابا فرید)، نول کشور پریس کانپور، ۱۹۱۷ء

194- امیر خسرو۔ افضل الفوائد (ملفوظات منسوب بہ نظام الدین اولیاء)، سجاد پبلشرز لاہور، ۱۹۶۰ء

195- امیر خسرو۔ افضل الفوائد (راحت المحبین) (ملفوظات منسوب بہ نظام الدین اولیاء)، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور

196- شیخ محمد اکرم براسوی۔ اقتباس الانوار، لاہور، ۱۸۹۵ء

197- امام الدین گلشن آبادی۔ برکات اولیاء، افضل المطابع دہلی، ۱۳۲۲ھ

198- صباح الدین عبد الرحمان۔ بزم صوفیہ، دار المصنفین علی گڑھ، ۱۹۴۹ء

199- احمد سعید۔ تاریخ اولیائے دہلی، مطبع محبوب المطابع دہلی، ۱۳۵۴ء

200- مفتی غلام سرور لاہوری۔ خزینۃ الاصفیاء (دو جلد)، مطبع ثمر ہند لکھنؤ، ۱۸۷۲ء

۱۹۰۹ء

202- محمد عبدالحیٔ بدایونی۔ خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام، وکٹوریہ پریس بدایوں ۱۸۹۹ء

203- حمید قلندر۔ خیر المجالس (ملفوظات چراغ دہلی)، واحد بک ڈپو، کراچی

204- خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ دلیل العارفین، (ملفوظات منسوب بہ خواجہ معین الدین)، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۳۱۱ھ

205- نظام الدین اولیاء بدایونی۔ راحت القلوب، (ملفوظات منسوب بہ بابا فرید)، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور

206- قاضی اطہر مبارک پوری۔ رجال السند والہند، بمبئی ۱۹۵۸ء

207- نبی بخش علوی دلاوری (مرتبہ میجر شمس الدین محمد)۔ روضۃ الاتقیاء فی ذکر الاصفیاء، بہاول پور، ۱۹۶۸ء

208- شہزادہ داراشکوہ۔ سفینۃ الاولیاء (اردو)، ترجمہ غلام دستگیر، اسٹار بک ڈپو، لاہور

209- بابا فرید الدین گنج شکر۔ فوائد السالکین (اردو)، ملفوظات منسوب بہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، اردو ترجمہ محمد بیگ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۸۹۸ء

210- امیر حسن سجزی۔ فوائد الفواد، (ملفوظات نظام الدین اولیاء)، مرتبہ محمد لطیف ملک، ملک سراج الدین، لاہور، ۱۹۶۶ء

211- ابوالحسن علی ہجویری۔ کشف المحجوب (اردو)، ترجمہ مولانا ابوالحسنات قادری، رضوی کتب خانہ، لاہور

212- محمد ایوب قادری۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت، ادارہ تحقیق وتصنیف، کراچی، ۱۹۶۳ء

213- نورالدین عبدالرحمان جامی۔ نفحات الانس، (اردو ترجمہ)، اللہ والے کی قومی دکان، لاہور

دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۶۴ء

215- محمد یعقوب (ضیاء القادری بدایونی)۔تجلیاتِ اولیائے سہرورد، آستانہ زکریا، ملتان، جنوری، ۱۹۵۸ء

222- مولانا عبدالسلام ندوی۔امام رازی، اعظم گڑھ (بھارت)، ۱۹۵۰ء

223- شاہ معین الدین احمد ندوی۔تاریخِ اسلام، حصہ سوم، کراچی، ۱۹۷۵ء

224- پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔تاریخِ تصوف، لاہور، ۱۹۷۶ء

225- ڈاکٹر قاسم غنی۔تاریخِ تصوف دراسلام (فارسی)، تہران چاپ دوم ۱۳۴۰ش

226- ابن جریر طبری۔تاریخِ طبری، کراچی اشاعت دوم ۱۹۸۱ء

227- خواجہ فریدالدین عطار۔تذکرۃ الاولیاء (فارسی)، تہران، چاپ پنجم سالِ طبع ندارد

228- ابوبکر ابواسحٰق کلاباذی۔التعرف المذہب اہل التصوف، لاہور، ۱۹۷۸ء

229- ملفوظات بندہ نواز گیسودراز۔جوامع الکلم، کراچی، ۱۹۸۰ء

230- خورشید نعیم ملک۔حسین بن منصور حلاج، لاہور، ۱۹۹۰ء

231- ابوالقاسم قشیری۔رسالہ قشیریہ، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۸۴ء

232- عین القضاۃ ہمدانی۔رسالہ یزداں شناخت (فارسی)، تہران، ۱۳۲۷ش

233- مولانا ظفر احمد عثمانی۔سیرت منصور حلاج، کراچی، ۱۳۹۷ھ

234. MOHD NOOR NABI -*DEVELOPMENT OF MUSLIM RELIGIOUS THOUGHT IN INDIA*, ALIGARH, 1964

235. PROF. MOHD HABIB -*HAZRAT AMIR KHUSRAU OF DELHI*, BOMBAY, 1927

236. WAHEED MIRZA -*LIFE AND WORKS OF AMIR KHUSRAU*, CALCUTTA, 1935

237. DR. A. RAHIM -*SHEIKH JALALUDDIN TABRIZI*, JOURNAL OF THE PAKISTAN HISTORICAL SOCIETY, KARACHI, JULY 1960

238. KHALIQ AHMAD NIZAMI *THE LIFE AND TIME OF SHEIKH FARIDUDDIN GANJ-I-SHAKAR*, ALIGARH, 1955

239. KHALIQ AHMAD NIZAMI *THE SUHRAWARDI SILSILAH AND ITS INFLUENCE ON MEDIEVAL INDIAN POLITICS*, DELHI, 1957

240. *THE SPIRIT OF ISLAM*: BY AMIR ALI LONDON 1935

241. *THE MUSLIM COMMUNITY OF THE INDO-PAKISTAN SUB-CONTINENT*: BY DR ISHTIAQUE HUSSAIN QURESHI, PUBLISHED BY: MOUTON AND CO, S-GRAVEN HAGE.

اختتامیہ

میں نے جو کام اپریل 2000 میں شروع کیا تھا آج نومبر 2005 میں اس کی تکمیل پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

میں نے اپنے مقالے میں تصوف اور اس کی تاریخ بیان کرتے ہوئے داراشکوہ کی زندگی کا جائزہ ان کی تصانیف تصوف کے حوالے سے لیا اور کوشش کی کہ ایک نئی تحقیق سامنے آئے۔ اس سلسلے میں تصوف کی تاریخ بیان کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ دنیا میں ہر شے کے دو پہلو ہوتے ہیں یعنی ظاہری و باطنی یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کے باطنی پہلو کو طریقت کا نام دیتے ہیں جو تزکیہ نفس کی بنیاد ہے اور ان کے نزدیک کتاب و سنت ہی تصوف کے تمام مسائل کے استنباط کے لئے ماخذ ہیں اور ان مسائل کے استنباط کے حقدار وہی اہل علم ہوئے ہیں جو ظاہر و باطن میں ہر طرح تابع کتاب و سنت ہوں اور اس اتباع کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کر دیتا ہے جس سے اسرار سربستہ ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

اسی کو علم باطن یا طریقت کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد دارا شکوہ کے حالات و افکار کا ذکر ہے۔ تا کہ ان کی خدمات اور تحریرات تصوف سے پہلے ان کے حالات و افکار سے اگاہی حاصل کی جائے۔

تاریخ کے آئینے میں داراشکوہ کی ایک اور جھلک جو ہمیں دکھائی دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے باپ شہزادہ خرم نے بغاوت کے بعد جب اپنے باپ جہانگیر سے مصالحت کر لی تو جون 1626ء میں دو بیٹوں دارا

تھا کیونکہ وہ جہانگیر کو اپنے پوتوں میں سب سے لاڈلا تھا۔ جہانگیر کی زندگی میں شہزادہ خرم کے ان دونوں بیٹوں کو لاہور میں رکھا گیا۔ اس کی وفات پر جب شہزادہ خرم، شاہجہاں کے نام سے 1037ھ / 1627ء میں تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے پاس آگرہ بلا لیا۔ اس وقت دارا 13 سال کا ہو چکا تھا۔ شاہجہاں نے اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انہی دنوں انتظام کیا ہو گا لیکن تاریخ سے ہمیں اس کی تفصیل نہیں ملتی کہ اس کے باپ نے مغل روایات کے مطابق اس کی تعلیم کے لئے کون سے انتظامات کئے۔

تاریخی حقائق کے بعد دارا شکوہ کی کتب تصوف کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جس میں سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، رسالہ حق نما، حسنات العارفین، دیوان دارا شکوہ، مجمع البحرین، دارا شکوہ کی بیاض اور طریقۃ الحقیقت شامل ہیں۔

داراشکوہ سلسلہ قادریہ کے بزرگ تھے اس لئے وطن عزیز کے ایک اہم صوبہ پنجاب کے حوالے سے پنجاب میں مراکز سلسلہ قادریہ کے کردار کے بارے میں تحقیق کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ دارا شکوہ جس سلسلہ سے وابستہ تھے تصوف کے پروان چڑھانے اور علم کی ترویج میں اس کا کیا کردار ہے۔ جبکہ آخر میں ان صوفیائے کرام کی علمی اور دینی خدمات پر مبنی ہے جنہوں نے ......صوبہ پنجاب میں علماء و مشائخ قادریہ نے نہ صرف قیام پاکستان سے قبل بلکہ اس کے بعد بھی استحکام پاکستان کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے بھرپور دینی و علمی خدمات سرانجام دیں۔ تبلیغ و اشاعت اسلام اور خدمت خلق کے لئے ان بزرگوں نے مساجد، دینی مدارس، خانقاہیں، کتب خانے اور فلاحی ادارے قائم کئے۔ اس باب میں 60 سے زائد صوفیائے کرام کا ذکر ہے۔

اور اسی کے ساتھ میری یہ تحقیق اختتام پذیر ہوتی ہے۔

Abstract

My thesis comprises of a preface, 6 chapters and a conclusion with a selected bibliography of over 210 books.

In the first chapter, the terminology of "Tasawwuf" and its brief history has been given;

Chapter two consists of two biographies of Dara Shikoh and his thought;

The writings of Dara Shikoh are analysed in chapter three;

Chapter four deals with the translations of the religious literature of the Hindus made by Dara Shikoh and the letters he wrote to others.

The fifth and sixth chapters deal with the educational and spiritual services of the Sufis of the Qadri order in the Punjab to which belongs the spiritual precepts of Dara Shikoh i.e. Hazrat Mian Mir.

In the conclusion, I have commented upon the scope of my thesis and the difficulties happend during my research.

In the Bibliography, I have given the names of more than 200 selected books.